3100 ق م تا 2001ء

انسانی تاریخ کے

بڑے قتل

Saeed Ahmad +971552066884

کون کہاں ہے

یہ خوں آلود کتاب	اکرم شیخ	11
وقت	عباس سوز	18
کتاب جی	خالد ارمان	21

○○○

بائبل		23
راجہ اوک نند	(عہد حکومت: 3121ق م۔3104ق م)	25
راجہ ہرنام دیو	(عہد حکومت: 2379ق م۔2340ق م)	28
اخناتون	(عہد حکومت: 1380ق م۔1360ق م)	30
توت آنخ آمن	(عہد حیات: 1337ق م۔1319ق م)	38
ہسیوڈ	(زمانہ: آٹھویں صدی قبل مسیح)	40
زرتشت	(عہد: 1080ق م۔700ق م)	45
ارخی لوخوس	(عہد حیات: 680ق م۔640ق م)	49
الیسوپ	(زمانہ: چھٹی صدی ق م)	51
سائرس اعظم	(عہد حیات: 590ق م۔529ق م)	55
ابوکوس	(زمانہ: 550ق م۔500ق م)	58
سقراط	(عہد حیات: 469ق م۔399ق م)	60
تھیوسی ڈائڈس	(عہد حیات: 460ق م۔399ق م)	69

Saeed Ahmad +971552066884

ایپولس	(عہد حیات: 446ق م۔ 410ق م)	74
فلپوس	(عہد حیات: 382ق م۔ 336ق م)	76
داریوش سوم	(ہلاکت: 330ق م)	78
ارشمیدس	(عہد حیات: 287ق م۔ 212ق م)	81
راجہ اشوک	(عہد حکومت: 250ق م۔ 192ق م)	85
آرگس	(تخت نشینی: 240ق م)	88
پومپی دی گریٹ	(عہد حیات: 106ق م۔ 48ق م)	92
	(عہد حیات: 106ق م۔43ق م)	95
جولیس سیزر	(عہد حیات: 102ق م۔ 44ق م)	97
کلاڈیس	(عہد حیات: 10ق م۔ 54ء)	107
سینیکا	(عہد حیات: 4ق م۔ 65ء)	109
حضرت زکریا علیہ السلام	(عیسیٰ علیہ السلام کے ہم عصر تھے)	112
حضرت یحیٰی علیہ السلام	(شہادت: 31ق م)	114
حضرت عیسیٰ علیہ السلام	(عہد حیات: 8;6یا4ق م۔29ء)	116
سینٹ پال	(عہد حیات: 4ء۔ 64ء)	118
لوکان	(عہد حیات: 38ء۔ 65ء)	120
پطرنیوس	(ہلاکت: تقریباً 66ء)	122
مانی	(عہد حیات: 215ء۔ 276ء)	124
بوئدس	(عہد حیات: 475ء۔ 526ء)	128
مزدک	(عہد حیات: 487ء۔ 528ء)	131
امراؤالقیس	(عہد حیات: 500ء۔ 540ء)	133
طرفہ بن العبد ربیعی	(عہد حیات: 527ء۔ 552ء)	137
سوئی وین تی	(عہد حیات: 541ء۔ 604ء)	141
ابوجہل	(عہد حیات: 553ء۔ 623ء)	143
عثمانؓ بن عفان	(ولادت: 576ء۔ شہادت: 655ء)	144
حضرت عمرؓ	(ولادت: 583ء۔ شہادت: 644ء)	

Saeed Ahmad +971552066884

خسرو پرویز	(عہد حکومت: 590ء۔628ء)	153
علیؓ بن ابی طالب	(عہد حیات: 599ء۔660ء)	155
عنترہ بن شداد	(تاریخ وفات: 600ء یا 615ء)	160
حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا	(شہادت: تقریباً 615ء)	163
حضرت سعید بن جبیرؒ	(عہد حیات: 622ء۔713ء)	164
امام حسنؓ بن علیؓ	(ولادت: 625ء۔شہادت: 671ء)	167
امام حسینؓ بن علیؓ	(عہد حیات: 626ء۔681ء)	170
حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز	(عہد حیات: 681ء۔720ء)	178
عقبہ بن نافع	(شہادت: 683ء)	180
محمد بن قاسم	(عہد حیات: 694ء۔716ء)	182
مروان بن محمد	(عہد حکومت: 744ء۔750ء)	186
امام موسیٰ کاظمؒ	(عہد حیات: 745ء۔799ء)	187
حسینؒ بن منصور حلاج	(ولادت: 858ء۔شہادت: 922ء)	189
امام حسن عسکریؒ	(عہد حیات: 847ء۔874ء)	191
راجہ ادت پلاپیڈ	(عہد حکومت: 870ء۔872ء)	193
ابوالطاہر محمد بن بقیہ	(عہد حیات: 919ء/929ء۔977ء)	195
دقیقی	(عہد حیات: تقریباً 940ء۔980ء)	197
راجہ یوشسکر	(ایام حکومت: 956ء تا 966ء)	199
راجہ سنگرام دیو	(عہد حکومت: 6 ماہ (966ء)	201
نظام الملک طوسی	(عہد حیات: 1018ء۔1092ء)	203
تھامس بیکٹ	(عہد حیات: 1118ء۔1170ء)	207
ادیب صابر	(ہلاکت: 1151ء)	209
اسنوری	(عہد حیات: 1179ء۔1241ء)	211
خلیفہ مستعصم	(عہد حیات: 1193ء۔1258ء)	216
شہاب الدین محمد غوری	(وفات: 1206ء)	217
قطب الدین مبارک خلجی	(وفات: 1321ء)	219

Saeed Ahmad +971552066884

واٹ ٹائلر	(عہد حیات: 1350ء۔1381ء)	221
جان پال	(ہلاکت: 1381ء)	223
جون آف آرک	(عہد حیات: 1412ء۔1431ء)	225
جان ہس	(ہلاکت: 1415ء)	234
سیزری بورجیا	(پیدائش: 1474ء یا 1476ء)	236
سر تھامس مور	(عہد حیات: 1478ء۔1535ء)	243
میجی لن	(عہد حیات: تقریباً 1480ء۔1521ء)	251
تھامس موئنزر	(عہد حیات: 1498ء۔1525ء)	253
ایوان خونخوار	(عہد حیات: 1530ء۔1584ء)	258
ابوالفضل	(عہد حیات: 1551ء۔1602ء)	264
کرسٹوفر مارلو	(عہد حیات: 1564ء۔1593ء)	266
چارلس اول	(عہد حیات: 1600ء۔1649ء)	271
داراشکوہ	(عہد حیات: 1615ء۔1659ء)	274
حضرت سرمدؒ	(ولادت: 1618ء۔شہادت: 1661ء)	277
نادر شاہ درانی	(عہد حیات: 1688ء۔1747ء)	281
مرزا مظہر جان جاناں	(عہد حیات: 1698ء۔1781ء)	282
کیپٹن جیمز کک	(عہد حیات: 1728ء۔1779ء)	285
انتونی لارنٹ لاوزیئر	(عہد حیات: 1743ء۔1794ء)	292
دانتون	(عہد حیات: 1759ء۔1794ء)	295
بابیو	(عہد حیات: 1760ء۔1797ء)	297
نپولین بونا پارٹ	(عہد حیات: 1769ء۔1821ء)	301
الیگزانڈر پشکن	(عہد حیات: 1799ء۔1837ء)	304
ابراہام لنکن	(عہد حیات: 1809ء۔1865ء)	308
قرۃ العین طاہرہ	(عہد حیات: 1817ء۔1852ء)	314
سانڈور پتوفی	(عہد حیات: 1823ء۔1849ء)	318
جیمز گارفیلڈ	(عہد حیات: 1831ء۔1881ء)	324

Saeed Ahmad +971552066884

ولیم میکنلی	(عہد حیات: 1843ء۔1901ء)	327
خرستو بوتیف	(عہد حیات: 1848ء۔1876ء)	330
فرانس فرڈی ننڈ	(عہد حیات: 1863ء۔1914ء)	333
لالہ لاجپت رائے	(عہد حیات: 1865ء۔1928ء)	335
نکولس دوم	(عہد حیات: 1868ء۔1918ء)	337
مہاتما گاندھی	(عہد حیات: 1869ء۔1948ء)	338
راسپوٹین	(عہد حیات: 1871ء۔1916ء)	341
ماتا ہری	(عہد حیات: 1876ء۔1917ء)	351
لیون ٹراٹسکی	(عہد حیات: 1879ء۔1940ء)	353
مورٹز شلک	(عہد حیات: 1882ء۔1936ء)	355
بینٹو مسولینی	(عہد حیات: 1883ء۔1945ء)	357
مولانا محمد مظہرالدین	(عہد حیات: 1888ء۔1939ء)	364
فرخی یزدی	(عہد حیات: 1888ء۔1940ء)	367
احمد کسروی	(عہد حیات: 1890ء۔1946ء)	371
عشقی	(عہد حیات: 1893ء۔1925ء)	374
لیاقت علی خان	(عہد حیات: 1895ء۔1951ء)	378
بنجمین فندویان	(عہد حیات: 1898ء۔1944ء)	381
فیڈریکو گارشیا لورکا	(عہد حیات: 1899ء۔1936ء)	383
جیولس فیوچک	(عہد حیات: 1903ء۔1943ء)	385
لی یک سا	(عہد حیات: 1905ء۔1944ء)	387
موسیٰ جلیل	(عہد حیات: 1906ء۔1944ء)	389
شیخ حسن البناء	(عہد حیات: 1906ء۔1949ء)	395
سید قطب شہید	(عہد حیات: 1906ء۔1966ء)	397
شاہ فیصل بن عبدالعزیز	(عہد حیات: 1906ء۔1975ء)	399
بھگت سنگھ	(عہد حیات: 1907ء۔1931ء)	400
نکولا واپتساروف	(عہد حیات: 1909ء۔1942ء)	402

Saeed Ahmad +971552066884

رادوتی مکلوش	(عہد حیات: 1909ء۔1944ء)	404
جون کارن فورڈ	(عہد حیات: 1915ء۔1936ء)	407
جان ایف کینیڈی	(عہد حیات: 1917ء۔1963ء)	409
شیخ مجیب الرحمٰن	(عہد حیات: 1920ء۔1975ء)	413
زویا کرگ لووا	(عہد حیات: 1923ء۔1943ء)	417
ارنسٹو چے گویرا	(عہد حیات: 1928ء۔1967ء)	419
مارٹن لوتھر کنگ	(عہد حیات: 1929ء۔1968ء)	425
اودھم سنگھ	(وفات: 1940ء)	427
فریڈو گارڈیو سروانتیس	(عہد حیات: 1940ء۔1967ء)	429
جیسوئیر ہیرود	(عہد حیات: 1942ء۔1963ء)	431
مسعود دھانی	(ہلاکت: 1947ء)	433
چمن مولائس	(ہلاکت: 1985ء)	437
روچیو امیریکہ	(ہلاکت: 1986ء)	441
پھولن دیوی	(عہد حیات: 1963ء۔2001ء)	443

○○○

چارٹ 1	ادوار اور شخصیات	446
چارٹ 2	شعبے اور شخصیات	447
چارٹ 3	ممالک اور شخصیات	448
ضمیمہ		449
کتابیات		460

Saeed Ahmad +971552066884

ہابیل

حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے جنہیں ان کے بھائی قابیل نے موت کے گھاٹ اتارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب بھی دنیا میں کسی کو ناحق قتل کیا جاتا ہے تو اس کے خون کے گناہ کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے قابیل پر پڑتا ہے کیونکہ اسی نے سب سے پہلے قتل ناحق کی رسم جاری کی تھی۔" (صحیح بخاری)

آدم (علیہ السلام) کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انہیں سنا دو، ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا، ان میں سے ایک کی نذر تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ میں تجھے مار ہی ڈالوں گا، اس نے کہا: اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے (27) گو تو میرے قتل کے لئے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا، میں تو اللہ تعالیٰ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں (28) میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنے گناہ اپنے سر پر رکھ لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے، ظالموں کا یہی بدلہ ہے (29) پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا، جس سے نقصان پانے والوں میں سے ہو گیا (30) پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا تا کہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی نعش کو چھپا دے، وہ کہنے لگا، ہائے افسوس! کیا میں ایسا کرنے سے بھی گیا گزرا ہو گیا کہ اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفنا دیتا؟ پھر تو (بڑا ہی) پشیمان اور شرمندہ ہو گیا (31) اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین

Saeed Ahmad +971552066884

میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے، اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا اور ان کے پاس ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں کے اکثر لوگ زمین میں ظلم و زیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے۔ (32)

(قرآن حکیم۔ سورۃ اَلمآئِدَۃ۔ آیات 27 تا 32)

Saeed Ahmad +971552066884

راجہ اوک نند

عہد حکومت: 3121 ق م - 3104 ق م

اس حکمران کے قتل سے "اوک نند خاندان" میں وہ دراڑیں پہلی مرتبہ نمودار ہوئیں جو آگے جا کر مکمل انہدام کا باعث بنیں۔ وہ اپنے خاندان کا پہلا اور آخری چراغ تھا جو جلا بھی خوب اور بجھا بھی خوب

کشمیر کے اس مقتول حکمران کے حالات نامور محقق محمد الدین فوق کی کتاب "تاریخ کشمیر" اور سید محمود آزاد کی اسی نام کی تصنیف کے علاوہ پنڈت کلہن کی "راج ترنگنی" میں ملتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم راجہ اوک نند کا تذکرہ کریں، چند ضمنی لیکن اہم باتوں کا ذکر غیر ضروری نہ ہوگا۔

کشمیر کی وادی ابتدا ہی سے تاریخ ہند کی محتاج چلی آتی ہے۔ اس پہلو سے دیکھیں تو قدیم عہد میں یہاں قبائل پر ان کے سرداروں کی حکمرانی قائم ہوئی۔ پھر آبادی کی ترقی ہونے پر ہر ایک گاؤں میں اکابران دیہہ حکمرانی کرنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد گاؤں کی حکومت سے انہیں علاقوں کی فرمانروائی کا شوق دامن گیر ہوا۔ یہاں تک کہ ایک ایک شخص نے کئی کئی گاؤں زیر قبضہ کر لئے۔ اپنے اپنے علاقوں میں انہوں نے پہاڑی دروں اور دیگر بلند مقامات پر قلعہ جات یا کوٹ بھی تعمیر کر لئے۔ ایک ایک کوٹ کا حاکم کئی کئی دیہات پر متصرف ہو گیا۔ جس سے ملک کشمیر میں کوٹہ راج بن گئے۔ ایک عرصہ تک تو یہ محدود حکومتیں قائم رہیں لیکن جب ان کے سربراہوں کے دلوں میں ملک گیری کی مزید ہوس پیدا ہوئی تو "ایک ملک، ایک بادشاہ" کے اصول کی طرف سفر شروع ہو گیا۔ یہ سفر نتیجہ خیز رہا اور 3180 ق م میں تمام ملک کشمیر پر

Saeed Ahmad +971552066884

پورن کرن کے بیٹے دیا کرن نے قبضہ قائم کرلیا۔ رعایا نے بھی خوشی سے اسے حکمران تسلیم کیا اور ملک کی آمدنی کا چھٹا حصہ خراج کے طور پر شاہی خزانے میں جانے لگا۔

اس ضروری تمہید کے بعد اب سوم دت کی طرف آتے ہیں۔ سب سے پہلے جس خاندان نے کشمیر پر حکومت کی وہ ''راجگان جموں کا خاندان'' کہلاتا ہے۔ اوپر مذکور دیا کرن کو آپ اس خاندان کا بانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس راج گھرانے نے مجموعی طور پر 55 سال تک کاروبار ملک سنبھالے رکھا۔ دیا کرن چونکہ کوٹہ راج کا خاتمہ کر کے خاندانی نظام حکومت کی بنیاد رکھ چکا تھا اس لئے اس کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ بعد ازاں حکومتی گدی کی تیسری پشت میں دیا کرن کا پوتا راجہ سوم دت کشمیر کے تخت پر متمکن ہوا۔

جب 3125 ق م میں راجہ سوم دت جنگ میں مارا گیا تو نہ صرف اس کے راج گھرانے کا خاتمہ ہوگیا بلکہ پورے ملک کشمیر میں بدامنی اور ابتری کا دور دورہ بھی ہوا۔

سوم دت کے بعد چار سال تک مملکت کا شیرازہ بکھرا رہا۔ نتیجہ کے طور پر اس خطے کو پہلی بار حاصل ہونے والی وسیع تر حکومت ختم ہوگئی اور پھر وہی پرانا چلن عام ہونے لگا۔ ہر شخص اپنے گھر کا بادشاہ بن گیا۔ جب بدحالی اور انتشار کی وجہ سے خطرناک اور اقتدار پسند لوگ اپنا سکہ جمانے کے لئے پھر سے متحرک ہوئے تو اکابرین خطہ نے اس صورتحال کو بھانپ کر اہالیان کشمیر میں سے اوک نند نامی ایک بارسوخ شخص کو عنان حکومت سونپ دی۔

راجہ اوک نند بہادر اور شجاع تھا۔ فتنہ اور فساد کی بنیاد کاٹ کر تمام ملکی امور نہایت احسن طور پر انجام دیتا تھا۔ اس کے عہد میں راجہ متھرا کا سری کرشن جی سے جھگڑا تھا۔ کرشن نے فوج کشی کر کے متھرا کا محاصرہ کرلیا۔ چونکہ راجہ اوک نند کو متھرا کے راجہ سے قریبی تعلق تھا اس لئے اسے نرغہ میں پاکر مع فوج متھرا کے نواح میں جا پہنچا اور دریائے جمنا کے کنارے خیمے لگا کر جنگ کا میدان گرم کر دیا۔ کئی دن تک طرفین کے بہادر داد شجاعت دے کر خون کی ندیاں بہاتے رہے۔ مگر مجموعی طور پر اوک نند کا پلہ بھاری رہا۔ آخر کار ایک دن اپنی فوج میں گھبراہٹ کے آثار دیکھ کر اوک نند خود میدان میں کود پڑا۔ دشمن کی صفوں کو درہم برہم کرتا ہوا کمال بہادری اور جواں مردی سے لڑا۔ انجام کار سری کرشن کا بھائی بلبھدر جی اوک نند کے مقابلہ پر آ گیا۔ اوک نند نے بہت جدوجہد کی لیکن اپنے سے طاقتور دشمن کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔

راجہ اوک نند نے 17 سال تک عدل و انصاف سے حکومت کی اور اپنی ذمہ داریوں کو

Saeed Ahmad +971552066884

ان کے تمام تر تقاضوں کے ساتھ پورا کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کے نام پر ''اوکند شاہی خاندان'' قائم ہوا۔ جس کے حکمرانوں نے 3121ق م سے 3036ق م تک کشمیر پر حکومت کی۔ اگر غور کیا جائے تو راجہ اوک نند کی ہلاکت سے جو دراڑیں اس خاندان میں پڑ گئیں وہ آگے جا کر مکمل انہدام کا باعث بنیں اور ''اوک نند خاندان'' کا آخری راجہ بھی سازشیوں اور نمک حراموں کے ہاتھوں قتل ہوا، جس کے نتیجہ میں ''راجگان خاندان اوک نند'' کا عہد ختم ہوا اور کشمیر ایک نئے دور میں داخل ہو گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

راجہ ہرنام دیو

عہد حکومت: 2379 ق م - 2340 ق م

انگوروں کے باغات پر خصوصی توجہ دینے والے اس راجہ کا عہد بھی عجیب عہد تھا۔ ہر صحن میں شراب کشید کی جاتی، ہر گھر میں جام کھنکتے اور ہر گلی میں ہنگامہ ہوتا۔ آخر کار یہی ہنگامے اسے نگل گئے

''خاندان پانڈواں'' کی کشمیر پر فرمانروائی کا تقریباً ایک ہزار سالہ عظیم اور طویل عہد، جو راجہ سکھ دیو کے زمانہ سے تنزل کا شکار ہو گیا تھا اور بعد میں آنے والے کچھ راجاؤں سند یمان وغیرہ نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی تھی، راجا ہرنام دیو کے عہد میں بالکل گہنا گیا۔

یہ حکمران 2379 ق م میں کشمیر کے حکومتی تخت پر متمکن ہوا۔ اس کی تخت نشینی کے ساتھ ہی خاندان پانڈواں کی حکومت کا نقشہ بدل گیا۔ ہرنام دیو نے جور و بدعت کا ایسا بیج بویا جو آگے چل کر اس کے خاندان کی مکمل بیخ کنی کا باعث بنا۔ عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کی غیر حقیقی روش نے اسے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا۔ ہر وقت شراب کی محفلیں برپا رہتیں۔ شراب کشید کرنے کی غرض سے اس نے جابجا انگوروں کے باغات لگوائے۔ ہرنام دیو کی ان کارروائیوں نے عوام کو بھی اس کا ہم مشرب بنا دیا۔ گلی گلی، کوچہ کوچہ اور نگر نگر شراب گھر کھل گئے۔ ہر صحن میں شراب تیار ہوتی۔ ہر کمرے میں پی جاتی اور ہر گلی میں ہنگامہ برپا ہوتا۔ جن لوگوں کو ناداری کے باعث شراب دستیاب نہ ہوتی ان کے لئے اس ام الخبائث کا سرکاری سطح پر اہتمام کیا جاتا۔ اس زمانہ میں شراب قانونی طور پر حلال تصور ہوتی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری بدکاریاں بھی معمول بن گئیں۔ زنا کاری، رنڈی بازی اور قمار بازی معمولی مشاغل سمجھے جانے لگے۔ رعایا کی بہو بیٹیاں راجہ کے ہاتھوں خراب ہونے لگیں۔ راہ چلتی مستورات

Saeed Ahmad +971552066884

کو زبردستی پکڑ لینا ایک عام بات تھی۔ چونکہ لوگ ہمیشہ حکمران کی تقلید کرتے ہیں اس لئے عوام نے بھی پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے۔ عام راستوں کے بیچ زنا کاری ہوتی مگر کیا مجال کہ کوئی روکنے یا سمجھانے کی کوشش کرے۔

یہ حشر برپا ہوتے دیکھ کر راجہ کے غیور وزیر درگا کے بدن میں خون غیرت نے جوش مارا۔ آخر کار وہ کچھ فوج جمع کر کے راجہ پر چڑھ آیا۔ ہرنام دیو جیسے مدہوش راجہ کو مغلوب کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ اس لئے وزیر دیکھتے ہی دیکھتے راجہ کے وفاداروں کو پسپا کر کے دارالحکومت میں داخل ہو گیا۔ درگا نے محلات شاہی کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اس آتش زدگی سے بہت سے ملحقہ علاقے بھی متاثر ہوئے۔ شراب کے رسیا عوام نے خیال کیا کہ درگا نے جان بوجھ کر یہ زیادتی محض انہیں ستانے کو کی ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ ایک کی کی زبان سے درگا کے خلاف کوئی تلخ بات نکلی تو سب کے سب اٹھ کھڑے ہوئے اور وزیر کی وفادار فوج پر حملہ کر دیا۔ درگا اس حملہ میں مارا گیا اور اس کی فوج منتشر ہو گئی۔ بدی کی سیاہی بدستور غالب رہی اور ہرنام دیو حسب معمول حکومت پر قائم رہا۔ رعایا کی قربانی اور جانفشانی کی داد دیتے ہوئے اس نے دو سال کا خراج بالکل معاف کر دیا اور خود پہلے سے بھی زیادہ آزادی کے ساتھ عیش و عشرت میں محو ہو گیا۔ ہرنام دیو، درگا کی موت کے بعد سمجھتا تھا کہ میں تمام خطرات سے بے نیاز ہو گیا ہوں۔

لیکن دوسری طرف مقتول درگا کا بیٹا رنگو دن رات اپنے باپ کا انتقام لینے کی تدبیر میں رہتا تھا۔ وہ بھی باپ کی طرح راجہ کی رنگین طبع اور رعایا کی بے راہروی کا سخت مخالف تھا۔ آخر کار 2340ق م میں شکار کے موقع پر راجہ ہرنام دیو رنگو اور اس کے ہمراہیوں کا شکار ہو گیا۔ غیرت مند رنگو کے ہاتھ سے قتل ہونے والے راجہ ہرنام دیو نے 39 سال تک کشمیر پر حکمرانی کی۔ اس کا پورا عہد حکومت اخلاق اور نیکی کے دامن پر نمایاں ترین سیاہ دھبہ کا درجہ رکھتا ہے۔ ہر چند کہ خاندان پانڈواں کے راجگان کی کشمیر پر حکومت کا طویل عہد راجہ سکھدیو (2731ق م۔ 2687ق م) کے مسلسل تساہل اور عیش کوشی کے باعث مائل بہ زوال ہو چکا تھا مگر اس عظیم خاندان کی تباہی اور تنزلی میں جو کسر رہ گئی تھی وہ ہرنام دیو کی سیاہ کاریوں نے پوری کر دی۔ گو کہ ہرنام دیو کے بعد بھی متعدد حکمرانوں نے کشمیر کے تخت پر بیٹھ کر حکومت کا فریضہ انجام دیا لیکن تاریخی طور پر ہرنام دیو کا عہد خاندان پانڈواں کے اقتدار کی آخری ہچکی شمار کیا جا سکتا ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

اخناتون

عہد حکومت: 1380ق م - 1360ق م

خدائے واحد کا تصور پیش کرنے والا فرعون۔ اولین شاعر فطرت۔ انسانی تاریخ کا انتہائی متنازعہ اور پر اسرار کردار۔ اس نے ایک ایسی حمد تخلیق کی جسے قدیم ادب کی چند عظیم ترین نظموں میں شمار کیا جاتا ہے

تاریخی دور کے آغاز سے قبل مصر بہت سی چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ابن حنیف لکھتے ہیں کہ جنوبی اور شمالی علاقوں پر مشتمل متحدہ مصر کا پہلا تاریخی حکمران منی نامی فرعون تھا جس نے 3100ق م میں کثیرالریاستی نظام ختم کر کے مصر کو سیاسی وحدت سے آشنا کیا۔ یوں مصری بادشاہوں یا فرعونوں کے تیس خاندانوں کی حکومت شروع ہوئی جو 3100ق م سے 332ق م تک قائم رہی۔ مذکورہ خاندانوں میں سے اٹھارہواں خاندان کئی حوالوں سے اہم ہے جس کا بانی آحمس (1575ق م۔ 1550ق م) تھا۔ آحمس کے قائم کردہ خاندان نے 1575 ق م سے 1308ق م تک مصر پر پوری شان وشوکت اور جاہ وجلال سے حکومت کی۔ عسکری اور معاشی حوالے سے مصر کی تیز رفتار ترقی اور اخناتون کی پیدائش اس عہد کے نمایاں ترین واقعات ہیں۔

اخناتون کب پیدا ہوا؟ اس سوال کا حتمی جواب دینا بہت مشکل ہے۔ ولیم ایل لینگر اس فرعون کا عہد حیات 1458ق م تا 1375ق م قرار دیتے ہیں۔ لیکن دیگر مستند ذرائع ان تاریخوں کی تائید نہیں کرتے لہٰذا ہم نے زیرنظر صفحہ کی پیشانی پر اخناتون کا عہد حیات درج کرنے کی بجائے اس کا عہد حکومت لکھنے کو ترجیح دی جو نسبتاً زیادہ درست اور متفقہ ہے۔

اخناتون کے باپ کا نام آمن حوتپ سوم تھا جو اٹھارہویں خاندان کا نواں فرعون تھا۔

Saeed Ahmad +971552066884

اس کے بعد 1380 ق م میں اخناتون تخت نشین ہوا۔ اکثر محققین اس امر پر متفق ہیں کہ اس نے بیس سال تک مصر پر حکمرانی کی۔ آمن حوتپ سوم نے 36 برس تک نہایت استحکام اور کامیابی سے حکومت کر کے اپنے بیٹے کے لئے ایک خوشحال اور منظم ریاست ورثے میں چھوڑی تھی جسے ریاست کی بجائے سلطنت کہنا زیادہ درست ہوگا۔ قدیم تاریخ کے ماہرین اور مصریات کے علماء کو آج بھی یہ یقین نہیں کہ آمن حوتپ چہارم کے نام سے تخت پر بیٹھنے والا اخناتون یہ عظیم الشان سلطنت سنبھالنے کا اہل تھا۔

بچپن میں وہ اپنی ماں تائے (Tiy) کے زیر اثر رہا اور تخت نشین ہو کر اپنی بیوی نفرتی تی کے سحر میں جکڑا گیا۔ یوں ابتداء سے حکومت سنبھالنے تک اور بعد میں بھی اس کی شخصیت نسوانی اثرات کی چھاؤں میں تشکیل پائی۔ شاہی خاندان کی یہ عورتیں مصری حکومت و سیاست میں بڑی حد تک دخیل تھیں اور وزراء و امراء ان کی خوشنودی و رضامندی کو اپنی ترقی کا پہلا زینہ خیال کرتے تھے۔ اس صورتحال کا نتیجہ یہ تھا کہ اراکین دربار کے مختلف گروہوں کی وفاداریاں مختلف شاہی خواتین کے ساتھ تھیں۔

اس پس منظر میں اخناتون کا یہ ذہنی میلان ناقابل فہم نہیں رہتا کہ وہ شاہی محل کی زندگی کو جنگی مصروفیات پر ہمیشہ ترجیح دیتا تھا۔

معروف محقق جان کیٹنگ کا لکھنا ہے کہ اخناتون کے دور حکومت میں ایشیا اور افریقہ کی سرحدوں پر عدم استحکام کا آغاز ہو چکا تھا۔ دور دراز صوبوں کے گورنروں پر اتنا دباؤ تھا کہ ان کے لئے حکومت قائم رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ نوجوان فرعون کی طرف مدد کے لئے جو پیغام بھیجے جاتے وہ ان پر کوئی توجہ نہ دیتا۔ کیونکہ اسے سیاست سے زیادہ مذہب میں دلچسپی تھی۔

لہٰذا امور سلطنت میں مصروف رہنے کی بجائے وہ فلسفیانہ غور و فکر میں مشغول رہا جس نے اسے تمام فرعونوں سے منفرد بنا دیا۔

یہ وہ دور تھا جب قدیم مذہب میں انقلاب کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ پرانے دیوتا اپنے اپنے علاقوں تک محدود تھے۔ کیونکہ وہ وسیع سلطنت کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے تھے۔ ان دیوتاؤں کے نام آج بھی جانے پہچانے ہیں اور معبدوں میں ان کی عبادت بڑے لمبے عرصے تک ہوتی رہی۔ کچھ مصری مفکرین نے کہا: ”ہمارے دیوتا بہت چھوٹے ہیں۔ یہ اپنے مخصوص شہروں میں اپنی عبادت کرواتے ہیں لیکن نئی مملکت کے امور کے ساتھ خود کو ہم آہنگ نہیں کر سکتے۔ اب ملک کی سرحدیں صرف دریائے نیل تک محدود نہیں بلکہ صحرا کے پار پہاڑوں تک ہیں۔“ بعض مغربی مفکرین کا کہنا ہے کہ اس وقت چونکہ ایک بڑی سلطنت وجود

Saeed Ahmad +971552066884

میں آ چکی تھی لہٰذا یہ کوئی حادثہ نہیں تھا کہ مصر میں ایک آفاقی

اس وقت ان کا بادشاہ دنیا بھر سے خراج وصول کر رہا تھا۔

آمن حوتپ چہارم مذہبی معاملات کے بارے میں تو شروع ہی سے سوچتا رہتا تھا، اب جب قوت اس کے ہاتھ میں آئی تو اس نے ان سوچوں کو حقیقت کا رنگ دینے کا فیصلہ کیا۔ اگر کسی دیوتا کو باقی سب پر فوقیت حاصل تھی تو وہ مصر کے دارالحکومت تھیبس کا دیوتا آمن تھا۔ آمن حوتپ کا مطلب ہے: ''آمن مطمئن ہے''۔ لیکن جس بادشاہ نے یہ نام اختیار کیا تھا وہ خود مطمئن نہیں تھا۔ اس نے یہ خطاب ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کی جگہ اخناتون کا نام اختیار کر لیا۔ اس لفظ کا مطلب ہے ''آتن کی روح'' آتن کا نام اس دیوتا کو دیا گیا جس کی علامت سورج تھا۔ بادشاہ یہ نہیں سمجھتا تھا کہ سورج بذات خود ایک دیوتا ہے بلکہ اس کے نزدیک یہ اس لیے اہم تھا کہ اس کی حرارت زمین کے لئے زندگی ہے۔ اس کی وہ تصویریں بھی اس نظریے کی ترجمانی کرتی ہیں جن میں اسے شاہی محل یا کسی دوسری عمارت میں بیٹھا ہوا دکھایا گیا ہے۔ ان تصویروں میں ہم بادشاہ ملکہ اور ان کی بیٹیوں کو سورج سے پھوٹتی ہوئی شعاعوں میں بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں۔ شعاعیں ہاتھوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور ان تمام شعائی ہاتھوں نے زندگی کی علامت کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔

اس نوعیت کی ہر علامت روایت سے مکمل انحراف تھی کیونکہ اس دور میں دیوتاؤں کو انسان، جانور یا آدھے انسان اور آدھے جانور کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔ سادہ لوح مصری ان عجیب وغریب مخلوقات کے زمین یا آسمان پر موجود ہونے پر مکمل یقین رکھتے تھے۔ اگرچہ پڑھے لکھے لوگوں کے نظریات اتنے خام نہیں تھے لیکن پھر بھی ایسے لوگ نہ ہونے کے برابر تھے جو اپنے ان دیوتاؤں کی بجائے جن کی عبادت وہ زمانہ قبل از تاریخ سے کرتے چلے آئے تھے، ایک نئی علامت کو معبود کا درجہ دینے کو تیار ہوں۔ تاہم اخناتون کو یہ تصویریں بھی پسند نہیں تھیں۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے مذہبی انقلاب کے ذریعے ان کا احترام ختم کر دے گا جو مذہبی اعتقادات اور عبادتوں کی شکل میں انہیں صدیوں سے مل رہا تھا۔ اس کا ماضی سے مکمل قطع تعلقی چاہتا تھا۔

اگر اس کی عمر اور تجربہ زیادہ ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ حکومت میں بہت سے سمجھوتے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ لیکن وہ تو صرف اتنا جانتا تھا کہ بطور فرعون اس کے پاس لامحدود قوتیں ہیں اور خاص طور پر اپنے نظریات دوسروں پر لاگو کرنے کے معاملے میں وہ بالکل آزاد ہے۔ جلد ہی اس نے اس بات کا ثبوت بھی پیش کر دیا اور ''آتن ازم'' کو مملکت کا

Saeed Ahmad +971552066884

مذہب قرار دینے میں انتہائی جلد بازی سے کام لیا۔ اس نے تھیبس کا نام ''آتن کی روشنیوں کا شہر'' رکھ دیا۔ آمن دیوتا کو معبد بدر کر کے اس کے معبد کے احاطے میں اس نے نئی عبادت کا اہتمام کروایا۔ آمن کے کاہن بہت بااثر لوگ تھے۔ تمام ملک میں ان کے ساتھی ان کی حمایت کر رہے تھے لیکن وہ اپنے عہدوں اور مراعات کا دفاع کرنے کے لائق نہیں تھے۔ لہٰذا اس نے ان تمام کاہنوں کو ہٹا دیا جو معزول دیوتا آمن کے وفادار تھے۔ اخناتون نے دیگر پرانے دیوتاؤں کی سرکاری عبادت بھی ختم کر دی اور حکم دیا کہ ان دیوتاؤں کے نام جس یادگار پر بھی لکھے ہوئے ہوں انہیں مٹا دیا جائے۔ خاص طور پر آمن کا نام لینا تو گناہ کی شکل اختیار کر گیا۔ جب لوگوں نے مزدوروں کو بادشاہ کے آباؤ اجداد کے مجسموں سے جو کہ کارنک کے عظیم معبدوں کی دیواروں پر لگے ہوئے تھے، دیوتاؤں کے نام مٹاتے ہوئے دیکھا تو گھبرا گئے۔ کیونکہ اب لفظ دیوتا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا اور بادشاہ نے اعلان کیا تھا کہ ایک خدا کے سوا کوئی دیوتا نہیں۔

جب قدیم دیوتاؤں سے اخناتون کی نفرت حد سے بڑھ گئی تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ تھیبس چھوڑ دے تاکہ ماضی کے تمام حوالوں سے چھٹکارا پایا جا سکے۔ نئے دارالحکومت کی تعمیر کے لئے اس نے تھیبس کے قریب ہی ایک میدان کا انتخاب کیا۔ اس میدان کے تین طرف چٹانیں اور چوتھی طرف دریائے نیل بہتا تھا۔ اپنی حکومت کے چھٹے سال، آٹھویں مہینے کے تیرہویں دن نوجوان فرعون دو گھوڑوں کی بگھی پر سوار ہو کر آیا۔ اس نے اعلیٰ سرکاری افسران اور دوسری ممتاز شخصیتوں کی موجودگی میں ایک بڑے رقبے کو آتن کے مقدس شہر کے لئے وقف کیا۔ اس علاقے کی سرحدیں مقرر کرنے کے لئے اس نے چودہ نشان لگائے، تین مغرب کی طرف اور گیارہ مشرقی سمت میں۔

یہ یادگاریں اب بھی موجود ہیں جو قدیم مصری تہذیب کے ناقابل فراموش تبرکات شمار ہوتی ہیں۔ سب سے بڑی یادگار چھبیس فٹ اونچی ہے۔ ان میں سے ہر ایک پر کئی تحریریں موجود ہیں۔ بعض جگہوں پر یہ تحریریں اسی اسی سطروں پر مشتمل ہیں اور ان کے ساتھ اخناتون، نفرتی تی اور اس کی بیٹیوں کی تصویریں ہیں جن میں انہیں سورج کی پھوٹتی ہوئی شعاعوں کے نیچے بیٹھے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ان یادگاروں کے قیام کے وقت بادشاہ نے بتایا کہ اس جگہ کی نشاندہی خود آتن نے کی ہے۔ اس نے اس شہر کو ''آخت آتن'' کا نام دیا یعنی ''آتن کا افق'' اس میں جتنی عبادت گاہیں، محلات، سرکاری عمارتیں اور ذاتی رہائش گاہیں تھیں، سب کی سب بک (Bek) نامی ماہر تعمیر نے بنوائیں۔ تاریخی کتب میں مذکور ہے کہ اس کے لئے ہدایات

Saeed Ahmad +971552066884

خود بادشاہ نے دی تھیں۔

اخناتون کی زندگی میں اس کے شہر نے خوب ترقی کی۔ اس کے ایک درباری کا بیان ہے ''آخت آتن خوبصورتی میں سب سے بڑھ کر ہے۔۔۔ اس کے حسن کی وجہ سے یہاں جشن کا سماں ہے۔ یہ بہت حسین اور پیارا شہر ہے۔ جب کوئی اسے دیکھتا ہے تو اسے جنت کا نظارہ یاد آجاتا ہے۔'' جس دن معبد مکمل ہوا، اخناتون اپنی بیوی نفرتی تی اور چار بیٹیوں کے ساتھ بگھی میں بیٹھ کر یہاں پہنچا۔ لوگوں نے نعرے لگا کر اس کا استقبال کیا اور قربان گاہ پر قیمتی نذرانے چڑھائے گئے۔

اس تقریب میں اخناتون کی لکھی ہوئی دو حمدیں بھی گائی گئیں جو قدیم مذہبی ادب کی شاہکار نظموں میں شمار ہوتی ہیں۔

قدیم ادب اور مصریات کے ممتاز محقق ابن حنیف نے ''مصر کا قدیم ادب'' میں جگہ جگہ ان نظموں کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ ان نظموں کو کیا اہمیت دیتے ہیں، یہ جاننے سے پہلے اخناتون کی سب سے مشہور نظم کا اقتباس ملاحظہ ہو جو جینی ویو فوسٹر کی کتاب ''آزادی کے جنم دن'' سے ماخوذ ہے:

''اے زندہ خدا آتن! تجھی سے زندگی کا آغاز ہے

آسمان کے افق پر تیرا طلوع خوبصورت ہے

تو نے ہر سرزمین کو اپنے حسن سے بھر دیا ہے

تو نے سب کو اپنی محبت کے بندھنوں سے باندھ دیا ہے

اے خدائے واحد! تیری قدرت کے کرشمے بے شمار ہیں

تجھ جیسی طاقت کسی اور کو نصیب نہیں

تو نے زمین کو جس طرح چاہا پیدا کیا

تمام انسان، تمام جانور، بڑے اور چھوٹے جو اپنے

پاؤں پر چلتے ہیں، اور پروں پر اڑتے ہیں، تو نے بنائے

تو نے شام۔۔۔ اور مصر کے ملک پیدا کیے

تو ہر انسان کو اس کی جگہ پر رکھتا ہے اور اس کی ضرورتیں پوری کرتا ہے

اگرچہ لوگوں کی بولیاں الگ الگ ہیں، ان کی صورتیں مختلف ہیں

ان کے جسموں کا رنگ بھی طرح طرح کا ہے

لیکن تو ان سب کا خداوند ہے

Saeed Ahmad +971552066884

اے ہمیشہ رہنے والے خدا! تیرے منصوبے کتنے خوب ہیں
تو میرے دل میں رہتا ہے تو ہی زندگی ہے
اور تجھی سے انسان زندہ ہیں''

جینی ویوفوسٹر کے مطابق اس شاہکار حمدیہ نظم کی تخلیق کے تین ہزار سال بعد جب جدید تہذیب کے محافظوں نے اخناتون کا مقبرہ دریافت کیا تو اس پر یہ پاکیزہ تخلیق کھدی ہوئی تھی جو تحقیقات کے بعد صاحب مقبرہ سے منسوب ہوئی۔ اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ مصر کا ایک نوجوان فرعون اخناتون سب سے پہلا شخص تھا جو خدائے واحد کو مانتا تھا، تمام انسانوں کو ایک دوسرے کا بھائی جانتا تھا اور دنیا کو قابل نفرت جنگوں کے چنگل سے آزاد کرانا چاہتا تھا۔

ابن حنیف اخناتون کو ''دنیائے ادب کا اولین جدت طراز، سورج کے بارے میں پہلے سائنسی نظریے کا بانی، عالمی مساوات کا داعی، عالمگیر امن کا پرستار اور دنیا کا سب سے پہلا شاعر فطرت'' قرار دیتے ہوئے اس کی سب سے مشہور اور طویل حمدیہ نظم کے بارے میں اپنی رائے لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

''اخناتون نے اپنے معبود آتن کی شان میں وہ طویل و عظیم حمد تخلیق کی جو عالمی ادب کی سب سے اہم نظموں میں شمار کی جاتی ہے۔ یہ وہ عظیم حمد ہے جو مذہبی اور نیچرل شاعری کی عالمی تاریخ میں انتہائی اہم مقام کی حامل ہے۔'' تاریخ مصر کے مولف بریسٹڈ (Breasted) کے حوالے سے ان کا خیال ہے کہ اخناتون نے کم از کم نو حمدیں تخلیق کیں۔ لیکن ان میں سے دو خاص طور پر مشہور ہوئیں اور ایک نے تو وہ شہرت و قبولیت پائی کہ مثال ملنا مشکل ہے۔ اس بے نظیر حمد کو عہد جدید کے علمی حلقے ''آتن کی عظیم حمد'' کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ نظم اخناتون کے وزیر اعظم اور فوجی سپہ سالار آئی کے مقبرے کی مغربی دیوار پر کندہ تھی۔ اپنی بازیافت کے بعد سے آج تک دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں یہ اتنی بار ترجمہ ہو چکی ہے کہ شمار ممکن نہیں۔ ماہرین نے اسے عالمی ادب میں اپنی نوعیت کا اولین اور اہم ترین شعری نمونہ قرار دیا ہے۔ اپنی اس شہرہ آفاق حمد میں اخناتون نے اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ اپنے خدا اور نوع انسانی کے مابین رابطے کا وسیلہ یا ذریعہ ہے اور یہ کہ وہ اپنے معبود کا ترجمان ہے۔

قارئین کی دلچسپی کے لئے میں اخناتون کی شخصیت کے ایک اور پہلو کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے بہت سے پڑھنے والوں کو یہ جان کر حیرت ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ اخناتون کو جا بجا ہم جنس پرست کے طور پر بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ یہ قصہ ہم کاشف زبیر سے سنتے ہیں، اخناتون سے متعلق ایک سوانحی مضمون میں ان کا لکھنا ہے کہ اخناتون سے

Saeed Ahmad +971552066884

دس سال چھوٹا اس کا بھائی سمع کارع بے حد خوبصورت لڑکا تھا۔ وہ بڑے بھائی کا دیوانہ اور بھائی اس کا پروانہ تھا۔ جب اس نے جوانی کی حدود میں قدم رکھا اور بے حد دلکش اور خوبصورت نوجوان بن گیا تو اخناتون کی اس میں دلچسپی بھی اور ہی انداز اختیار کرنے لگی۔ پہلے پہل تو کسی نے توجہ نہ دی کہ دونوں بھائی گھنٹوں کمرے میں بند ہو کر کیا کرتے ہیں لیکن جلد ہی دبی دبی سرگوشیاں ہونے لگیں اور شاہی محل کے خدام ایک دوسرے سے برملا کہنے لگے کہ فرعون کے اپنے چھوٹے بھائی سے غیر فطری تعلقات ہیں۔ نیفر تی تی نے اس صورتحال سے عاجز آ کر آخر کار ایک روز اپنے شوہر اخناتون سے کہا: ''تمہیں سمع کارع یا مجھ میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔'' اس پر جواب ملا: ''میں سمع کارع کو نہیں چھوڑ سکتا۔'' اس ضمن میں ایسی روایات بھی ہیں کہ اخناتون نے اپنے بھائی کی جنسی صحبت سے بلا روک ٹوک حظ اٹھانے کے لئے ایک الگ محل بھی تعمیر کیا تھا۔

اخناتون واقعی انتہائی منفرد اور یگانہ فرعون تھا۔ اس کی شخصیت کے ہر پہلو سے لپٹی اسی انفرادیت نے اس کے زوال میں بھی اپنا رنگ دکھایا۔ جب سے اس نے ایک جبری حکم کے ذریعے آمن دیوتا سمیت تمام پرانے خدا معبد بدر کر کے آتن کی پرستش کو لازم قرار دیا تھا اسی دن سے قدیم دیوتاؤں کی پوجا کرنے والا مذہبی طبقہ اس کے خلاف مسلسل مصروف کار تھا۔ اگرچہ یہ لوگ کھل کر سامنے آنے سے گریزاں رہتے لیکن اندر ہی اندر سازشوں، عیاریوں اور مکاریوں کے ذریعے فرعون کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ ان لوگوں کا سرغنہ ہت سرت نامی خوبصورت اور ذہین نوجوان تھا جو آمن کے آخری ریاستی پجاری کا نائب رہ چکا تھا۔ انہی دنوں مصری افواج کے سالار اعلیٰ جنرل ہورم ہمب کے دل میں بھی اقتدار کی بھوک انگڑائیاں لینے لگی اور وہ کوشاں ہوا کہ کسی نہ کسی طرح فرعون کو تخت سے اتار کر خود حکومت سنبھالے۔ اس کے ارادوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ نامعلوم الولد ہونا تھا۔ اسے معلوم ہی نہ تھا کہ اس کا باپ کون تھا، اور ایسے اشخاص کو آج سے ساڑھے تین ہزار سال پرانے مصر میں بھی آج ہی کی طرح قابل نفرت سمجھا جاتا تھا۔ اس الجھن سے نکلنے کے لئے اس نے فرعون کی نظروں میں اپنی اہمیت بنائی اور آخر کار فرعون کے کہنے پر مملکت کا وزیر اعظم آئی آیہ تسلیم کرنے پر تیار ہو گیا کہ وہ یہ عام اعلان کرے گا کہ جنرل ہورم ہمب اس کا جائز بیٹا ہے۔ جب ایک تقریب میں یہ اعلان ہوا تو ہورم ہمب کی راہ مزید آسان ہو گئی۔ آنے والے دنوں میں اس نے رائے عامہ کو اخناتون کے خلاف اشتعال کی حد تک بھڑکا دیا، وزیر اعظم اور اپنے باپ کو عظیم مصر کے مفاد کا نعرہ لگا کر اپنے ساتھ ملایا اور ہت سرت سے ساز باز کر کے اخناتون پر فیصلہ کن وار کرنے کے منصوبے بنانے لگا۔۔۔ دن

Saeed Ahmad +971552066884

گزرتے رہے اور سازش کا تانا بانا مختلف مرحلوں سے گزر کر مکمل ہو گیا۔

1360 ق م کے سال کی اس سیاہ رات میں اخناتون کے محل کے چوکس محافظ حیرت انگیز حد تک سست دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی جیبوں میں ہورم ہمب کی رشوت، ذہنوں میں بھاری انعام کے وعدے اور دلوں میں اخناتون کے خلاف بغض بھرا ہوا تھا۔ رات کے آخری پہر جب مصری افواج کا سالار اعلیٰ جنرل ہورم ہمب آمن کے پجاریوں کی مدد سے اپنے ہی محسن پر حملہ آور ہوا تو ایک قدیم شاہی خدمت گار کی بدولت اخناتون کو محل سے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ یہ واقعہ جنرل سے بھی پوشیدہ نہ رہا اور وہ فرعون کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ اسے خبر تھی کہ ان حالات میں اخناتون آتن کے مندر سے آگے نہیں جائے گا۔ اور پھر واقعی ایسا ہی ہوا۔ اخناتون آخری بار مشرق سے طلوع ہوتے ہوئے سورج کا دیدار کرنے کے لئے آتن کی مقدس چٹان پر کھڑا تھا۔ وہ تعاقب میں آنے والے کے گھوڑے کی ٹاپوں کی مدھم آواز سن رہا تھا اور مشرق کی طرف رخ کر کے کہہ رہا تھا:

"اے کائنات کے مالک! تیرا بیٹا، تیرا پجاری تیرے حضور میں حاضر ہے۔ تجھ سے اجازت طلب کرتا ہے۔ اپنے حقیر خادم پر رحم کر۔ اے روشنیوں والے! مجھے اپنے پاس بلا لے۔" تعاقب کرنے والا اب سر پر آن پہنچا تھا۔ پتھریلی چٹان پر آنے والے کے قدموں کی چاپ بالکل واضح سنائی دے رہی تھی۔ اخناتون نے مڑ کے دیکھا۔ جنرل ہورم ہمب موت کا فرشتہ بن کر سامنے کھڑا تھا:

"مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گے۔ مجھے مارنا چاہتے ہو، چلو جلدی سے اپنی یہ خواہش پوری کر لو۔"

اخناتون کے یہ الفاظ مدمقابل پر بجلی کی طرح گرے۔ لحہ بھر کو اس کے باطن میں ندامت اور گناہ کا احساس جاگا لیکن پھر فوراً ہی اس نے اپنے سر کو دائیں بائیں زور سے جھٹکا اور بھاری بھرکم تلوار بلند کی۔ اخناتون مسکرایا اور اپنا چہرہ سورج کی طرف کر کے پھیر لیا۔ اگلے ہی لمحے فضا میں تنی تلوار اس عظیم فرعون کے سر کو تن سے جدا کرتی ہوئی زمین کی طرف لپکی اور مقدس چٹان سے ٹکرا گئی۔

اگرچہ اخناتون کے بعد بھی اس کے اقارب میں سے چند فرعون مصر پر حاکم رہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا خاتمہ قدیم مصر کی تاریخ کے 18ویں حکمران خاندان کے عروج، طاقت اور جاہ و جلال کا خاتمہ تھا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

توت آنخ آمن

عہد حیات: 1337ق م۔ 1319ق م

عظیم اخناتون کا داماد۔ 1922ء میں جب انمول نوادرات سے اٹا ہوا اس کا زیر چٹان مقبرہ دریافت ہوا تو اثریات کے ماہر، اور سیاح مصر کی طرف دوڑے۔ تاریخ دان اسے خوبصورت ترین فرعون قرار دیتے ہیں

"دنیا کی نامور شخصیات" کے مولف کے مطابق: توت آنخ آمن 1337 ق م میں پیدا ہوا۔ کاشف زبیر اسے اخناتون کا سب سے چھوٹا بھائی بتاتے ہیں جبکہ ولیم ایل لینگر اور ابن حنیف کے بقول وہ اس کا داماد تھا۔ ہو سکتا ہے یہ دونوں آراء درست ہوں کیونکہ مصری فرعونوں میں چچا بھتیجی، بہن بھائی اور یہاں تک کہ باپ بیٹی کی شادی کو بھی جائز خیال کیا جاتا تھا اگرچہ عام مصری ایسے رشتوں کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

اخناتون کی موت کے بعد کچھ عرصہ تک تو سیاسی صورتحال نہایت خراب رہی اور خانہ جنگی کی سی کیفیت نے ملک کو جکڑے رکھا لیکن بعد ازاں جب ہنگامہ خیزی کی شدت کم ہوئی تو 1327ء ق م میں توت آنخ آمن تخت نشین ہوا جس کا سابقہ نام توتخ آتن تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر صرف دس سال تھی۔ ابن حنیف کے بقول اس نے اخناتون کی بیٹی سیپا آتن سے شادی کی اور مصر کو دوبارہ انہی مذہبی، سیاسی اور معاشرتی راستوں پر ڈالا جو اخناتون کے دور سے پہلے عوام وخواص کے پسندیدہ تھے۔ اس کے عہد میں مصر کا دارالحکومت، جسے اخناتون نے آخت آتن میں منتقل کر دیا تھا دوبارہ تھیبس قرار پایا اور اس تاریخی شہر کی عظمت و رونق کو بحال کرنے کے لئے مقدور بھر کوشش کی گئی۔ اس نو عمر فرعون کے عہد میں تاریخ نے اپنے آپ کو دوہرایا اور اخناتون کے نو دریافت شدہ واحد دیوتا آتن کی بجائے

Saeed Ahmad +971552066884

دوبارہ آمن اور دیگر پرانے خداؤں کی بالادستی قائم ہوئی۔ اس تمام عمل میں اسے اخناتون کے قاتل اور مصری افواج کے سپہ سالار ہورم ہمب کی سرپرستی اور تعاون حاصل رہا جو آمن کے پجاریوں کا وفادار تھا۔

توت آنخ آمن نے 1327 ق م سے 1319 ق م تک مصر پر فرمانروائی کی اور مصر کو وہیں لا کھڑا کیا جہاں وہ اخناتون کے عہد سے پہلے تھا۔ اس کا آٹھ سالہ دور اقتدار اخناتون کے دور کی ضد تھا۔ ایلن بلیک وڈ لکھتے ہیں کہ تخت نشینی کے صرف آٹھ سال بعد اسے قتل کر دیا گیا۔ اس وقت وہ اٹھارہ سالہ جوان تھا۔ اس کی جوانی، خوبصورتی اور دلکشی کا یہ عالم تھا کہ ابن حنیف کے بقول اسے سینکڑوں فرعونوں کے طویل سلسلے کا سب سے حسین وجمیل فرعون قرار دیا جاتا ہے۔

توت آنخ آمن کو کیوں قتل کیا گیا؟ مجھے میسر مآخذ، اس حوالے سے رہنمائی فراہم نہیں کرتے۔ ہوسکتا ہے جو طاقتیں اسے کم عمری میں تخت پر بٹھانے میں کامیاب ہوئی ہوں، وہی اخناتون کی اصلاحات کے خاتمے کے بعد اسے غیر ضروری اور اپنے لئے خطرناک سمجھ کر اس کی جان کے درپے ہوگئی ہوں۔

اس فرعون کو اصل شہرت اور بین الاقوامی مقبولیت اس وقت ملی جب ہارورڈ کارٹر کی سربراہی میں برطانوی ماہرین آثار قدیمہ نے اس کا زیر چٹان مقبرہ دریافت کرنے میں تاریخی کامیابی حاصل کی۔ مقبرے سے انتہائی تحقیقی، علمی اور اثری اہمیت کے حامل نوادرات اور منوں کے حساب سے سونا برآمد ہوا۔ اس واقعے سے بقول ابن حنیف دنیا بھر میں سنسنی سی پھیل گئی اور اثریات کے ماہرین کی بہت بڑی تعداد کے علاوہ عام سیاح بھی ہزاروں کی تعداد میں مصر کی طرف عازم سفر ہوئے۔ مذکورہ مقبرے سے توت آنخ آمن کی حنوط شدہ لاش کی دریافت کے دوران اور کچھ عرصہ بعد تک بہت سے پراسرار اور غیر فطری واقعات رونما ہوتے رہے۔ یوں ضعیف الاعتقاد یورپی سیاحوں اور علمائے آثار قدیمہ پر ''فرعون کی بددعا'' کا خوف طاری ہوا جو برسوں قائم رہا۔ ولیم ایل لینگر کے مطابق توت آنخ آمن کے مقبرے سے برآمد ہونے والی تمام بیش قیمت اشیاء تاریخی نوادرات اور غیر معمولی اہمیت کے حامل اثری نمونے مصر کے قومی عجائب گھر (قاہرہ) میں محفوظ ہیں۔

○○○○

Saeed Ahmad +971552066884

ہسیوڈ

زمانہ: آٹھویں صدی قبل مسیح

اخلاقی شاعری کا امام۔ اولین حقیقت نگار۔ یونانی شاعری کا آدم ثانی جو شاہراہ عام پر نہیں، اپنے وضع کردہ راستے پر قدم اٹھاتا ہے

یونان علم، ادب اور فلسفہ کا گھر کہلاتا ہے۔ قدیم یونانی ادیبوں اور مفکرین کے علمی اور فکری کارناموں پر نہ صرف یونان بلکہ دنیا بھر کے طالبان علم کو بجا طور پر فخر ہے۔ اس سرزمین نے ایسی ایسے باکمال لوگوں کو جنم دیا کہ دنیا کا کوئی دوسرا خطہ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انہی ناقابل فراموش ہستیوں میں ہسیوڈ بھی شامل ہے۔ لیکن اس عظیم شاعر کے تذکرہ سے قبل یہ بتانا غیر ضروری نہ ہوگا کہ یونانیوں نے ایک عرصے تک وہ صورت ہی نہیں پیدا کی جس سے ان کی ادبی تخلیقات احاطہ تحریر میں آ سکیں۔۔۔ بہر طور اب قدیم ترین ادبی نمونے کے طور پر جو چیز ہمارے سامنے ہے وہ ہومر کے دو رزمیے ہیں۔ ایلیڈ اور اوڈیسی۔ قدیم یونانی ادب کی ساری بحث انہی سے شروع ہوتی ہے۔

محققین نے لکھا ہے کہ شہرہ آفاق شاعر ہومر کی مقبولیت نے یونانیوں کے دلوں میں شاعری کے ولولے پیدا کئے اور ان کے اندر بھی ہومر ثانی بننے کا عزم بیدار ہو گیا۔ یونانی شاعروں نے کافی عرصہ تک ہومر کی تقلید کی۔ نتیجہ کے طور پر بہت سے رزمیے اور نظمیں منظر عام پر آئیں۔ لیکن فنی اور فکری اعتبار سے ہومر کی ہم سری کرنا تو درکنار اس کی خاک پا تک بھی کوئی نہ پہنچ سکا۔ پھر ہسیوڈ پر بات آ ٹھہری۔

ہومر اگر یونانی شاعری کا ابوالبشر ہے تو ہسیوڈ کو بجا طور پر آدم ثانی کہا جا سکتا ہے۔ عظیم شاعر کی ایک پہچان یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ وہ شاہراہ عام پر چلنا پسند نہیں کرتا۔ وہ اپنی

Saeed Ahmad +971552066884

راہ الگ نکالنا اور تتبع یا تقلید کو ننگ و عار سمجھتا ہے۔ اگر یہ کلیہ صداقت پر مبنی ہے تو ہسیوڈ کو ضرور ہی ایک عظیم شاعر کہا جا سکتا ہے، کیونکہ اس نے بھی شاہراہ عام پر چلنا پسند نہیں کیا اور مقلد بننے کی بجائے اپنی الگ راہ وضع کی۔ اس کا یہ عمل یونانی ادبیات میں روایت سے بغاوت کا پہلا مستحسن قدم تھا۔

ہسیوڈ کے عہد کے بارے میں قدرے اختلاف ہے۔۔۔ لیکن تمام مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ وہ آٹھویں صدی ق۔م کا شاعر ہے۔

ہومر کے بعد قدیم یونانی ادبیات کا اہم ترین شاعر چونکہ ہسیوڈ ہی قرار پاتا ہے اس لئے ناقدین اور محقق اکثر دونوں کا موازنہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ہومر اور ہسیوڈ کے مزاج و مذاق میں بین فرق ہے۔ دونوں کی طبائع جدا اور موضوعات مختلف ہیں۔ ہومر کی طباعی اور فطری صلاحیت جنگ اور لڑائی کے میدانوں میں زیادہ چمکتی ہے۔ وہ لڑائیوں کا نقشہ اس ڈھنگ سے کھینچتا ہے کہ اہل یونان کی سپہ گری اور لشکر آرائی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ اس کے کردار راجا، امراء، نواب اور بہادر سپہ سالار ہیں۔ اس کی منظر نگاری خیمے، ٹوٹی طنابیں، سمندروں کے سینے پر تیرتی کشتیاں، فوجوں کی صف آرائی، مبارز طلبی، جنگ کا سماں، محاصرہ کی کارروائی، میدان کارزار، جنگ کے میدانوں سے اٹھتے شعلے، برستے ہوئے پتھر، تیروں کی بارش، تلواروں کی جھنکار اور آہ و بکا سے متعلق ہے۔ وہ بہادروں کی شان میں قصیدے الاپتا ہے لیکن اپنی زندگی کا تذکرہ تک نہیں کرتا اور اپنی تخلیقات میں خود سے لاتعلق نظر آتا ہے۔ لیکن دوسری طرف ہسیوڈ امارت و شجاعت کی دنیا سے الگ ہو کر عوامی زندگی کی روح میں جھانکتا ہے۔ کسانوں اور زراعت پیشہ افراد کی زندگی پر روشنی ڈالتا ہے۔ زراعتی حوالہ سے مختلف سرگرمیوں اور تخم ریزی کی رسوم کا ذکر کرتا ہے۔ موسموں کی آمد و رفت کا حال بیان کرتا ہے۔ باغبانی کی ہدایات کے ساتھ ساتھ وہ اخلاقی تعلیمات بھی دیتا ہے لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کو نہیں بھولتا۔ ہسیوڈ اپنے جذبات، احساسات اور تجربات کو بھی اپنی شاعری کی رگوں میں خون کی طرح دوڑا دیتا ہے۔ اس کی زندگی کے احوال و کوائف سے واقفیت کا واحد ذریعہ اس کی تخلیق ہے جو "مشاغل و ایام" (WORKS AND DAYS) کے نام سے شہرت رکھتی ہے۔ محمد سلیم الرحمٰن "مشاغل و ایام" کی بجائے "دھندے اور دیہاڑے" لکھتے ہیں۔

ہسیوڈ کی قابل قدر تخلیق "مشاغل و ایام" کے مختصر ذکر سے پہلے یہ جان لیں کہ اس سے بعض دیگر تخلیقات بھی منسوب کی جاتی ہیں مثلاً تھیوگونی، کیٹلاگ آف ویمن، شیلڈ آف ہرکلس

Saeed Ahmad +971552066884

وغیرہ۔ لیکن محققین اس سے کلی اتفاق نہیں کرتے۔ تھیوگونی میں تخلیق کائنات اور دیوتاؤں اور بہادروں کی نسل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ غالباً اسی بنیاد پر ہیروڈوٹس یونانی روایات کو محفوظ رکھنے اور انہیں متعارف کرانے کا سہرہ ہومر اور ہسیوڈ کے سر باندھتا ہے۔ انہی دونوں شاعروں کی فراہم کردہ اساس پر بعد میں ادبیات کی عمارت تعمیر ہوئی۔ شیلڈ آف ہرکلس، ہرکلس کے کارناموں پر مبنی ہے لیکن ہسیوڈ نے اس کتاب میں ہرکلس سے زیادہ اس کی شیلڈ کی تعریف کی ہے۔ ہومر نے بھی شیلڈ آف ایچی لس لکھی تھی۔ اس لئے ہسیوڈ کی یہ کتاب ہومر کی تقلید میں ہی لکھی گئی معلوم ہوتی ہے، یوں تقلید پرستی سے دامن بچا کر گزرنے والا شاعر یہاں مقلد بنتا نظر آتا ہے لیکن ہسیوڈ کی یہ کتاب مستند نہیں بلکہ محققین کی نگاہ میں یہ امر مشکوک ہے کہ یہ کتاب ہسیوڈ نے لکھی۔

قارئین! اب ایک سرسری نظر ''مشاغل و ایام'' پر دوڑاتے ہیں۔ ہسیوڈ کی یہ شاہکار تصنیف کئی رنگارنگ موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس میں صنعت و زراعت، تجارت، امور خانہ داری، انصاف، حسن سلوک، موسم سرما کی تفصیل اور کسانوں اور چوپائے پالنے والے افراد کے معمولات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہسیوڈ اپنی اس کتاب میں کائنات کے پانچ ادوار کا بھی ذکر کرتا ہے۔ یعنی سونے کا دور، چاندی کا دور، جستہ کا دور، بہادری کا دور اور لوہے کا زمانہ، آخری زمانے سے وہ خود کو منسوب کرتا ہے۔ بہادری کے دور میں وہ ٹروجن اور ایکین کا ذکر کرتا ہے۔۔۔ اس کتاب کا سب سے شاعرانہ حصہ وہ ہے جو پرومتھیس اور پنڈورا کی اساطیر سے متعلق ہے، اس میں ہسیوڈ کی طباعی اور خلاق طبیعت پورے جوبن پر نظر آتی ہے۔ ''مشاغل و ایام'' میں نہ صرف امور خانہ داری اور زراعت کے معاملات پر ہدایات دی گئی ہیں بلکہ اخلاقی اصول و ضوابط کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ تخلیق کار نے اپنے عہد کے یونان کی ابتدائی دیہی زندگی کی حقیقی تصویر بھی پیش کی ہے۔ اس طرح ہسیوڈ ایک طرف تو اخلاقی شاعری کا امام اور تارک تقلید کہلانے کا مستحق ہے اور دوسری طرف بلاشبہ اسے سماجی حقیقت نگاری کا پہلا علم بردار بھی کہا جا سکتا ہے۔

سید امداد امام اثر نے اپنی گراں قدر تصنیف ''کاشف الحقائق'' میں ہسیوڈ کی لافانی تخلیق ''مشاغل و ایام'' سے ایک اقتباس نقل کیا ہے، جس سے کیفیت سرما کا انتہائی زوردار اور شدید اظہار ہوتا ہے۔ قارئین کے علمی ذوق کی تسکین کے لئے یہ اقتباس پیش ہے:

''جنوری کے مہینے سے خبردار ہو، ان ضرررساں دنوں سے خبردار ہو کہ
جن کی تیزی کے ساتھ سرایت کرنے والی ہوا بیلوں کی کھالیں کھینچ

Saeed Ahmad +971552066884

ڈالتی ہے۔ درحالیکہ برف باری آفتیں ڈھاتی ہے۔ زمین کو یخ بستہ کر ڈالتی ہے اور ہوا کے ہر جھونکے کو نیزہ بناتی ہے۔ بادشمالی تھریشیا کی طرف سے، جہاں صبا رفتار گھوڑوں کا کھیت ہے تیز و تند آتی ہے اور سمندر میں پہنچ کر تموج عظیم پیدا کرتی ہے۔ اس کی ضربوں سے گھنے جنگل اور ساحل گونج اٹھتے ہیں۔ اور یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا زمین نالہ و فغاں کر رہی ہے۔ یہ ہوا شدید ضربیں لگا لگا کر پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے قوی ہیکل درخت پاین (Pine) کو پھاڑ ڈالتی ہے اور عظیم پیکر درخت اوک (Oak) کو اکھاڑ کر دامن کوہ میں پھینک دیتی ہے۔ تب یکا یک بالائے کوہ سے تندی و تیزی کے ساتھ بگولہ زمین کی طرف رخ کرتا ہے، پس اس وقت طوفان کا شور بلند ہوتا ہے اور تمام جنگل صدہائے پرخروش سے بھر جاتا ہے۔

گو کہ جانوروں کی جلدیں بالوں سے بھری رہتی ہیں اور گو ان کی پشمین دراز ہوتی ہے مگر اس پر بھی ہوا ان میں سرایت کر ہی جاتی ہے۔ ایسے وقت میں بیل اپنی موٹی کھال سے فائدہ اٹھا نہیں سکتا اور نہ پشم والی بکری اپنے کو ایسی ہوائے سرد سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ البتہ اس شمالی ہوا سے بھیڑوں کو ضرر نہیں پہنچتا جن کے بہت گھنے بال ان کے جسموں کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔

ایسے زمانے میں ہر طرح کے جانور جو جنگلوں میں وطن رکھتے ہیں۔ بھوک سے اپنے جبڑے بجاتے ہیں اور سردی سے ٹھٹھر کر کانپتے ہوئے پہاڑوں کی کھوہوں کی طرف، جہاں قد کشیدہ اوک کے درخت اگتے ہیں بھاگ نکلتے ہیں۔ بعض کوہی جھاڑیوں میں جا چھپتے ہیں اور بعض تنگی غاروں میں گھس کر امن لیتے ہیں جس طرح معمر اشخاص ناتوانی کے مارے سر جھکائے عصاؤں پر چلتے ڈولتے آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ اسی رینگنے والے جانور رینگتی ہوئی چالوں کے ساتھ خود کو برف باری کے صدمے سے بچانا چاہتے ہیں۔"

"مشاغل و ایام" کے تذکرے اور اقتباس کے بعد اس کتاب کے خالق ہسیوڈ کی طرف آتے ہیں۔

Saeed Ahmad +971552066884

ہسیوڈ کا باپ کائمے کا تاجر تھا۔ جو ای اولیس کا شہر تھا۔ تجارت میں جب اس کا کافی نقصان ہوا اور وہ بالکل دیوالیہ ہو گیا تو اس نے کائمے کو خیر باد کہا اور اسکارا منتقل ہو گیا۔ اسکارا میں وہ بیوشیا کے مقام پر سکونت پذیر ہوا۔ ہسیوڈ بیوشیا ہی میں پیدا ہوا اور وہیں اس عظیم شاعر نے اپنے بچپن اور جوانی کے ایام گزارے۔ اس نے شاعری کی طرح عملی زندگی میں بھی روایت اور تقلید پرستی سے اجتناب کیا اور اپنے آبائی پیشے یعنی تجارت کو اپنانے کی بجائے زراعت سے وابستہ ہو گیا۔ باپ کے انتقال کے بعد موروثی ترکہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک حصہ کا مالک ہسیوڈ ہوا اور دوسرے کا اس کا بھائی پرسیس (PERSES)۔ لیکن پرسیس نے ہسیوڈ کی دولت کو بھی ہڑپ کرنا چاہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں بھائی آپس میں الجھ گئے۔ پرسیس نے اعلیٰ حکام کو رشوت دے کر اپنی طرفداری پر آمادہ کر لیا اور باپ کی تمام دولت کا تنہا وارث بن گیا۔ ہسیوڈ نے "مشاغل و ایام" میں اپنے بھائی کو Most Foolish Perses کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پرسیس کی بے انصافی اور بے ایمانی کا انتقام قدرت نے اس سے لے لیا اور وہ کچھ ہی دنوں میں دوبارہ مفلس ہو گیا۔ مصائب کے دنوں میں اس نے ہسیوڈ سے مدد طلب کی۔ اخلاقی شاعروں کے امام کا درجہ پانے والے اس شاعر نے اس موقع پر اپنے عمل سے بھی اعلیٰ اخلاقی اصول وضوابط کی پاسداری کی عمدہ مثال قائم کی اور نہ صرف اپنے بھائی کے گزشتہ ناروا سلوک پر اسے معاف کر دیا بلکہ اس کی مدد اور معاونت بھی کی۔

بہر حال باپ کے چھوڑے ترکہ سے محروم ہونے کے بعد ہسیوڈ ORCHEMENOS چلا آیا اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اب وہ چوپائے پالتا اور کاشت کاری کرتا تھا۔ ہسیوڈ دن بھر کھیتوں میں محنت کرتا اور روزانہ کے تجربات و مشاہدات کو شاعری کا جامہ پہناتا۔ ہسیوڈ عمر بھر کنوارہ رہا۔ اسے عورتوں سے سخت نفرت تھی۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس نے ایک عورت کو بدکاری کی ترغیب دی تھی، جس سے اس کی خاصی بدنامی ہوئی۔ لوگ اس کے خلاف ہو گئے اور ہسیوڈ بددل ہو کر گوشہ نشین ہو گیا۔ پلوٹارک اور کئی دوسرے مصنفین کے مطابق اس عظیم شاعر کی موت کی وجہ بھی یہی واقعہ ثابت ہوا، یعنی جس عورت کو ہسیوڈ نے بدکاری کی ترغیب دی تھی اس کے بھائی نے اسے کورس میں OENOE کے مقام پر بے دردی سے قتل کر دیا۔ اس عظیم مقتول کا مقبرہ ORCHEMENOS میں بتایا جاتا ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

زرتشت

عہد: 700-1080ق م

اس عظیم مذہبی رہنما نے دو خداؤں کا تصور پیش کیا۔ اس کے بقول ایک خدائے خیر ہے اور دوسرا خدائے شر۔ ایک دن خدائے خیر کے معبد میں اسے شر پسندوں نے گھیر لیا

زرتشت فارس کی اس عظیم شخصیت کا نام ہے جس نے قدیم ایرانیوں کی مظاہر پرستی کو اصلاحی عمل سے گزارا۔ اس سے پہلے ایرانیوں کے مذہب کو مجوسیت کہا جاتا تھا۔ مجوسیت سے قبل ستارہ پرستی کا رواج تھا۔ زرتشت نے اسی ستارہ پرستی کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا اور ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی۔

زرتشت کا حقیقی اور تاریخی کردار مسلمہ ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ حقائق جتنے قدیم ہوں، ان پر افسانہ سازی کا رجحان اتنا ہی زیادہ غالب ہوتا ہے۔ زرتشت پر تو یہ بات کلی طور پر صادق آتی ہے کیونکہ تا حال اس کی پیدائش یا موت کا متفقہ دور متعین نہیں کیا جا سکا۔ مختلف مورخین اور محققین کی آراء کی روشنی میں یقین کے ساتھ صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کی پیدائش اور موت 700ق م سے 1080ق م تک کے عرصہ میں ہوئی۔ گویا یہ عہد زرتشت کا عہد ہے۔ 500 سے 450 ق۔م کے دوران خسانتوس نامی ایک یونانی مورخ نے اس کا ذکر چھیڑا۔ ڈاکٹر ظہور الدین احمد کے بقول قدیم یونانی مورخین کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ 1080ق۔م میں زندہ تھا۔ مندرجہ بالا بیانات پر انحصار کر کے ہی ہم نے زیر نظر صفحہ کی پیشانی پر زرتشت کے عرصہ حیات کے لئے 700ق م تا 1080ق۔م کا انتخاب کیا ہے۔

علی عباس جلالپوری نے کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر جیکسن کا ایک تحقیقی نتیجہ نقل کرتے

Saeed Ahmad +971552066884

"ایران شناسی" کے مؤلف ڈاکٹر ظہور الدین احمد کے مطابق زرتشت کے باپ کا نام پوروشاسپ اور ماں کا نام ہوئے لکھا ہے کہ زرتشت میدیوں کے ایک قبیلے مگی (مجوس) کا فرد تھا۔ دوغدو یہ بتایا جاتا ہے۔ اس نے تین شادیاں کیں جن کے نتیجے میں بقول لیوس مور وہ چھ بچوں کا باپ بنا۔ علامہ الحسن فاروقی "دنیا کے بڑے مذاہب" میں رقمطراز ہیں کہ تمام اہم مذہبی رہنماؤں کی طرح زرتشت کی تاریخی شخصیت بھی معجزوں اور کرامات میں دفن ہو کر رہ گئی لیکن بعض مستند تاریخی ذرائع سے اندازہ ہوتا ہے کہ نو عمری میں ہی وہ غور و فکر کا شائق اور حقیقت کا متلاشی تھا۔ روایت ہے کہ کم و بیش پندرہ سال کی عمر میں اس نے کستی (Kusti) (دھاگوں سے بنا کمر بند) پہنی اور صحرا میں مقیم ہو گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق زرتشت نے ایک پہاڑ پر تنہا برسوں قیام کیا۔ بہر حال یہ طے شدہ امر ہے کہ زرتشت نے ایک طویل مدت حقائق کی تلاش، تجزیے اور تفہیم میں گزاری۔ جب وہ تیس سال کا کڑیل جوان تھا تو اچانک راستہ مل گیا۔ کیسے؟ یہ ہمیں جلالپوری کی وساطت سے شہرستانی بتاتے ہیں:

"زرتشت جب تیس سال کا ہوا تو خدا نے اسے نبوت دی اور تمام
خلق کے لئے رسول قرار دیا۔ فرشتہ گشتاسب اس کی رہنمائی کے لئے
آیا اور زرتشت نے اس کی رہنمائی پر لبیک کہا۔"

(روایات تمدن قدیم۔ جلالپوری۔ ص163-164)

یہ اس زرتشتیت کے سفر کا پہلا اور انتہائی اہم مرحلہ تھا جس کے بارے میں سابق سوویت یونین کے معروف تاریخ دان ڈاکٹر اے۔ مانفرید کا خیال ہے کہ اس مذہب کی اصل خصوصیت نیکی اور بدی کے درمیان۔۔۔۔۔روشنی اور تاریکی کے درمیان آفاقی جدوجہد کا تصور ہے۔

حقیقی خدا کے فرشتے سے پہلی ملاقات کے بعد اگلے دس برسوں میں زرتشت کو مزید الہام ہوئے۔ ہر مرتبہ اہورا مزدا کے بھیجے ہوئے فرشتوں نے اس پر سچائی ظاہر کی یہاں تک کہ انکشاف حق کا عمل مناسب حد تک مکمل ہو گیا۔ اب تبلیغ کا مرحلہ درپیش ہوا۔ نیا پیغمبر نئے پیغام کے ساتھ دعوت و تبلیغ کے میدان میں نکلا تو بد روحوں کی رکاوٹوں کے علاوہ لوگوں کی مزاحمت اور تضحیک بھی سد راہ ہوئی۔ زرتشت دس برس تک لوگوں کو اپنی طرف بلاتا رہا۔۔۔۔لیکن ایک بھی ذہن اس کی باتوں کو ہضم نہ کر پایا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر زرتشت کہتا کیا تھا، جو لوگ سننے کو تیار نہ تھے؟ اس سوال کا جواب ہمیں مرزا مقبول بیگ بدخشانی سے ملے گا جو کہتے ہیں:

"زرتشت کے نزدیک اہورا مزدا یعنی خدائے کبیر ایسی کائنات کا خالق

Saeed Ahmad +971552066884

ہے جس میں صرف نیکی ہی نیکی ہے۔ صحت، اچھے انسان، کار آمد حیوان، زمین، بادل، ستارے اور سیارے سب آہورا مزدا کی مخلوق ہیں جسے وہ یزدان بھی کہتا ہے۔"

اب بیگ صاحب دوسرے پہلو کی طرف آتے ہیں:

"البتہ زرتشت کے نزدیک بدیوں اور برائیوں کا بھی ایک خالق ہے جسے وہ اہرمن کہتا ہے۔۔۔۔۔زرتشت قول وفعل کی سچائی پر بہت زور دیتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ اہورا مزدا۔۔۔۔۔اچھی باتوں پر لوگوں کو اچھا صلہ دیتا ہے اور بری باتوں پر انہیں سزا دیتا ہے۔"

"ادب نامہ ایران" کا مولف درج ذیل اصولوں کو زرتشت کے دین یا مذہب کی اساس قرار دیتا ہے:

1۔ کھیتی باڑی اور مویشیوں کی پرورش بہترین پیشے ہیں۔ 2۔ اچھا گھرانہ وہی ہے جس میں مرد، عورت، بچے، کھیتی باڑی میں معاون جانور اور رکھوالی کا کتا موجود ہو۔ 3۔ عمدہ گھرانہ وہ ہے جس میں ہمیشہ آگ جلتی رہے۔ 4۔ پرستش کے لائق اہورا مزدا ہے، آگ اس کی مادی علامت ہے، اس لئے یہ مقدس ہے۔ 5۔ زمین اور پانی بھی مقدس ہیں۔ 6۔ مرنے کے بعد جلانا، دفنانا یا بہانا منع ہے کیونکہ اس طرح مٹی اور پانی کے ناپاک ہونے کا خدشہ ہے۔ لاش کو "خاموشی کے مینار" پر رکھ دیا جائے۔

"اوستا" زرتشت کا مقدس صحیفہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اولاً یہ بیلوں کی چار سو کھالوں پر تحریر ہوئی تھی۔ "کتاب کی تاریخ" میں شایاں قدوائی کہتے ہیں کہ شاپور اول کے عہد میں، اس کے حکم سے دانشور مارگی نے اوستا کو از سر نو مدون کیا۔ اس کتاب کا اہم ترین حصہ گاتھا کہلاتا ہے جو یسنا کا جزو ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گاتھا خالصتاً زرتشت کے اپنے کلام پر مشتمل ہے۔ اوستا کی تفسیر کو ژند اور ژند کی تفسیر کو پاژند کہا جاتا ہے۔

قارئین! مندرجہ بالا سطور میں آپ نے اس مذہب کے نمایاں خدوخال کی چند جھلکیاں ملاحظہ کیں جس کی تبلیغ کے لئے تائید ایزدی سے زرتشت میدان میں نکلا تھا اور برسوں کی محنت کے بعد بھی اپنی بات کسی کے دل میں اتارنے میں ناکام رہا تھا۔ اس کی آواز صحرا کی صدا بن کر بکھر جاتی تھی۔ دعوت کی صدائیں تو بکھرتی رہیں لیکن زرتشت نے خاطر جمع رکھی اور ہجرت کر کے مشرقی ایران میں آ گیا۔ مشرقی ایران یعنی بلخ میں اس وقت دشتاسپ کی حکومت تھی

Saeed Ahmad +971552066884

جسے فردوسی اپنے شاہ نامے میں گشتاسپ لکھتا ہے۔ زرتشت نے ہجرت ضرور کی لیکن وہ تنہا نہیں تھا۔ اسے پہلی کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ اس کا کزن میدھیوما نیا دین قبول کر کے زرتشتیت کا پہلا پیروکار ہونے کا اعزاز پا چکا تھا۔ وہ بھی اس سفر میں اس کے ساتھ تھا۔ دونوں نے کسی نہ کسی طرح بلخ کے دربار میں رسائی حاصل کی اور بادشاہ کو نئے مذہب میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ یہ آسان کام نہ تھا۔ روایت یہ ہے کہ زرتشت کئی برس وشتاسپ کے دربار میں رہا۔ آہستہ آہستہ بادشاہ کی نظر میں قابل احترام ٹھہرا اور آخر کار اس نے زرتشت کا مذہب اختیار کرنے کا اعلان کر دیا۔ یہ ایک عظیم کامیابی تھی۔ بادشاہ کے بعد مقامی وزراء، امراء اور مشیر بھی اس کے دین پر ایمان لے آئے۔ بڑوں نے رخ بدلا تو رعایا بھی پیچھے چل نکلی۔ دیکھتے ہی دیکھتے مشرقی ایران میں زرتشت اور اس کے مذہب کا بول بالا ہو گیا۔ ''دنیا کے بڑے مذاہب'' کا مؤلف لکھتا ہے کہ اس وقت زرتشت کی عمر 40 سال تھی جب بلخ میں اس نے اپنا مرکز قائم کیا۔ اس نے اپنی عمر کے بقیہ 37 سال بھی اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت پر قربان کر دیئے۔ اب آگ کو معبود کا درجہ دینے والا زرتشت بوڑھا ہو چکا تھا۔ 583ق۔م میں ارجاسپ تورانی نے بلخ پر چڑھائی کی۔ ڈاکٹر ظہورالدین احمد نے لکھا ہے کہ اس حملے کے وقت زرتشت ایک آتش کدے میں موجود تھا۔ بعض روایات کے مطابق اس موقع پر اس کے ساتھ 80 کے قریب پیروکار بھی تھے۔ لیوس کہتے ہیں کہ دشمن کے ایک سپاہی نے ستتر سالہ بوڑھے پیغمبر کو آتش دان سے اٹھ رہے مقدس شعلے کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا اور طیش میں آ کر دو خداؤں کے اس خالق کو قتل کر ڈالا۔ اس وقت زرتشت اہورا مزدا یعنی خیر کے خدا کی عبادت کر رہا تھا۔ اہورا مزدا کی صفات میں محافظ ہونا بھی شامل ہے لیکن وہ اپنے پیغمبر کی حفاظت بھی نہ کر سکا۔ قدیم ایران کے اس مقتول پیغمبر کے روحانی تجربات پر مشتمل زرتشتی دین کئی حوالوں سے منفرد ہے اور اس کا بانی مذاہب عالم کے لافانی رہنماؤں کی اولین صف میں شمار ہوتا ہے۔ زرتشت قتل ہوا تو اس کا مذہب اپنی نشوونما کا عمل تیز کر چکا تھا اور آنے والی صدیوں میں ایرانی سلطنت کا مقبول ترین مذہب بننے والا تھا۔ زرتشت کے مقدس شعلے کی اپنوں ہی نے نہیں بیگانوں نے بھی قدر کی۔ مثلاً ''مآثر امراء'' کے مطابق جلال الدین اکبر کے لئے ایک زرتشتی ایران سے مقدس آگ لایا تو اکبر نے اسے نور خداوندی سمجھ کر اس کا انتظام شیخ ابوالفضل کے سپرد کر دیا۔ آگ اپنی دریافت کے بعد سے آج تک کبھی نہیں بجھی، اس میں زرتشت کی مقدس آگ بھی شامل ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

ارخی لوخوس

عہد حیات: 680ق م۔ 640ق م

یونانیوں کے خیال میں وہ فن شعر میں طرز نو کا بانی تھا۔ وہ پہلا شاعر ہے جس کے کلام کو اس کے ہم وطنوں نے لکھ کر محفوظ کرنے کی کوشش کی

ارخی لوخوس پاروس نامی جزیرے کا رہنے والا تھا۔ اس کا باپ اشراف سے تعلق رکھتا تھا اور ماں لونڈی تھی۔ چنانچہ اسے اپنے باپ کی جائز اولاد نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس کی سماجی حیثیت غیر متعین تھی۔ نہ تو وہ اشرافیہ میں شمار ہوتا تھا اور نہ گھٹیا لوگوں میں۔ اس معلق سماجی شناخت، اور اپنائیت سے محروم ہونے کے باعث اس کی شخصیت میں ٹیڑھ آ گئی۔ مشہور ہے کہ وہ منہ پھٹ آدمی تھا اور اس کی کسی سے بنتی نہ تھی۔

ارخی لوخوس صرف شاعر ہی نہ تھا پیشہ ور سپاہی، ملاح اور سیلانی بھی تھا۔ لیکن شاعر کی حیثیت سے بجا طور پر مشہور ہوا۔ یونانیوں کے خیال میں وہ فن شعر میں طرز نو کا بانی تھا اور اسے ہومر کے پائے کا سخنور سمجھا جاتا تھا۔ ارخی لوخوس کے زمانے سے پہلے کسی شاعر کے کلام کو قلمبند کرنے کا رواج نہ تھا۔ صرف پیشہ ور نظم خواں اپنی سہولت کی خاطر رزمیہ نظموں کی نقول ساتھ رکھتے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی یہ نظمیں نہ تو ان نظم خوانوں کی فکر سخن کا نتیجہ تھیں اور نہ انہیں کسی مسلم الثبوت تاریخی شخصیت سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ ارخی لوخوس کے کمال فن کی وجہ سے یہ ایک بڑی تبدیلی ظہور میں آئی کہ اہل نظر کو پہلی بار یہ احساس ہوا کہ ان کے درمیان ایک ایسا سخنور موجود ہے جس کی نظموں کو محفوظ کیا جانا چاہیے۔ قدیم یونان میں ارخی لوخوس کے کلام کو جمع کرنے اور محفوظ رکھنے پر بھرپور توجہ دی گئی لیکن یہ سعی لا حاصل ثابت ہوئی کیونکہ آج ارخی لوخوس کا بیشتر کلام ضائع ہو چکا ہے۔

رزمیہ کے معروضی اور غیر شخصی فن کے برعکس ارخی لوخوس اپنا ذکر دھڑلے سے کرتا ہے۔

Saeed Ahmad +971552066884

اس کی شاعری کا مرکز اپنی ذات ہے۔ اس کی انفرادیت پسندی پر خود نمائی کا الزام لگ سکتا ہے مگر دیکھا جائے تو اس نے نہ مبالغے سے کام لیا ہے اور نہ کچھ چھپایا ہے۔ جناب سلیم الرحمٰن لکھتے ہیں:

''وہ لگی لپٹی رکھنے کا قائل ہی نہیں اور اپنی اور دوسروں کی کمزوریوں کا تمسخر اڑانے سے نہیں چوکتا۔ انسانوں کے قول اور فعل کا تضاد ہمیشہ اس کے پیش نظر رہتا ہے۔۔۔ ارخی لوخوس کی بعض نظمیں مے نوشی اور جنسی اختلاط کے بارے میں ہیں۔ ہم جنس بازی سے اسے مطلق سروکار نہیں۔ جنسی ملاپ یا جذبات کو بیان کرنے والی نظموں میں جہاں بے ساختہ شیفتگی کی نرماہٹ اور حسیاتی لطافت ہے وہاں بھونڈی شہوانیت بھی ہے۔۔۔ زبان و بیان اور عروض پر اس کی گرفت اس قدر مضبوط ہے کہ معمولی اور پوچ موضوعات سے بھی شعری حسن چھلکنے لگتا ہے۔۔۔ اس کے طنز کی کاٹ اور لہر اپنی جگہ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کلام میں پند و نصیحت کا کوئی پہلو بھی ضرور موجود ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ ہومر کے ساتھ اس کا نام نہ لیتے، اس کی نظمیں عوامی تیوہاروں میں نہ سنائی جائیں اور مرنے کے بعد پاروس میں اس کی پرستش نہ ہوتی۔ اس ضمن میں قطعیت سے کچھ کہنا مشکل ہے کیونکہ ارخی لوخوس کی کوئی مکمل نظم اب دستیاب نہیں۔ تاہم اس کی نامکمل نظموں اور تتر بتر مصرعوں کو پڑھ کر اس کی قادرالکلامی پر یقین لانا پڑتا ہے۔

ارخی لوخوس کے پردادا نے شمال میں تھراکیا کے ساحل کے نزدیک تھاسوس نامی جزیرے پر، جہاں سونے کی کانیں تھیں، ایک نوآبادی قائم کی تھی۔ اہل تھراکیا اس نوآبادی پر حملے کرتے رہتے تھے اور نوآبادکاروں کو غالباً ایک دو بار تھاسوس سے نکلنا بھی پڑا تھا۔ جب ارخی لوخوس کا باپ ایک نئی مہم لے کر تھاسوس روانہ ہوا تو اس نے ارخی لوخوس کو ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ یوں ارخی لوخوس کی سپاہ گری کا آغاز ہوا۔

سپاہ گری کا پیشہ اپنانے کے بعد وہ یونان بھر کی خاک چھانتا پھرا۔ لیکن آخر پاروس لوٹ آیا۔ اس وقت تک وہ بطور شاعر بہت مشہور ہو چکا تھا اور اغلب یہی ہے کہ عزیز و اقارب نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ہوگا۔ اسے اس لئے بھی گرمجوشی سے خوش آمدید کہا گیا ہوگا کہ پاروس اور قریبی جزیرے ناکسوس میں ہمیشہ ٹھنی رہتی تھی۔ اپنے جزیرے کی حفاظت کے لئے وہ ناکسوس والوں سے لڑتا رہا۔ ایک بار سازش، دھوکے یا اپنی غلطی سے ان کے ہتھے چڑھ گیا اور قتل کر دیا گیا۔ یوں دو جزیروں کی باہمی چپقلش نے ایک عظیم شاعر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

ایسوپ

زمانہ: چھٹی صدی ق۔م

قدیم یونان کا سعدی اور ''انگور کھٹے ہیں'' کا خالق۔ اس عظیم حکایت گو کے ننھے منے ہدایت نامے دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ترجمہ ہو کر نصابوں کا حصہ بنے

قرآن حکیم میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ اس (قرآن) میں سابقہ قوموں کی داستانیں ہیں تاکہ تم عبرت حاصل کرو۔ عیسائی مذہب کا مطالعہ کریں تو بھی ہمارا واسطہ ان تماثیل سے قائم ہوتا ہے، جن میں حکمت و دانائی کے گوہر چھپے ہوئے ہیں۔ ہندو مذہب کو دیکھیں تو اس میں بھی کئی ایسی حکایات ملتی ہیں جو باعث عبرت بھی ہیں اور سرچشمہ ہدایت بھی۔ یہ تمہیدی الفاظ رقم کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ میرے خیال میں داناؤں نے انسانوں کو سمجھانے اور سیدھی راہ پر لانے کے لئے حکایات کا استعمال ہر دور میں کیا ہے۔ کہیں یہ داستانیں الوہی قوت سے منسوب ہیں اور کہیں انسانی استعداد سے۔ لیکن مقصد ایک ہی ہے، یعنی عبرت اور نصیحت۔ بظاہر بہت مختصر نظر آنے والی یہ کہانیاں اپنے اندر مثبت عمل کی تلقین کا وسیع تر وصف رکھتی ہیں۔

یونان کا ادب ایسوپ کے شاہکاروں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اور یہ شاہکار، وہ چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہیں جن کے حوالہ سے ایسوپ دنیا بھر میں جانا جاتا ہے۔ آپ یہ جان کر شاید حیران ہوں کہ ''انگور کھٹے ہیں'' والی مشہور حکایت ایسوپ ہی سے منسوب ہے۔ یہ کہانیاں جانوروں، پرندوں اور درندوں سے متعلق ہیں۔ ان میں زیادہ تر حیوانی اور قدرے انسانی کرداروں کے اعمال و افعال کے ذریعے اخلاق آموزی کا کام لیا گیا ہے۔ ایسوپ ہی وہ

Saeed Ahmad +971552066884

منسوب ہیں۔
پہلا شخص ہے، جس سے یہ حکایت مصنفین نے بھی کیا ہے۔ یہ کہانیاں ایسوپ کی کہانیوں کا تذکرہ ارسطوفینز اور دیگر قدیم مصنفین نے بھی کیا ہے۔ یہ کہانیاں نثر میں تھیں۔ بعد ازاں مختلف لوگوں نے انہیں منظوم کیا۔ ان کہانیوں کو منظوم کرنے والوں میں سقراط، بابریس اور لاطینی نظم نگار فیڈرس کا نام نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ سقراط کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب وہ قید و بند کی زندگی گزار رہا تھا تو اس نے ایسوپ کی ان اخلاقی کہانیوں کو نظم کا جامہ پہنایا۔ لیکن سقراط کی ترجمہ کردہ یہ منظوم کہانیاں آج دستیاب نہیں۔ البتہ بابریس کی نظم کردہ کچھ کہانیاں محفوظ رہ گئی ہیں۔ ایسوپ سے منسوب یہ چھوٹی کہانیاں آج دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں، عالمی ادب میں اس انداز کی کہانیوں کو متعارف کروانے کا سہرہ اگر یونان کے سر جاتا ہے تو اس کی وجہ بھی ایسوپ ہی ہے۔ اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ان کہانیوں کو پہلی مرتبہ اپنی زبان میں مرتب کر دیا تھا۔ یہ ننھے منے ہدائت نامے اپنے اندر کس قدر اثر آفرینی اور سبق آموزی رکھتے ہیں اس کا اندازہ کرنے کے لئے ایسوپ کی دو کہانیاں ملاحظہ فرمائیں:

شیر کا حصہ

ایک شیر، ایک لومڑی، ایک گیدڑ اور ایک بھیڑیئے میں یہ معاہدہ ہوا کہ وہ شکار میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے جب وہ شکار کو نکلے تو انہوں نے ایک بارہ سنگھے کا تعاقب کیا اور جلد ہی اسے مار ڈالا۔ تب شیر نے حکم صادر فرمایا کہ شکار کو بانٹ دیا جائے۔ چاروں نے مل کر اس کی کھال اتاری اور اسے چار برابر ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر شیر سامنے آ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: پہلا حصہ مجھ کو جاتا ہے کیوں کہ میں جانوروں کی دنیا کا بادشاہ ہوں۔ دوسرا حصہ بھی میرا ہے کہ میں منصف ہوں۔ تیسرا حصہ بھی میرا ہی ہے کہ میں نے شکار کے تعاقب میں زیادہ محنت کی۔ اور جہاں تک چوتھے حصے کا سوال ہے میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ کس میں ہمت ہے جو اس کا دعویٰ کرے۔ شیر کا فیصلہ سن کر بقیہ ساتھی کھسک گئے۔ تب لومڑی نے کہا: آپ اپنی محنت کے ضرور حق دار ہیں، لیکن برباد چیزوں میں حصہ دار نہیں ہوں گے۔

شیر کی کھال میں گدھا

ایک گدھے کو کہیں سے شیر کی کھال مل گئی جسے شکاری نے سوکھنے کے لئے پھیلایا تھا۔

Saeed Ahmad +971552066884

اس نے اسے پہن لیا، اور اپنے گاؤں کی طرف جا کر جانوروں کے گلے کو خوفزدہ کیا۔ چرواہے بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ گدھا اپنے اس کارنامے پر بہت خوش ہوا۔ اور اپنے مالک کے پاس پہنچا جو اسے ہمیشہ پیٹا کرتا تھا۔ اس کا مالک پہلے تو بہت ڈرا لیکن اس نے اس کے لمبے کان دیکھ کر گدھے کو پہچان لیا۔ اس کے بعد اس نے ایک ڈنڈا اٹھایا اور گدھے کو بری طرح پیٹا۔ پھر اس کی کھال اتار ڈالی۔ ''کسی قسم کی بھی نقالی اتنی مکمل نہیں ہوتی کہ ایک دانا انسان سچائی کی تہہ تک نہ پہنچ سکے۔''

ایسوپ کی کہانیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد سلیم الرحمن کہتے ہیں:

''ہومر کے رزمیوں میں کوئی حکایت نہیں۔ البتہ ہیسیودوس (ہسیوڈ بھی لکھا جاتا ہے) نے شاہین اور بلبل کی حکایت لکھی ہے۔ ارخی لوخوس نے بھی بظاہر بعض حکایتوں کو منظوم کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسوپوس (ایسوپ) سے پہلے بھی یونانی ادب حکایت کے تصور سے ناآشنا نہ تھا۔ ایسوپوی حکایتوں میں تقریباً تین چوتھائی جانوروں کے بارے میں ہیں۔ حکایت کی بنیادی اور مقبول ترین روایت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ان میں جانوروں کے حوالے سے بات کی جائے۔ بہر حال، ایسی حکایتوں کی بھی کمی نہیں جن کے کردار انسان یا دیوتا دونوں ہیں۔ بعض حکایتیں علیاتی ہیں جیسے ''کچھوے کو پشت کا سخت خول کیسے ملا'' یا ''چیونٹی چور کیسے بنی''۔ بیشتر میں بس کوئی چھوٹا سا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو کسی نہ کسی پھڑکتے ہوئے آب دار جملے پر ختم ہوتا ہے۔

ان حکایات کا خاص پہلو یہ ہے کہ ان سے براہ راست کوئی اخلاقی نکتہ سمجھانے یا دنیا داری یا تمیز سکھانے کا کام لیا گیا ہے۔ اچھی حکایت تو وہی ہے جس میں اخلاقی سبق رچا بسا ہوا ہو اور خود بخود سمجھ میں آ جائے۔ دوسرے لفظوں میں، مصنف ہر بات کی وضاحت کرنے پر بضد نظر نہ آئے۔ بہرکیف، معلوم یہ ہوتا ہے کہ بالواسطہ تخاطب سے حکایت نویسوں کی کچھ تشفی نہ ہو سکی اور انہوں نے تقریباً ہر حکایت کے آخر میں کوئی نہ کوئی عام فہم اخلاقی سبق ٹانک کر ہی دم لیا۔

مقبول عام ہونے کی حیثیت سے حکایات میں فطری طور پر عام لوگوں کے خیالات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ عموماً یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ کامیاب زندگی گزارنے کے لئے کن اصولوں کو اپنانا سودمند ہوگا۔ زیادہ زور انہیں معاشرتی اوصاف پر ہے جنہیں اختیار کرنے سے فائدہ بھی ہو اور نیک نامی بھی حصے میں آئے۔ وفاداری، احسان شناسی، توکل، میانہ روی اور محنت کی تلقین عام ہے۔ لیکن بعض حکایتوں سے جو سبق ملتا ہے اسے صحیح معنی میں اخلاقی

Saeed Ahmad +971552066884

سائیرس اعظم

عہد حیات: 590ق م ۔ 529ق م

عظیم الشان ایرانی سلطنت کا بانی جس نے میڈیا، لیڈیا اور بابل کی حکومتوں کو تہہ و بالا کر دیا۔ اس کی فتوحات تاریخ عالم کا ایک اہم موڑ ثابت ہوئیں

ایرانی سلطنت کے بانی سائیرس اعظم نے جنوب مغربی ایران کے ایک ماتحت فرمانروا یا گورنر کے طور پر حکومتی زندگی کا آغاز کیا اور غیر معمولی فتوحات حاصل کرتے ہوئے میڈیوں، لیڈیوں اور بابلیوں کی سلطنتوں کو تہہ و بالا کر دیا۔ بعد ازاں اس نے قدیم مشرق وسطیٰ کے ایک بڑے حصے کو ایک ہی ریاست کی صورت میں متحد کیا جو ہندوستان سے بحیرۂ روم تک پھیلی ہوئی تھی۔

سائیرس جنوب مغربی ایران کے صوبہ پرس میں، جو اب فارس کے نام سے جانا جاتا ہے پیدا ہوا۔ محققین کے مطابق اس عظیم فرمانروا نے 590ق م میں جنم لیا جب اس کا آبائی علاقہ میڈیوں کی سلطنت میں شامل تھا۔ اس کے باپ کا تعلق مقامی سرداروں کے ایک ایسے سلسلے سے تھا جو میڈیوں کے بادشاہ کے لگان دار تھے۔

558 ق م میں سائیرس دی گریٹ (ایرانی نام کورش یا کوروش ہے) اپنے باپ کا جانشین بنا اور چند سال بعد 553ق م میں شہنشاہ کے خلاف تین سالہ بغاوت اور جنگ کے بعد اس پر غلبہ پانے میں کامیاب ہوا۔ یہ ایک فارسی سردار کی میڈیوں کے خلاف حیران کن فتح تھی۔

مائیکل ہارٹ لکھتے ہیں کہ میڈی اور ایرانی دونوں لسانی اور نسلی اعتبار سے باہم بہت قریب تھے۔ سائیرس نے میڈیوں کے ضابطہ قانون اور تمام انتظامی ڈھانچوں کو جوں کا توں

Saeed Ahmad +971552066884

رہنے دیا۔ سو اس کی فتح کسی غیر ملکی حملہ آور کی فتح کی بجائے بس شاہی خاندان کی تبدیلی کے مترادف تھی۔

سائیرس نے جلد ہی غیر ملکی فتوحات پر توجہ کی۔ اس کا اولین ہدف ایشیائے کوچک کی لیڈیائی سلطنت تھی جس کا بادشاہ ایک اساطیری شخصیت ''کروسس'' تھا۔ سائیرس کا آہنی عزم ''کروسس'' کی طلائی شخصیت پر بھاری ثابت ہوا اور 546 قبل مسیح تک سائیرس نے لیڈیائی سلطنت کو فتح کر کے کروسس کو اسیر کر لیا۔

بعد ازاں وہ مشرق کی طرف بڑھا اور فتوحات کے ایک ہی سلسلہ کے نتیجہ میں اس نے تمام مشرقی ایران کو ایک سلطنت کی صورت میں یکجا کر دیا۔ 540 ق م تک ایرانی سلطنت ہندوستان میں دریائے سندھ، اور وسطی ایشیا تک پھیلی ہوئی تھی۔

خود کو ہر لحاظ سے محفوظ کرنے کے بعد سائیرس نے سب سے بڑی کامیابی کے لئے تگ و دو شروع کی۔ یہ بابل کی امیر سلطنت تھی جو میسوپوٹیمیا میں واقع تھی اور اس کی قلمرو میں قدیم مشرق وسطی کی تمام زرخیز وادیاں تھیں۔ سائیرس کے برعکس بابلی حکمران نیبو ہندس اپنی عوام میں چنداں مقبول نہیں تھا۔ جب سائیرس کی فوجوں نے پیش قدمی شروع کی تو بابلی فوجوں کو اس بے فائدہ جنگ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لہٰذا 539 قبل مسیح میں کسی جنگ کے بغیر بابل سائیرس کے قبضہ میں آ گیا۔ چونکہ بابلی سلطنت میں شام اور فلسطین کے علاقے بھی شامل تھے سو وہ بھی سائیرس کے تحت ہوئے۔

سائیرس ایک بے پایاں فوجی اہلیت کا حامل شخص تھا۔ تاہم یہ اس کی شخصیت کا فقط ایک پہلو تھا، زیادہ اہم بات اس کی خلیق اور نرم خو فرمانروائی تھی۔ مقامی مذاہب اور رسوم و رواج کے حوالے سے اس کا رویہ نہایت معتدل اور متوازن تھا۔ وہ وحشت و بربریت سے نفرت کرتا تھا جو بیشتر قدیم فاتحین کا طرہ امتیاز رہا، مثلاً بابلیوں اور خاص طور پر اشوریوں نے ہزارہا افراد کا قتل عام کیا اور ان گنت لوگوں کو ملک سے نکال دیا، جن سے انہیں کسی قسم کی بغاوت کا خدشہ تھا، مثال کے طور پر جب بابلیوں نے 586 ق م میں یہودا کو فتح کیا تو وہ آبادی کا بڑا حصہ اسیر بنا کر اپنے ساتھ بابل لے آئے۔ لیکن پچاس برس بعد جب سائیرس نے بابل کو فتح کیا تو اس نے یہودیوں کو اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دی۔ اگر سائیرس نہ ہوتا تو ممکن تھا، یہودی اپنے وطن کو دیکھے بغیر پانچویں صدی قبل مسیح میں ہی وہاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے۔ سائیرس کے اس فیصلے کے سیاسی محرکات بھی تھے۔ تاہم اس امر میں شک قائم کرنا ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے دور کا ایک غیر معمولی اور انسان دوست فرمانروا تھا۔ حتیٰ کہ یونانی

Saeed Ahmad +971552066884

بھی اس کے ہمیشہ معترف ہی رہے جن کے لئے ایرانی سلطنت طویل عرصہ تک ایک بڑا خطرہ بنی رہی تھی۔

اپنا کام سائرس نے ایسی خوبی سے کیا کہ اس کی موت کے بعد بھی ایرانی سلطنت کا پھیلاؤ جاری رہا۔ لگ بھگ دو سال تک یہ سلطنت قائم رہی حتیٰ کہ سکندر اعظم نے اسے فتح کیا۔ ان دو صدیوں میں ایرانی سلطنت کا ہر علاقہ امن اور آسودہ حالی کا گہوارہ بنا رہا۔

سائرس اعظم کی فتوحات تاریخ عالم میں ایک انتہائی اہم موڑ ثابت ہوئیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اولین انسانی تہذیب کا ظہور لگ بھگ 3000ق م میں "سومیر" میں ہوا۔ عکادی، بابلی اور دیگر سامی النسل اقوام ڈھائی ہزار سال تک اس تہذیبی مرکز کی حکمران رہیں لیکن سائرس کی فتوحات کے بعد مصر اور میسو پوٹیمیا پھر کبھی سیاسی اور تہذیبی لحاظ سے ایک مرکز کا درجہ حاصل نہ کر سکے۔ سائرس کی شہرت کی بنیادی وجہ بھی اس کی عسکری مہمات کی بجائے یہ حقیقت ہے کہ اس نے جو سلطنت قائم کی اس نے دنیائے قدیم کے سیاسی ڈھانچے کو مکمل طور پر تبدیل کر کے رکھ دیا۔ یوں سائرس کا شمار ان چند افراد میں ہوتا ہے جنہوں نے حقیقت میں تاریخ کے واقعاتی بہاؤ کا رخ تبدیل کر دیا۔

انسانی تاریخ کے اس عظیم فرمانروا کو 529ق م میں ایک خانہ بدوش قبیلے کے کچھ ارکان نے قتل کر دیا جن کی سرکوبی کے لئے سائرس کوشاں تھا۔ قاتل لاش بھی ساتھ لے گئے جسے بعد ازاں زبردستی حاصل کر کے قدیم ایرانی دارالحکومت "پسر گاڈیا" میں دفن کیا گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

ابوکوس

زمانہ: 550ق م - 500ق م

جہاں تک سر تا پا عشق میں ڈوبے ہونے کا معاملہ ہے کوئی یونانی شاعر ابو کوس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ اس کی امرد پرستی نے عشق کی نئی سطحوں کو چھولیا تھا

اسکندریہ کے محققین نے ابوکوس کا کلام سات کتابوں میں اکٹھا کیا تھا۔ اب ان کتابوں کے چند اوراق باقی ہیں۔ قدماء کا خیال ہے کہ جہاں تک سر تا پا عشق میں ڈوبے ہونے کا معاملہ ہے کوئی یونانی شاعر ابوکوس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ ان کے بقول اناکرے اون اور الکائیوس بھی خوب صورت لڑکوں کے شیدائی تھے لیکن ابوکوس کی امرد پرستی نے تعشق کی نئی سطحوں کو چھولیا تھا۔۔۔ بطور شاعر اس کی زندگی کو دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ابتداء میں اس نے جو نظمیں کہیں۔۔۔ ان پر رزمیہ رنگ غالب تھا اور عموماً اساطیری واقعات اور تلمیحات کا ذکر اذکار تھا۔۔۔ (بعد ازاں) اس نے ساموس میں پولو کراتیس کے دربار سے منسلک ہونے کے بعد جو شاعری کی وہ مختلف نوعیت کی ہے۔ اس کا ذریعہ معاش ہی شاعری تھی اور اپنی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لئے اسے دربار کے تقاضوں سے بھی نباہ کرنا پڑتا تھا۔ لہٰذا اس نے عشقیہ نظموں کے ساتھ ساتھ قصائد بھی کہے۔ ایک قصیدے میں پولو کراتیس کے صاحب زادے کی خوشروئی کو سراہا گیا ہے۔۔۔ حسن و عشق کا تذکرہ اور معاملہ بندی اس کے پسندیدہ موضوعات تھے۔

"مشاہیر ادب" کے حوالے سے ابوکوس کی شعری حیثیت پر اچٹتی سی نگاہ ڈال کر اب ہم اس کی زندگی کا مجمل تذکرہ بھی سلیم الرحمٰن صاحب کی زبانی ہی سنتے ہیں:

Saeed Ahmad +971552066884

"ابوکوس جنوبی اطالیہ میں واقع یونانی نو آبادی، ریگیون کا رہنے والا تھا اور ایک ممتاز خانوادے کا رکن تھا۔ اس کے باپ کو نو آبادی میں غالباً کچھ سیاسی اہمیت حاصل تھی۔ روایت ہے کہ صورت حال نے ایک بار ایسی کروٹ لی کہ ابوکوس اگر چاہتا تو ریگیون کا مطلق العنان بن سکتا تھا۔ لیکن وہ یا تو موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکا یا اسے آمریت میں کوئی کشش نظر نہ آئی۔ ۔۔ (نوجوانی میں) جزیرۂ ساموس کے آمر پولوکراتیس نے اسے اپنے دربار سے منسلک ہو جانے کی دعوت دی۔ ابوکوس نے یہ پیشکش قبول کر لی ۔۔۔ (پولوکراتیس) علوم وفنون کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس نے اپنے دربار میں بہت سے شاعر، معمار، مجسمہ ساز، مہندس اور طبیب اکٹھے کر رکھے تھے۔ 522 ق م میں پولوکراتیس مارا گیا۔ معلوم نہیں اس سانحے کے بعد ابوکوس پر کیا بیتی یا اس نے کہاں کا رخ کیا"۔

ایک مشکوک روایت کے مطابق ابوکوس کو قتل کر دیا گیا تھا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

سقراط

عہد حیات: 469ق م۔ 399ق م

فلسفے کی تاریخ میں وہ ایک نادر اور عجیب و غریب شخصیت سمجھا جاتا ہے۔ بظاہر اس کی کوئی تصنیف نہیں لیکن اس کے افکار اسے مقبولیت کی انتہائی بلندیوں پر لے گئے۔ افلاطون نے اس کے اقوال کو "مکالمات" کے نام سے کتابی شکل میں جمع کیا

سقراط کی پیدائش 469ق م میں ایتھنز میں ہوئی۔ وہ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا باپ لکڑی پر نقاشی کرتا تھا اور ماں دایہ گیری۔ اس نے تعلیم و تربیت کہاں اور کیسے پائی؟ ان سوالات کے مصدقہ جواب میسر نہیں تاہم یہ ضرور ہے کہ اسے علم سے بے انتہا محبت تھی۔ اس نے شروع میں اپنے باپ کا پیشہ اختیار کیا لیکن جلد ہی اسے محسوس ہوا کہ اس کے باطن کی آواز اسے کہیں اور بلا رہی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی حقیقت جاننے کے لئے دوسروں سے سوال و جواب کرنا شروع کئے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ صبح کو نکلتا اور جس سے بھی ملتا اس سے سوال کرتا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان، مقام کی بھی کوئی قید نہ تھی: گلی میں، بازار میں، مجلس میں، بھیڑ میں، ہر جگہ وہ سوال کرتا۔ اس کے سوالات کے موضوعات بھی گونا گوں اور ہمہ گیر ہوتے۔ جنگ، سیاست، شادی، دوستی، محبت، امور خانہ داری، فن، تجارت، شاعری، مذہب، سائنس اور اخلاق غرضیکہ ہر موضوع پر وہ سوال و جواب سے خود کو مطمئن کرتا۔ اس کے نزدیک کوئی بھی شخص اجنبی یا غیر ملکی نہ تھا۔ وہ بلا امتیاز مذہب و ملک سب سے ملتا۔ اس نے اپنی فکر کا موضوع زندگی کو بنایا۔ وہ زندگی کو اس کی تمام تر دلچسپیوں کیساتھ سمجھنا چاہتا تھا۔ البتہ طبیعاتی اور کائناتی مسائل سے وہ ہمیشہ متنفر رہا۔ اس نے یہ دعویٰ

Saeed Ahmad +971552066884

کیا کہ انسان شجر و حجر سے کچھ بھی نہیں سیکھ سکتا۔ اسے کسی بات کی تہہ تک پہنچنے میں کمال حاصل تھا۔ وہ زندگی کی ناہمواریوں کا بہت جلد پتہ چلا لیتا۔ اگرچہ اخلاقاً وہ نہایت شریف، ہمدرد اور رحم دل تھا تاہم خامیوں اور برائیوں پر سخت نکتہ چینی کرتا۔ اس تنقید کے دوران کبھی کبھی اس کا لہجہ تیکھا اور ظرافت آمیز بھی ہو جاتا۔

سقراط خود کو انہیں اصولوں پر ڈھالنے کی حتی الامکان سعی کرتا جن کی وہ تعلیم دیتا تھا۔ اس میں غضب کی خود اعتمادی تھی۔ وہ جس راہ پر اپنے آپ کو موڑنا چاہتا، بڑی آسانی سے موڑ لیتا۔ اس کے اندر برداشت کا مادہ بھی بہت زیادہ تھا۔ وہ مشکل سے مشکل مرحلے سے مردانہ وار گذرتا۔ علاوہ ازیں وہ شریف، نیک خو اور کفایت شعار بھی تھا۔ اس کی ضرورتیں کافی ٹھوس اور محدود تھیں۔ اس نے اپنی 70 سالہ زندگی میں جسمانی اور اخلاقی جرأت کا کئی بار مظاہرہ کیا۔ اس نے اپنی موت کے وقت جس اخلاقی حمیت، ارادے کی مضبوطی اور مستحکم عزم کا مظاہرہ کیا، اس نے اس کا نام رہتی دنیا تک امر کر دیا۔ وہ جس چیز کو حق سمجھتا، وہی کرتا۔ خوف اور طمع اس کی راہوں میں مزاحم نہ ہوتے۔ وہ اپنے عہد کے لوگوں کے لئے رحمت تھا۔ اس کی ذات سے کسی کو بھی کوئی گزند نہ پہنچا۔ اس نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا۔ اپنے ہی لوگوں نے اسے طعنے دیئے۔ الزام لگائے، ملحد و بے دین کہا۔ عوام اور نوجوانوں کو بہکانے کی تہمت لگائی، لیکن وہ خاموشی کے ساتھ سب کچھ برداشت کرتا رہا۔ وہ ریاست کا باغی نہ تھا، اور نہ ہی اس نے حکام کی توہین کی تھی۔ وہ ہمیشہ حکام کی عزت اور ریاست سے وفاداری نبھانے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ خود بھی ریاستی قوانین و ضوابط کا پابند سمجھتا تھا۔ اور دوسروں کو بھی اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتا۔

"تاریخ ادبیات عالم" کے مطابق سقراط کی شکل و صورت کچھ زیادہ اچھی نہ تھی، اس کا قد ناٹا، جسم مضبوط اور توانا، آنکھیں چھوٹی اور ناک ستواں تھی۔ اس کا منہ لمبوترا اور ہونٹ انتہائی موٹے اور بھدے تھے۔ وہ اپنے لباس کے معاملے میں بہت زیادہ لاپروا تھا۔ جسمانی اعتبار سے اگرچہ وہ بدہیئت سہی لیکن اس کی باتوں میں سحر تھا۔ لوگ اس سے بات کر کے بے انتہا محظوظ ہوتے۔

تاریخ فلسفہ میں سقراط ایک نادر اور عجیب و غریب شخصیت کا حامل ہے۔ بظاہر اس کی کوئی تصنیف نہیں لیکن اس کے افکار اسے مقبولیت اور شہرت کی انتہائی بلندیوں پر لے گئے۔ وہ ایک ذہین مفکر تھا۔ اس نے اپنے شاگرد افلاطون کے توسط سے فلسفہ یورپ کے ارتقاء پر دوررس اثرات مرتب کئے۔ مکالمات افلاطون استاد اور شاگرد کے خیالات و افکار کی آمیزش

Saeed Ahmad +971552066884

ہے۔ یہ آمیزش فلسفیانہ افکار کی دنیا میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن یہیں یہ مسئلہ بھی سر اٹھاتا ہے کہ سقراط کے اصول و نظریات کو افلاطونی نظریات و افکار سے کیسے ممیز کیا جائے۔ یہ مسئلہ جتنا اہم ہے اتنا ہی پیچیدہ بھی۔ رسل نے ٹھیک ہی لکھا ہے کہ:

''بہت سے ایسے افراد ہیں جن کے بارے میں ہماری معلومات کچھ بھی نہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جن کے سلسلے میں ہماری واقفیت واقعتاً کافی ہے لیکن سقراط کی بابت یہ تذبذب ہے کہ کیا ہم اس کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں یا کچھ بھی نہیں جانتے۔''

تاریخی سقراط کو افلاطون کے مثالی سقراط سے کیسے ممیز کیا جائے، اس سلسلے میں جو ثبوت فراہم ہوئے ہیں۔ وہ انتہائی ناکافی ہیں۔ چنانچہ ثبوت اور استناد کی عدم موجودگی میں ہمیں سقراط کے اصول و نظریات کی تفہیم کے لئے مکالمات افلاطون پر ہی بھروسہ کرنا پڑے گا۔ رہا یہ مسئلہ کہ مکالمات افلاطون کا کون سا نظریہ سقراط کا ہے اور کون سا افلاطون کا تو اس سلسلے میں قیاس سے کام لینا ہوگا۔ یہاں اس بات کا اظہار کر دوں کہ بعض حضرات نے سقراط کی اہمیت کو خواہ مخواہ کم کرنے کی کوشش کی ہے اور اسے افلاطون کے فلسفیانہ ارتقاء کی ایک کڑی باور کیا ہے۔ یہ دراصل ایک انتہا پسندانہ رویہ ہے جو کہ خطرناک بھی ہے۔ اسی طرح سقراط کے مداح دوسری انتہا پر ہیں اور پورے افلاطونی فلسفے کو سقراط سے ماخوذ بتاتے ہیں دراصل حقیقت ان دونوں انتہاؤں کے درمیان کہیں ہے۔ ہم تو سقراط کو اس لحاظ سے اہم مانتے ہیں کہ اس نے فلسفہ میں منطقی تجزیہ کا اصول رائج کیا، تعریف کا تعین کیا اور ساتھ ہی ایک اخلاقی اصول بھی مرتب کیا۔

سقراط کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ سوفسطائی نظریات کے چیلنج کا مقابلہ کرنا تھا۔ جس نے علم کی غلط تعبیر و تفسیر کر کے اخلاق اور ریاست کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ سقراط نے صحیح وقت اور صحیح موقعے پر فلسفے کی دنیا میں قدم رکھا، اس نے واضح طور پر محسوس کیا کہ مروجہ اخلاقی اور سیاسی ناہمواریاں صداقت کے مفہوم کی غلط توضیح کا نتیجہ ہیں اور مسئلہ علم کے حقائق سے دانشوروں کی دوری کا پتہ دیتی ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے مشن کی ابتداء یہیں سے کی۔ یعنی ''علم'' ہی کو اپنے فلسفہ کی بنیاد بنایا اور اپنے عہد کی عملی مشکلات کا مقابلہ کرنے میں انسانی عقل کی قوت پر مستحکم بھروسہ کیا۔ اس نے اپنے لئے جو مقاصد مقرر کئے وہ یہ نہیں تھے کہ وہ فلسفہ کا ایک نظام قائم کرے بلکہ اس کا منشا تھا کہ وہ لوگوں میں خیر و صداقت سے محبت کا جذبہ پیدا کرے۔ وہ چاہتا تھا کہ عوام کی فکر صحیح سمت اور صحیح رخ اختیار کرے تاکہ وہ ایک اچھی زندگی گذار سکیں۔ اس کے اغراض خالص عملی تھے نہ کہ خیالی۔ اسے علم کے حصول میں دلچسپی تھی نہ

Saeed Ahmad +971552066884

کہ اصول و نظریات میں۔ اس نے کوئی باضابطہ نظریہ پیش نہیں کیا۔ بس ایک طریقہ بتایا۔ وہ خود بھی اس طریقہ پر عامل رہا اور دوسروں کو بھی اس پر چلنے کی تلقین کی۔

سقراط کا کہنا تھا کہ ان تمام خیالات پر اعتماد نہیں کر لینا چاہیے جو ہمارے ذہن میں وقتاً فوقتاً آتے رہتے ہیں۔ کیوں کہ ان میں سے اکثر نہایت ناقص، مبہم اور گندے ہوتے ہیں۔ ہمارے سامنے بہت سارے ایسے نظریات ہیں جن کو ہم نے کبھی بھی پرکھنے کی کوشش نہیں کی۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں جنہیں ہم نے صرف اس بنا پر تسلیم کر لیا کہ ان پر ہمارا اعتقاد و ایمان پہلے سے تھا۔ حالانکہ ہم ان کے مفاہیم سے واقف نہ تھے۔ بہت سے افکار ایسے ہیں جو بے سود ہیں۔ لیکن ہم نے آنکھیں بند کر کے انہیں قبول کر لیا ہے۔ سقراط کا خیال تھا کہ اس بارے میں ہم بالکل لاعلم ہیں۔ ہمارے پاس کوئی نظریہ ہے ہی نہیں۔ ہم نے اپنا محل ریت پر تعمیر کیا ہے اور ایسے محل کو منہدم ہونا ہی ہے۔ خصوصاً اس صورت میں کہ ہم نے اس کی دوسری بنیاد قائم کرنے کی کوشش تک نہیں کی۔ چنانچہ ہمارا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم اپنے ذہنوں کو کھلا رکھیں۔ خیالات کو واضح اور صاف بنائیں۔ اصطلاحات کے حقیقی مفہوم کو سمجھیں۔ ان نظریات کی دوبارہ اور حقیقی تعریف متعین کریں، جن پر ہمارا ایقان و ایمان ہے۔ جن چیزوں کے بارے میں ہم بحث کریں اس کی ماہیت اور اہمیت کی صحیح اور سچی واقفیت حاصل کریں۔ ہمارے خیالات کے پیچھے ایک منطق ہو۔ ہم جو بھی نظریہ اپنائیں۔ اس کو پہلے حقیقت اور عمل کی کسوٹی پر پرکھ لیں۔ اس پر ٹھیک ڈھنگ سے غور کر لیں نہ کہ قیاس آرائی کر کے اسے تسلیم کر لیں۔ اگر اس میں ترمیم و اصلاح کی ضرورت ہو تو اس سے بھی گریز نہ کریں۔ پہلے لوگوں کا خیال تھا کہ صداقت کا وجود نہیں ہے اور علم نا قابل حصول ہے۔ کیوں کہ تمام انسان یکساں نہیں، ان کے سوچنے اور غور کرنے کے انداز جداگانہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خیالات و افکار میں تضاد پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ہر خیال کو بہتر اور قابل قبول تسلیم کیا۔ ان کے مطابق ایک خیال اتنا ہی بہتر ہے جتنا کہ دوسرا۔ سقراط اس خیال سے اتفاق نہیں کرتا۔ اس نے اس قسم کے نظریے کو بہت خطرناک غلطی قرار دیا۔ اس کے مطابق یہ سچ ہے کہ افکار و خیالات میں تفریق ہے لیکن ان متضاد خیالات و افکار کی زیریں سطح میں مطابقت و مماثلت کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور موجود رہتی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ان مشترکہ بنیادوں کا پتہ لگائیں جن پر تمام لوگ اتفاق کر سکیں۔ یہی وہ آفاقی خیال ہے جسے سقراط نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔

سقراط کا جائزہ ایک اور حیثیت سے بھی لیا جا سکتا ہے یعنی یہ کہ اس کی تعلیم کا طریق کار

Saeed Ahmad +971552066884

کیا تھا اور وہ کس طرح اپنے افکار کو پیش کرتا تھا۔ اس حوالے سے کتابی معلومات کے مطابق جب اسے بحث کرنا مقصود ہوتا تو وہ ایسے خیال کو لیتا جسے عموماً لوگوں نے عجلت میں اور بغیر غور و فکر کے قبول کر لیا تھا۔ پھر مثالوں کی کسوٹی پر اس خیال کو پرکھتا۔ یہ مثالیں وہ روزمرہ کی زندگی سے فراہم کرتا۔ ساتھ ہی دوران بحث وہ یہ اشارہ بھی کرتا جاتا کہ مذکورہ خیال مستحکم بنیادوں پر قائم ہے یا نہیں۔ اس میں ترمیم یا اصلاح کی ضرورت ہے یا نہیں؟ وہ اپنے ساتھیوں کو بھی بحث میں شریک ہونے کی دعوت دیتا اور انہیں ایک صحیح نتیجے پر پہنچنے میں مدد دیتا۔ وہ اپنے مخاطب کے سامنے اس وقت تک مثالیں پیش کرتا رہتا جب تک کہ وہ قائل نہ ہو جائے۔ وہ ایک دم سے کوئی فیصلہ صادر نہ کرتا بلکہ کسی نتیجے پر زینہ بہ زینہ پہنچتا۔

تعریف کے تعین میں سقراط کا ایک خاص طریق کار ہوتا۔ وہ پہلے مثالوں کے ذریعے کسی خیال یا اصطلاح کی ایک عارضی تعریف متعین کرتا۔ پھر اسے دیگر مثالوں کی کسوٹی پر جانچتا اور بعد ازاں ضرورت کے مطابق ترمیم و اضافہ کرتا جاتا۔ یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہتا جب تک وہ کسی حتمی تعریف تک نہ پہنچ جاتا۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہتا کہ فلاں آدمی دوسرے کے مقابلے میں ایک اچھا شہری ہے تو اس کا یہ خیال محض ایک داخلی فعل ہے جس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اسے اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ اس سلسلے میں قوی دلائل پیش نہ کرے یا مستند حوالے نہ دے۔ یہ خیال کہ فلاں شخص ایک اچھا شہری ہے اسی وقت سچ ہو سکتا ہے کہ جب وہ اس حقیقت سے واقف ہو کہ اچھا شہری کہتے کسے ہیں۔ چنانچہ ایک اچھے شہری کی تعریف متعین کرنے کے بعد ہی متعلقہ شخص کی اچھائی یا برائی واضح کی جا سکتی ہے۔

سقراط کا نظریہ علم یہیں سے شروع ہوتا ہے یعنی یہ کہ جب تک کسی چیز یا اصطلاح کے بارے میں صحیح علم حاصل نہ ہو تب تک اس چیز کی ماہیت اور اہمیت کو ہم جان نہیں سکتے۔ لہٰذا اس نے علم کا تعلق کسی خاص شے یا وجود یا خیال سے وابستہ نہ کر کے اسے عمومی حیثیت سے دیکھنے کی کوشش کی۔ اس کے مطابق علم کا تعلق عمومیت سے ہے نہ کہ اتفاقات سے۔ یہی وہ نکتہ تھا جسے سقراط صحیح طور پر سمجھنے میں کامیاب ہوا۔ اس کے خیال میں فطرت کائنات، وجود کائنات اور قوانین کائنات جیسے مسائل پر دماغ کھپانا بیوقوفوں کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اس قسم کے مسائل سے احتراز کیا اور اپنی ساری توجہ اخلاقیات اور عملی فلسفے پر مرکوز رکھا۔

علم اور مدلل فکر میں سقراط کا ایمان و ایقان مستحکم ہے۔ اتنا مستحکم کہ وہ تمام برائیوں اور بیماریوں کا علاج اسے ہی گردانتا ہے۔ وہ اپنے طریق کار کو تمام انسانی مسائل پر آزمانا چاہتا ہے۔ وہ انسانی کردار یا اخلاق کے لئے ایک عقلی بنیاد فراہم کرنا چاہتا ہے، روشن خیال

Saeed Ahmad +971552066884

یا ریڈیکل مفکرین اخلاقی اصولوں اور اعمال کو محض ایک رسم یا روایت سمجھتے تھے جو آخر کار انسان کو نیک بناتے ہیں۔ دوسری طرف رجعت پسندوں نے ان اخلاقی اصولوں کو ایک ایسی حقیقت تسلیم کر لیا تھا جو اپنی حقانیت اور صداقت کے لئے کافی جواز رکھتے تھے۔ یعنی ان کی نگاہ میں اخلاقی اصول و قوانین کوئی ایسی چیز نہیں جن کے بارے میں عقلی دلائل پیش کیے جائیں، صرف ان پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ سقراط ان دونوں طبقوں کے خیالات کی تردید کرتا ہے۔ وہ اخلاقی اصول اور قوانین کے مفاہیم تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حق اور باطل میں خط امتیاز کھینچنے کے لئے ایک اصول قائم کرنا چاہتا ہے۔ ایک ایسی بنیاد فراہم کرنا چاہتا ہے جس پر اخلاقی مسائل کی پرکھ ممکن ہو۔ سقراط کے سامنے سب سے اہم سوال یہ تھا کہ زندگی میں کیسے نظم و ضبط پیدا ہو؟ زندگی بسر کرنے کا عقلی راستہ کون سا ہے؟ اور ایک باشعور انسان کو کس طرح اس پر عمل کرنا چاہیے؟

سقراط نے مذکورہ سوالوں کا جواب یہ تلاش کیا کہ ''علم ہی خیر اولی ہے'' اور اس کے اخلاقی فلسفہ کی بنیاد ہے۔ اس کے مطابق صحیح عمل کے لئے صحیح فکر ناگزیر ہے۔ ایک جہاز کو صحیح ڈھنگ سے چلانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی اس کی ساخت اور اس کی کارکردگی سے واقف ہو۔ اسی طرح ایک ریاست کو چلانے کے لئے یا اس پر حکومت کرنے کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ حکمران ریاست کی فطرت اور ملک کے مقاصد سے باخبر ہو۔ انسان جب تک یہ نہیں جانتا کہ خیر کیا ہے؟ جب تک اسے یہ علم نہ ہو کہ نفس پر اختیار کیا معنی رکھتا ہے؟ ہمت، جرات، انصاف، رحم اور اس کے متضاد صفات کا مفہوم کیا ہے؟ وہ نیک نہیں بن سکتا۔ بغیر علم کے نیکی اور خیر ممکن نہیں۔ یہ علم ہی ہے جو نیک عمل کی ترغیب دیتا ہے۔ سقراط کا خیال ہے کہ کوئی شخص اپنی خواہش سے برا اور بغیر خواہش کے اچھا نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ شاذ و نادر ہی ملیں گے جنہوں نے شعوری طور پر برائی کو اپنانے کی کوشش کی ہو۔ نیکی پر بدی اور شر کو فوقیت دینا انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ اسے ایک مثال کے ذریعے یوں واضح کیا جا سکتا ہے کہ جب کسی شخص کو دو برائیوں میں سے کسی ایک کے انتخاب پر مجبور کر دیا جائے تو وہ نسبتاً کم درجے کی برائی کا انتخاب کرے گا۔ سقراط کے مطابق حق و باطل کے علم کا نظریہ محض ایک اصول نہیں، بلکہ ایک مستحکم عملی صورت ہے۔ اس کا تعلق صرف خیال یا ذہن سے نہیں بلکہ خواہش اور منشا سے بھی ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''سقراط کی اہمیت یہ ہے کہ اس نے فلسفے کو وسعت دی اور اسے آسمان

Saeed Ahmad +971552066884

سے زمین پر اتارا۔ اس کے زیر اثر افلاطون نے ایک عقلی نظام تعمیر کیا
جو انسان کے بنیادی فکر و عمل کا احاطہ کرتا ہے اور زندگی کا پھیلاؤ، ذہن
انسانی کے بے شمار گوشے، مذہب، سیاست، معاشرتی و معاشی زندگی
اور اخلاق سب کچھ ایک مربوط فلسفے اور ایک ما بعد الطبیعاتی نظریے
کے تحت آ جاتے ہیں۔ ادب و شاعری بھی زندگی کا اہم و بنیادی پہلو
ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ یونانی فلسفی اسے چھوڑ جاتے؟ افلاطون جو خود
ایک پیدائشی شاعر تھا ''جمہوریہ'' لکھتے وقت شاعر کو اپنے نظام فکر سے
ضرور خارج کر دیتا ہے لیکن اسی کے ساتھ بحث کا وہ لا متناہی سلسلہ
شروع ہو جاتا ہے جو آج تک جاری ہے اس بحث کے متعدد
اصطلاحات وجود میں آئیں اور بہت سے فنی و شعری نظریات نے جنم
لیا۔ ارسطو نے اس بحث کو منظم و مربوط کر کے علم تنقید کی عمارت کھڑی
کی اور مروجہ الفاظ کو نئے معنی دے کر ایسی اصطلاحیں وضع کیں جن
سے آج تک ہم اپنے اظہار کو سہل بناتے ہیں۔''

قارئین! معتبر محققین اور فلاسفہ کی آراء کی روشنی میں سقراط اور اس کی فکر کا ایک اجمالی جائزہ لینے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ آج بھی مہذب اور متمدن دنیا کو ان سوالات کے جواب درکار ہیں جو صدیوں پہلے سقراط نے اٹھائے۔ جن فکری الجھنوں کا وہ ذکر کرتا ہے، آج بھی ذہنوں میں کنڈلی مارے بیٹھی ہیں۔ اس کے خیالات اپنے وقت سے بہت آگے تھے۔ اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہوتا چلا آیا تھا۔ الزامات لگے، عدالت بجی اور اس عظیم فلسفی کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا ارادہ باندھ لیا گیا۔

سقراط کے افکار کی پاداش میں جو کارروائی اس کے خلاف ہوئی اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے جناب محمد سلیم الرحمن لکھتے ہیں:

399 ق م میں سقراط پر یہ فرد جرم عائد کی گئی کہ وہ نوجوانوں کا اخلاق بگاڑتا رہا ہے اور شہر کے دیوتاؤں کے بجائے خود ساختہ خداؤں پر ایمان رکھتا ہے۔ استغاثے نے مطالبہ کیا کہ اسے موت کی سزا دی جائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایتھنز میں جمہوریت کی بحالی کے بعد عام معافی کا اعلان کیا جا چکا تھا۔ اس لئے مخالفین سقراط پر سیاسی نوعیت کے الزام عائد نہ کر سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سقراط پر جو الزامات لگائے گئے تھے وہ بالکل بے بنیاد ہوا نہیں تھے۔ لوگوں نے یہ فراموش نہیں کیا تھا کہ سقراط کو کسی زمانے میں طبیعی علوم سے شغف تھا اور طبیعی

Saeed Ahmad +971552066884

فلسفیوں کو بالعموم دہریہ سمجھا جاتا تھا۔ دو باتوں نے خاص طور پر اسے بہت نقصان پہنچایا۔ ایک تو اس کا سوال جواب کا طریق کار جس سے بڑے بڑوں کا پول کھل جاتا تھا۔ لوگوں کو یہ بات نہایت ناگوار گزرتی تھی کہ کوئی شخص کہے تو یہ کہ وہ کچھ بھی نہیں جانتا اور پھر باتوں باتوں میں الٹا انہیں کو کودن ثابت کر دے۔ دوسرے سقراط کے شاگردوں اور ہمدموں کے بارے میں عام خیال یہ تھا کہ انہیں جمہوریت سے کد ہے۔ اس کے بیشتر شاگرد امیر گھرانوں کے چشم و چراغ ہونے کے ناتے اس تصور کو عزیز رکھتے تھے کہ حکومت کرنے کا حق فقط بالائی طبقے کے چیدہ چیدہ افراد کو ہے۔ عوام کو صرف کان دبا کر کہا ماننا چاہیے۔

یہ سمجھنے کی معقول وجوہ موجود ہیں کہ سقراط کو خود بھی جمہوریت سے کوئی لگاؤ نہ تھا اور اس کی تعلیمات نے نوجوانوں کا ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا تھا جو قانون اور آزادی کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ مزید برآں یہ کہ سقراط جرح وقدح کے زور سے بنیادی اصولوں کے پرخچے تو اڑا دیتا لیکن ایسے کوئی اصول پیش نہ کرتا جو ان کی جگہ لے سکیں۔ یہ طریق کار عام لوگوں کو قطعی طور پر تخریبی معلوم ہوتا تھا۔

اپنی صفائی میں سقراط نے عدالت کے روبرو جو کچھ کہا وہ سب سے مربوط شکل میں افلاطون کی زبانی ہم تک پہنچا ہے۔ اس ''اعتذار'' میں افلاطون نے اپنی طرف سے کچھ بڑھایا گھٹایا ہو تو عجب نہیں۔ سقراط نے عائد کردہ الزامات کی پرزور تردید کی اور کہا کہ اگر استغاثے کا دعویٰ ہے کہ اس نے نوجوانوں کے اخلاق کو بگاڑا ہے تو عدالت میں موجود اس کے سابق شاگردوں یا ان شاگردوں کے باپوں اور بھائیوں کو استغاثے کی طرف سے گواہی دینے کے لیے طلب کیوں نہیں کیا گیا؟ اس کا جواب کسی کے پاس نہ تھا۔ سقراط نے یہ بھی کہا کہ ''ایتھنز کے لوگو، میں تمہارا احترام اور تم سے محبت کرتا ہوں لیکن فرماں برداری میں خدا ہی کی کروں گا، تمہاری نہیں۔''

جب رائے شماری ہوئی تو جیوری کے 281 افراد نے اسے مجرم قرار دیا اور 220 ووٹ اس کی بریت کے لیے پڑے۔ اس کے بعد یہ مسئلہ پیش ہوا کہ سزا کیا دی جائے۔ بعض جرائم کی سزا قانون میں متعین تھی لیکن باقی صورتوں میں مجرم قرار دیے جانے والا شخص اس سزا کی جگہ، جس کا استغاثہ نے مطالبہ کیا ہو، کوئی اور سزا تجویز کرنے کا حق رکھتا تھا۔ اس کے بعد جیوری کے ارکان دونوں سزاؤں میں سے کسی ایک کے حق میں فیصلہ سنا دیتے تھے۔ سقراط اگر موت کی سزا کے مقابلے میں جلاوطنی کی سزا تجویز کرتا تو امکان یہی تھا کہ اسے جلاوطن کر دیا جاتا۔ لیکن وہ بالکل ٹس سے مس نہ ہوا۔ شاید وہ سمجھتا ہو کہ اتنی سخت سزا تجویز کرنا اعتراف جرم

Saeed Ahmad +971552066884

کے مترادف ہوگا۔ دوستوں سے صلاح مشورے کے بعد، جنہوں نے بلاشبہ اسے کوئی معقول رویہ اپنانے کو کہا ہوگا، اس نے کہا تو یہ کہ وہ تو سمجھتا ہے کہ عوامی محسن کے طور پر وہ ریاست کی طرف سے تاحیات وظیفہ پانے کا مستحق ہے۔ تاہم اپنے احباب کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے وہ تین ہزار درہم کا جرمانہ تجویز کرتا ہے۔ سب کو پتا تھا کہ سقراط کے پاس اتنی بڑی رقم نہیں ہے۔ اگر اس کا تمام اثاثہ بھی بیچ دیا جاتا تو سو سے زیادہ درہم وصول نہ ہوتے۔ سقراط کے اس لا ابالی پن کا جیوری نے بہت برا مانا اور جب رائے لی گئی تو پانچ سو ایک ارکان میں سے تین سو نے کہا کہ موت کی سزا دی جائے۔

اب بھی کچھ نہیں بگڑا تھا۔ اس کے لئے فرار ہو جانا ممکن تھا۔ اس کے ایک دوست نے رشوت دے کر زندان کے داروغہ کو ساتھ ملا لیا۔ اس میں دقت اس لئے بھی نہیں ہوئی کہ ایتھنز کے عمائدین میں سے کوئی بھی دل سے سقراط کی موت کا خواہاں نہ تھا۔ لیکن سقراط نے یہ کہہ کر فرار ہونے سے انکار کر دیا کہ ''کیا میں ان قوانین کی اطاعت نہ کروں جنہوں نے اب تک مجھے تحفظ فراہم کیا ہے؟'' اور زہر کا پیالہ پی کر جان دے دی۔

جس فلسفیانہ روش کا وہ داعی تھا اس میں سقراط نے انسانی روح کو سب سے بلند مقام پر رکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کے پاس روح سے زیادہ بیش بہا چیز کوئی نہیں۔ اسی بنا پر روح کی نگہداشت انسان کا سب سے بڑا فرض بھی ہے۔

سقراط نے اپنی توجہ طبیعی کائنات سے ہٹا کر اخلاقی مسائل پر مرکوز کر دی۔ اس کا بنیادی مقصد معلومات فراہم کرنا نہیں تھا۔ وہ دوسروں کو سوچنے سمجھنے پر اکسانا چاہتا تھا تاکہ وہ اپنے طور پر بہتر انسان بن سکیں۔ استادانہ زعم اسے چھو کر بھی نہیں گیا تھا۔ شاگردوں کو وہ اپنا دوست گردانتا تھا۔ سقراط کے مقاصد واضح اور کلی طور پر اخلاقی تھے اور اس نے خواہ جان بوجھ کر یا اتفاق سے، اخلاقیات اور سیاسیات کے مابین لکیر کھینچ دی۔ اس نے کہا کہ وہی علم سچی اقدار کی راہ دکھا سکتا ہے جو بصیرت پر مبنی ہو۔ جس علم کا انحصار مانگے تانگے کی معلومات پر ہو اس سے راہ نہیں ملتی۔ اس نے اپنی مثال سے ثابت کیا کہ فلسفے کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے کے آرزو مندوں کو پہلے تمام حجابوں اور ہچکچاہٹوں کو بالائے طاق رکھنا ہوگا تاکہ وہ آزادی سے سوچ بچار کر سکیں۔ سقراط کی اس تاکید سے فرد کی آزادی اخلاقیات کا مسئلہ بن گئی اور انسان کی اخلاقی خودفرمانی کا آغاز ہوا۔ اسے شہید فلسفہ کہا جاتا ہے اور بجا طور پر وہ اس خطاب کا سب سے موزوں حقدار ہے۔

oooo

Saeed Ahmad +971552066884

تھیوسی ڈائڈس

عہد حیات: 460ق م - 399ق م

دنیا کا پہلا فلسفی، مفکر اور ناقد تاریخ دان جو ہیروڈوٹس کی زبان سے اس کی تحریر سن کر تاریخ نگاری کی طرف مائل ہوا، اس کا دعویٰ تھا کہ میری تصنیف امر ہو جائے گی، اور ایسا ہی ہوا

وہ ان عظیم یونانیوں میں شامل ہے جن کے نام بھلا کر تاریخ خود بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ وہ ایک عظیم مورخ تھا۔ نہ صرف مورخ بلکہ بیک وقت نقاد اور فلسفی بھی۔ اس کے علاوہ اسے پہلا ناقد اور مفکر تاریخ دان ہونے کا رتبہ بھی حاصل ہے۔ وہ تھیوسی ڈائڈس ہی ہے جس کو منفرد اسلوب تاریخ نگاری کی وجہ سے علم کے طالب کبھی نہ بھلا پائیں گے۔

''پیلو پونے سوسی جنگ کی تاریخ'' تھیوسی ڈائڈس کی مشہور تصنیف ہے، اس کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابتدائی حصے مکمل اور مربوط ہیں لیکن آخری حصہ نامکمل ہے اور پیلو پونے سوسی جنگ کے درمیان تک کے ہی واقعات سامنے آتے ہیں، مشہور ہے کہ یہ جنگ 21 برسوں تک لڑی جاتی رہی تھی۔

جہاں تک تھیوسی ڈائڈس کی تحریر کا سوال ہے۔ اس کے بیانات کی صداقت پر کسی شبہ کی گنجائش نہیں اور مجموعی طور پر اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، اس نے ستائش کی تمنا سے بالاتر ہو کر تاریخ لکھی، جیسا کہ اس نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اس کی یہ تصنیف موجودہ عہد سے تعریف و تحسین حاصل کرنے کے لئے نہیں لکھی گئی، بلکہ آئندہ زمانے کی ہدایت کے لئے تحریر کی گئی ہے۔ اگرچہ اہل ایتھنز کے ہاتھوں اس کو جلاوطنی کی سزا ملی تھی اور اسے اپنا وطن چھوڑنا پڑا تھا اور ایک دیار غیر میں پناہ لینی پڑی تھی، وہ چاہتا تو اہل ایتھنز کے خلاف بہت کچھ لکھ سکتا تھا،

Saeed Ahmad +971552066884

لیکن وہ تاریخ نویسی کے اصول سے واقف تھا، اسے معلوم تھا کہ صداقت اور سچائی کو منظر عام پر لانے کے لئے غیر جانبداری ناگزیر ہے۔ چنانچہ وہ تمام تعصبات سے بلند ہو کر حقیقت پسند بنا رہا۔

اپنی پہلی تصنیف میں تھیوسی ڈائڈس نے ابتدائی ایام سے لے کر ''پیلو پونے سوی جنگ'' کے آغاز تک کی یونانی تاریخ کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد وہ اس جنگ کے اسباب وعلل پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس کے خیال میں مذکورہ جنگ اہل اسپارٹا کی رقابت اور حسد کا نتیجہ تھی۔ اس کی تاریخ نویسی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے واقعات کی بنیاد اور محرکات کو پیش کرتا ہے، پھر واقعات کا تذکرہ کرتا ہے۔ اور آخر میں اثرات کا جائزہ لیتا ہے، اس طرح وہ پہلا ناقد اور مفکر تاریخ دان ہے۔ اس طریقے کی سنجیدگی اور گہرائی کو عام طور پر سراہا گیا ہے۔ اس کی زبان میں قوت بھی ہے اور حسن بھی، تاثیر بھی ہے اور اپیل کرنے کی صلاحیت بھی۔ سرو نے ہیروڈوٹس کو ایک ایسی ندی سے تشبیہہ دی ہے جو نرم روی کے ساتھ بہتی ہے، جبکہ تھیوسی ڈائڈس کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ وہ ایک ایسی ندی ہے کہ جس کی لہریں، بھری ہوئی اور پر جوش ہیں۔

تھیوسی ڈائڈس کو اسلوب کی پیچیدگی کے سبب ہدف تنقید بنایا گیا ہے، اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا اسلوب واقعتاً ایسا ہی ہے کہ جس پر اعتراض کیا جا سکے، خصوصاً اس وقت جب وہ انسانی جذبات واحساسات کے مزاج و کیفیات اور اس کے طریق کار پر روشنی ڈالتا ہے تو بہت طویل اور الجھے ہوئے جملے استعمال کرتا ہے، جس سے اس کا طرز اظہار دقیق اور پیچیدہ بن جاتا ہے۔ لیکن اس کے اسلوب کی یہ کیفیت ہمیشہ برقرار نہیں رہتی۔ کبھی کبھی وہ بڑی شاعرانہ اور دلکش نثر لکھتا ہے۔ اس کی ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ قاری کو اس دنیا کی سیر کرائی جائے جس کا وہ ذکر کر رہا ہے۔ وہ اپنے خیالات و جذبات اور تجربات و مشاہدات میں قاری کو شریک کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی رہتا ہے۔ مجموعی طور پر اس کا اسلوب نہایت دلکش اور پر اثر ہے۔ جذبات کی عکاسی اور واقعات کی تصویر کشی میں اسے ید طولیٰ حاصل ہے۔ علاوہ ازیں وہ کبھی کبھی کسی واقعہ سے متعلق کسی سیاست دان کے دلائل بھی نقل کرتا ہے جو اس کی بیانیہ نثر سے ہم آمیز ہو کر ایک ندرت پیدا کرتے ہیں۔

تھیوسی ڈائڈس ایک مورخ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مفکر اور فلسفی بھی تھا۔ وہ عوام کے مہمل خیالات اور راسخ العقیدگی کو کبھی نہیں سراہ سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اسے دیوتاؤں

Saeed Ahmad +971552066884

اور خداؤں کا باغی سمجھا، ان کا خیال تھا کہ وہ دیوتاؤں میں عقیدہ نہیں رکھتا اور ان کی توہین کرتا ہے۔ چنانچہ سقراط اور انا کساغورث وغیرہ کی طرح اسے بھی ملحد اور دہریہ کہا گیا اور اس غلط فہمی نے اس کی مقبولیت کو نقصان بھی پہنچایا۔

تھیوسی ڈائڈس کی لکھی تاریخ کے تذکرے اور اس پر تبصرے کے بعد آیئے اس عظیم مورخ کے زندگی نامہ میں جھانکیں اور دیکھیں کہ یہ تاریخ لکھنے کی طرف کیسے راغب ہوا، یہ خود کون تھا، اس کی نجی زندگی کیسی تھی اور اس کا انجام کیا ہوا؟

سر پال ہاروے کے مطابق تھیوسی ڈائڈس کا سال پیدائش 460ق۔م ہے۔ لیکن پروفیسر وہاب اشرفی ہاروے کے بیان کردہ سال کو باعث اطمینان نہ جانتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

تھیوسی ڈائڈس 471 قبل مسیح میں ایتھنز میں پیدا ہوا۔ مگر ہم نے اس مضمون کی پیشانی پر جو سنین سجائے ہیں وہ جناب محمد سلیم الرحمٰن کی قابل قدر تصنیف "مشاہیر ادب" سے ماخوذ ہیں اگرچہ یہ بھی مستند نہیں قیاسی ہیں لیکن یونانی تاریخ وادب پر سلیم الرحمٰن صاحب کی دسترس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم نے انہی پر انحصار کیا ہے۔ "مشاہیر ادب" میں تھیوسی ڈائڈس کا قیاسی عرصہ حیات 460ق م تا 399ق م درج ہے۔ دیگر تفصیلات کے لئے ہم دوبارہ وہاب اشرفی کی طرف لوٹتے ہیں جن کا خیال ہے کہ تھیوسی ڈائڈس کے باپ کا نام اولورس Olorus تھا۔ ایتھنز کے ایک معزز اور رئیس خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اس کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت، بہت اچھے ڈھنگ سے ہوئی، لہٰذا اس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اس سلسلے میں ایک روایت مشہور ہے کہ جب تھیوسی ڈائڈس محض 15 برس کا تھا تو اس نے اولمپک گیمز میں ہیروڈوٹس کو اپنی تاریخ کا ایک حصہ پڑھتے ہوئے سنا، جس سے وہ بہت متاثر ہوا۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں اور اسے تاریخ نگاری سے دلچسپی ہو گئی۔ تھیوسی ڈائڈس جمہوریت کو ملک کے لئے ضرر رساں سمجھتا تھا۔ وہ جمہوریت پسندوں کو غنڈوں اور شہروں کا گروہ مانتا تھا۔ اسے احساس تھا کہ جمہوری نظام میں لوگ ہر دلعزیز بننے کے لیے سفلی جذبات ابھارتے ہیں اور عوام کو غلط راستے پر لے جاتے ہیں۔ جب اسے تاریخ کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا تو قدرت اور مقدر نے موقع بھی فراہم کر دیا۔ اور اس نے بڑے آرام سے اپنے مقصد کی تکمیل کی۔ وہ اپنی تاریخ نویسی میں غیر جانبدار نظر آتا ہے، کسی قسم کے جذبات و تعصبات کو دخل اندازی کی اجازت نہیں دیتا۔ اس نے حق و صداقت کی تلاش میں اور سچائی کو ابھارنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

Saeed Ahmad +971552066884

تھیوسی ڈائڈس نے مشہور ''پیلو پونے سوی جنگ'' میں شرکت کی اور دوسرے سپاہیوں کے ساتھ شانہ بشانہ لڑا۔ اس کی تاریخ اس جنگ کی خاصی تفصیل پیش کرتی ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ ''پیلو پونے سوی جنگ'' جنگ اس کی تاریخ نویسی کا محرک بنی۔ لیکن اس وقت تک اس کے دماغ میں تاریخ کا صرف ایک خاکہ مرتب ہوا تھا۔ تکمیل کا مرحلہ بعد میں آیا جب اسے جلاوطنی کی سزا ملی اور فرصت کے اوقات میسر آئے۔ اس کی جلاوطنی کی کہانی اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ ایملی بولس ایتھنز کا ایک شہر تھا جو تھریس کی سرحد پر تھا۔ اس شہر کا اسپارٹا کے براسیڈا اس نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ تھیوسی ڈائڈس کی کمانڈ میں ساحل تھیوس کے سات بحری بیڑے تھے۔ سپہ سالار نے اسے ایملی بولس پہنچنے کا حکم دیا۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ براسیڈا اس کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ بہت خوفزدہ ہوا۔ اس نے محصورین کے سامنے ایک موافق شرط پیش کی جو منظور ہوگئی۔ تھیوسی ڈائڈس، ہتھیار ڈالنے کے 12 گھنٹے بعد اسٹرائمن پہنچا اور Eion کے شہر کو دشمنوں سے بچایا۔

ایملی بولس کے باسی تو تھیوسی ڈائڈس کے عنقریب پہنچ جانے کی خبر نہیں رکھتے تھے اس لئے وہ براسیڈا اس کی نسبتاً بہت نرم شرائط کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے کیونکہ وہ براسیڈا اس کا محاصرہ ہر صورت میں جلد از جلد ختم ہونے کے خواہشمند تھے۔ لیکن ایمفی بولس کے محصورین کی جلد بازی تھیوسی ڈائڈس کو مہنگی پڑی۔ چونکہ درحقیقت وہ ایک اہم شہر ایمفی بولس کو محفوظ رکھنے میں ناکام رہا تھا اس لئے ایتھنز کے باسیوں نے اسے شہر بدر کر دیا۔ جلاوطن ہونے کے بعد وہ تھریس چلا گیا اور اپنی عمر کے بیس قیمتی سال وہاں گزارے۔ اس کی موت ڈاکوؤں سے اپنی جائیداد کی حفاظت کرتے ہوئے ہوئی۔ بعض روایات کے مطابق بوجہ دشمنی اسے قتل کر دیا گیا۔ اس عظیم مورخ، نقاد، فلسفی اور تاریخ دان کا مقبرہ ایتھنز کی دیوار کے باہر بنایا گیا۔

تھیوسی ڈائڈس کی تاریخ اور تاریخ نگاری پر جناب سلیم الرحمٰن ''مشاہیر ادب'' میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تھوکو دیدیس کا یہ دعویٰ کہ اس کی تصنیف امر ہو جائے گی بالکل درست ثابت ہوا۔ ''پیلو پونے سوی جنگ'' آج بھی پانچویں صدی قبل مسیح کے یونانی تمدن کی عقلیت پسندی کی ایک غیر متزلزل یادگار کے طور پر ہمارے سامنے ہے۔ ہیرو دوتوس پر تو اہل علم بہت گرجے برسے ہیں لیکن تھوکو دیدیس کے بارے میں ان کا رویہ بالعموم ہمدردانہ بلکہ ارادت مندانہ رہا ہے۔ بطور مورخ ہیرودوتوس پر تھوکو دیدیس کی برتری تسلیم لیکن اس کے لکھے کو بیٹھے بٹھائے حرف آخر سمجھ لینا سراسر بے عقلی کی بات ہوگی۔ اس کی خود اعتمادی بعض اوقات تکبر کی حدوں

Saeed Ahmad +971552066884

کو چھوٹی دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً اسے دعویٰ ہے کہ اس نے پیلو پونے سوی جنگ کے اسباب بلاکم وکاست بیان کر دیے ہیں اور مورخین کو آئندہ اس سلسلے میں کسی قسم کی زحمت نہ اٹھانی پڑے گی۔ دور حاضر میں اس جنگ کے اسباب کا بارہا، سیر حاصل انداز میں، مطالعہ کیا گیا ہے اور اس تحقیق اور تجزیے سے تھوکو دیدیس کی خوبیوں پر تو روشنی پڑتی ہے مگر خامیاں بھی آشکار ہو گئی ہیں۔ تھوکو دیدیس نے بعض واقعات بہت تفصیل سے قلم بند کیے ہیں حالانکہ جنگ کے سیاق و سباق میں وہ چنداں اہم نہ تھے۔ اس کے برعکس بعض انتہائی اہم حقائق کا ذکر ہی نہیں کیا جن کے فیصلہ کن ہونے کے بارے میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں۔ اس نے دستاویزوں سے بہت کم مدد لی ہے اور زبانی ماخذوں پر زیادہ انحصار کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تھوکو دیدیس جنگ کو کمتر رتبے کے فوجی افسروں کی نظر سے بیان کرتا ہے۔ یہ الزام درست نہیں کیوں کہ وہ معرکوں کی تفصیلات کو ڈرامائی شکل میں پیش کرنے کا متمنی تھا۔ ہاں، یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اپنی مسلمہ بصیرت کے باوجود اس کی نظر ان عمیق تر سماجی اور معاشی عوامل تک نہ پہنچ سکی جو ایتھنز کے سیاسی اور عسکری زوال کے ذمہ دار تھے۔ جہاں عقلیت پسندی کوئی مدلل جواب فراہم نہیں کر سکتی وہاں وہ ایسی تاویلات میں پناہ لیتا ہے جن میں انسانی نفسیات اساطیری پرچھائیوں میں گھری نظر آتی ہے۔

تھوکو دیدیس کی عظمت یہ ہے کہ اس کی تاریخ جن واقعات اور مسائل کا احاطہ کرتی ہے وہ ہر دور میں قارئین کو اپنی ہی روداد معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی گراں قدر تصنیف بنیادی طور پر ایک باصلاحیت اور اولوالعزم قوم کے اخلاقی زوال کی کہانی ہے۔ بقول تھوکو دیدیس فاسد جذبات، جن میں ہوس، خصوصاً ملک گیری کی ہوس، سرفہرست ہے جنگ کا سبب بنتے ہیں اور جنگ رفتہ رفتہ تمام شرکاء کو بہیمیت کے گرداب میں دھکیل دیتی ہے اور وہ لڑتے لڑتے اپنی تہذیب کی تمام اقدار کا اپنے ہاتھوں سے گلا گھونٹ ڈالتے ہیں۔"

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

ایو پولس

عہد حیات: 446ق م - 410ق م

پرانے یونانی طربیہ میں اس کا مقام بلند پایہ فنکاروں سے کم نہیں۔ لفظوں کو ربط دے کر یا توڑ مروڑ کے نئے سے نئے معنی پیدا کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا

وطن عزیز کے جید مترجم اور دانشور جناب محمد سلیم الرحمٰن اپنی گرانقدر تصنیف "مشاہیر ادب" (یونانی: قدیم دور) میں ایو پولس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"اس نے پہلا ڈرامہ سترہ برس کی عمر میں لکھا۔۔۔ایو پولس نے غالباً کل سترہ ڈرامے لکھے اور سات بار اس کے ڈراموں کو اول انعام کا حقدار سمجھا گیا۔ اب ان ڈراموں کے صرف نام اور تتر بتر اجزاء موجود ہیں۔۔۔ متقدمین سمجھتے تھے کہ بانکپن اور دل کشی کے اعتبار سے اسے کراتی نوس اور ارستو فانیس دونوں پر فوقیت حاصل ہے۔ پرانے طربیہ میں پھکڑ اور گالی گلوچ کی خاصی گنجائش تھی مگر ایو پولس کے پھکڑ پن، زبان درازی اور ناشائستگی نے اگلوں پچھلوں سب کو مات کر دیا تھا۔۔۔اسے سیاسی معاملات سے خاصی دلچسپی تھی۔ ارسطو فانیس تو امن کا زبردست داعی تھا لیکن اس کے برعکس ایو پولس جنگ کا حامی تھا، عسکری روایات اور اقدار کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا تھا اور اس پرانی نسل کا ستائش گر تھا جس نے ایرانیوں کی یلغار کا منہ توڑ جواب دیا تھا۔۔۔اس نے ان عوامی رہنماؤں کو خاص طور پر طنز کا نشانہ بنایا جو اپنی غلط حکمت عملی سے ایتھنز کی شہرت کو داغ دار اور طاقت کا ستیاناس کر رہے تھے۔ لیکن وہ نہ تو کسی سیاسی جماعت کا حلیف تھا اور نہ اس کے پاس سیاست کے اچھے برے پہلوؤں کو جانچنے کا کوئی پختہ معیار تھا۔ اسے آزاد منش فن کار سمجھنا حقیقت سے زیادہ قریب ہوگا۔ اس کے قلم کے ڈنگ سے سیاست دان تو خیر کیا بچ پاتے، معاشرے کی ایسی اہم مگر غیر سیاسی

Saeed Ahmad +971552066884

شخصیات بھی محفوظ نہ رہ سکیں جن کے اطوار اسے زہر لگتے تھے۔ افسوس یہ کہ اس کا ایک بھی ڈراما ہم تک نہیں پہنچ سکا۔۔۔ (ایو پولس کے) ڈراموں کے موضوعات پر سرسری نظر ڈالنے سے (ہی اس کی) افتادِ طبع کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔۔۔ کم از کم دو ڈراموں میں اس نے اپنے تھڑ دلے ہم وطنوں کو خوب لتاڑا۔ ایک ڈرامے کا تو نام ہی "بھگوڑے" تھا۔ اتنا بتانے کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ ڈرامے میں کیا دکھایا اور سنایا گیا ہوگا۔۔۔ "سنہرا دور" (نامی ڈرامے) میں کلے اون کی گت بناتے ہوئے اپنے زمانے کی گندی سیاست پر تھو تھو کی گئی تھی جو کلے اون جیسے بیہودہ آدمیوں کو برسرِ اقتدار آنے کا موقع فراہم کرتی تھی۔ "کوچہ ٦" میں ہوپیر بولوس نام کے ایک چھچھورے عوامی رہنما کو دھکیاں سنا کر دل کی بھڑاس نکالی (گئی) تھی۔ ڈرامے میں اس کی ماں تک کو شرمناک انداز میں نچوا دیا (گیا) تھا۔۔۔ ایو پولس کا آخری کھیل "عوام الناس" تھا۔ اس کے پلاٹ سے پتہ چلتا ہے کہ پرانا طربیہ اپنی تمام مسخرگی، زندہ دلی اور بے سروپا خیال آرائی کے باوجود سنجیدہ موضوعات سے عہدہ برآ ہونے کی کتنی اہلیت رکھتا تھا۔"

ایو پولس کا ایک ڈرامہ "بپتسمائی" تھا۔ بائبل کی اصطلاح میں "بپتسمہ" سے مراد "غسل طہارت" ہے۔ "بپتسمائی" سے مراد شاید غسل طہارت سے مستفید ہونے والا ہو۔ بہر حال اس ڈرامے میں ایو پولس نے ایتھنز کی ایک سربرآوردہ شخصیت "الکی بیادیس" کا جی بھر کر مذاق اڑایا کیونکہ موصوف قواعد و قوانین کو خاطر میں نہ لانے والا شخص تھا اور ہمیشہ اوٹ پٹانگ حرکتوں میں ملوث رہتا تھا۔ "بپتسمائی" میں الکی بیادیس اور اس کے ساتھیوں کو عورتوں کے روپ میں ایک دیوی کی پوجا کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ پوجا میں بپتسمہ دینے کی رسم بھی شامل تھی اور رنگ رلیاں بھی منائی جا رہی تھیں۔۔۔ چند سال بعد ایتھنز کی فوج الکی بیادیس کی قیادت میں صقلیہ پر چڑھائی کرنے کے لئے سمندر پار بھیجی گئی فوج میں ایو پولس بھی شامل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ الکی بیادیس نے اپنی تذلیل کا انتقام لینے کے لئے اس سفر کے دوران ایو پولس کو سمندر میں پھینک کر ہلاک کر دیا تھا لیکن محققین اس روایت کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

فلپوس

عہد حیات: 382ق م - 336ق م

ایک عظیم بیٹے کا عظیم باپ۔ مقدونیہ کی قدیم ریاست کا حکمران جس نے ورثے میں جمی جمائی حکومت اور فتوحات کا سلسلہ چھوڑا۔ بعد ازاں سکندر اعظم نے ثابت کیا کہ وہ اس ورثے کا حقیقی حقدار تھا

فاتح عالم سکندر یونانی کا باپ فلپوس (جسے فلپ بھی کہا جاتا ہے) 382ق م میں پیدا ہوا۔ مقدونیہ کی حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد اس کا اقتدار 359ق م سے اس کی موت تک برقرار رہا۔ اس نے اپنے دور حکومت میں مقدونیہ کو اندرونی و بیرونی خطرات سے محفوظ کرنے کے لئے کئی تاریخی اقدامات کئے۔ فلپوس نے اپنی پہلی ترجیح کے طور پر فوج کو اس وقت کے جدید عسکری معیارات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تنظیم نو کے مراحل سے گزارا۔ اس عظیم کاوش نے مقدونیہ کی عسکری قوت کو تربیت، اہلیت اور طاقت کے حوالے سے ہمسر اور ہمعصر افواج میں ممتاز کر دیا۔ اس کام سے فراغت پا کر وہ اپنی سلطنت کی حدود وسیع کرنے میں کوشاں ہوا۔ فلپوس نے اس ضمن میں درپیش صورتحال کے مطابق کبھی سیاسی حکمت عملی اور کبھی عسکری طاقت کا بروقت انتخاب اور استعمال کیا۔

348ق م تک وہ تھریس اور چیلسیڈ ائس کی سونے کی کانوں پر قابض ہو چکا تھا۔ اس نے چائیرونیا پر ایتھنز اور تھیبز کا جنگی خوف اور غلبہ ختم کر دیا۔ اس کے بعد وہ مسلسل اپنی جنگی قوت کو بڑھانے میں لگا رہا اور اس زمانے کے بہترین اسلحہ اور فوجی ساز و سامان سے اپنے سپاہیوں کو مسلح کیا۔ اپنی مسلسل فتوحات، بہترین فوج اور حیران کن سیاسی حکمت عملی کی بدولت جلد ہی وہ یونان بھر کا حکمران تصور ہونے لگا۔

Saeed Ahmad +971552066884

اب اس نے اور آگے دیکھنا شروع کر دیا۔ ''الیگزینڈر دی گریٹ'' کے مصنف شاہد مختار کے بقول وہ فارس کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ روایات کے مطابق فارس پر حملے کی تیاری کے دوران ہی اسے ہلاک کر دیا گیا۔ اکثر تاریخی کتب میں اس کی بیوی اولمپیاس کو قاتل بتایا جاتا ہے۔

فلپوس کے بعد اس کے بیٹے سکندر نے حکومت سنبھالی اور فتوحات کا وہ عظیم الشان سلسلہ شروع کیا جو اپنی نوعیت، وسعت اور طوالت کے حوالے سے پوری انسانی تاریخ میں عدیم النظیر ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

داریوش سوم

ہلاکت: 330ق م

یہ وہی دارا ہے جو سکندر کے ایران پر حملے کے دوران مارا گیا۔ اس کی موت کے ساتھ ہی کوروش اعظم کا حکمران خاندان بھی تمام ہوا اور ہخامنشی سلطنت بھی

دارا کے ذکر سے پہلے چند سطور میں قدیم ایران، اور اس حکمران خاندان کا نہایت مختصر تعارف ضروری معلوم ہوتا ہے جس کا اختتام دارا کی موت پر ہوا۔

قدیم ایران کے باشندے آریائی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ تقریباً چار ہزار سال ق م میں جنوبی روس سے چراگاہوں کی تلاش میں کارواں در کارواں سرزمین ایران میں وارد ہوئے۔ ایران کے قدیم ترین مکین جوان کی آمد سے قبل یہاں آباد تھے یا تو نو واردوں کے ہاتھوں مارے گئے یا ادھر ادھر پہاڑوں میں منتشر ہو گئے۔ نئے آنے والوں کا ایک گروہ شمالی ایران کے علاقے میڈیا میں آباد ہو گیا یہ لوگ اس علاقہ کی نسبت سے ماد کہلائے۔ دوسرا گروہ مشرقی ایران سے ہوتا ہوا جنوبی ایران کے علاقہ پارس میں آ بسا اور اسی نسبت سے انہیں اہل پارس یا پارسی کہا گیا۔

مرزا مقبول بیگ بدخشانی کا لکھنا ہے کہ اگرچہ ماد اور پارسی ایک ہی نسل سے تھے لیکن ایران میں آئے انہیں زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ دونوں ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے لئے لڑنے جھگڑنے لگے۔ ماد زیادہ طاقتور تھے اس لئے پارسی اکثر آل ماد کے مطیع رہے اور یہ عرصہ اطاعت بہت طویل ثابت ہوا۔ لیکن آخر کار قسمت نے یاوری کی اور ان میں سے ایک طاقتور شخص اٹھا جو تاریخ ایران میں کوروش اعظم (Cyrus the great) کے نام سے مشہور ہوا۔

Saeed Ahmad +971552066884

ایران کی باقاعدہ تاریخ کوروش اعظم سے ہی شروع ہوتی ہے۔ اس کا مورث اعلیٰ ہخامنشی تھا جو تقریباً 650ق م میں پیدا ہوا۔ ہخامنشی کمبوجیہ کا پردادا تھا اور کمبوجیہ کوروش اعظم کا باپ۔ کوروش اعظم نے بادشاہت سنبھالتے ہی عظیم فتوحات حاصل کیں، یہاں تک کہ بابل و نینوا کو بھی زیر کر لیا۔ اپنی جنگی اور توسیعی مہمات سے فارغ ہو کر اس نے اپنے موروث اعلیٰ ہخامنشی کے نام کی نسبت سے دور ہخامنشی کی بنیاد رکھی۔ کوروش اعظم نے 550 سے 529ق م تک بڑے جاہ و جلال سے حکومت کی۔ اس نے ایک زندہ و جاوید ہخامنشی تمدن اپنی یادگار چھوڑا۔

دارا یا داریوش اول اسی ہخامنشی خاندان کا ایک جلیل القدر بادشاہ تھا، اسے ایرانی مورخین گشتاسپ بھی لکھتے ہیں۔ اس کا دور حکومت 521 سے 485ق م تک متعین کیا گیا ہے۔ یہ وہ عظیم ایرانی شہنشاہ ہے جس کے رعب و دبدبے کا شہرہ شرق و غرب میں تھا۔ ایران کی تاریخ کا یہ سنہرا دور مادی ترقی اور ریاستی فتوحات کے سبب بہت اہمیت کا حامل ہے۔

ہخامنشی خاندان کی داستان کامیابیوں اور کامرانیوں سے عبارت ہے۔ یہ داستان مسلسل فتوحات اور تعمیر و ترقی کی بے پناہ سرگرمیوں کا احاطہ کرتی ہے۔ ہخامنشی خاندان نے اس زمانہ میں اتنا عروج حاصل کر لیا تھا کہ نظیر ملنا مشکل ہے۔ لیکن ہر عروج کا انجام چونکہ زوال ہوتا ہے لہٰذا ہخامنشی خاندان کا سنہرا دور بھی گہنا گیا اور پھر گہنا تا ہی چلا گیا۔

336ق م میں جب داریوش سوم حکمران بنا تو ایرانی حکومت پر ضعف و اضمحلال کے آثار واضح طور پر دکھائی دینے لگے تھے۔ دوسری طرف حریف ریاست یونان دن بدن طاقتور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اگرچہ ایران کا نیا بادشاہ داریوش سوم بھی اپنے وسیع تر حکومتی تجربے، بے مثال ذہانت اور عدیم النظیر شجاعت و دلاوری کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھا، ایشیائے کوچک کے لاکھوں پیشہ ور سپاہی جنہوں نے ماضی میں مقدونیہ کے خلاف ایران کی طرف سے شاندار خدمات انجام دی تھیں اب بھی داریوش سوم پر جاں نثار کرنے کو تیار تھے اور ایران کا بحری فوجی شعبہ بھی مخالف قوتوں پر ہر طرح کی عسکری برتری رکھنے کا دعویدار تھا لیکن اب کی بار واضح فرق اس طوفان کا تھا جو یونان کی سرزمین سے عنقریب اٹھنے والا تھا۔ سکندر یونانی کی صورت میں نمودار ہونے والے اس طوفان کو روکنا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ 334ق م میں اس نے تیس ہزار پیادہ اور پانچ ہزار سوار فوج کے ساتھ ایشیائے کوچک کے فوجی اہمیت کے حامل تمام بڑے بڑے شہر فتح کر لئے۔ ایشیائے کوچک کو روندنے کے بعد سکندری گھوڑوں کی ٹاپیں فرات کا پل عبور کر کے ایران کی حدود میں داخل ہو گئیں۔ ایرانی دارائے سوم کی قیادت

Saeed Ahmad +971552066884

میں اپنے بے مثال تمدن، امیر تہذیب، ترقی یافتہ ریاست اور قومی وقار کے تحفظ کے لئے قدم قدم پر لڑے لیکن سکندر کی پیش قدمی تو گویا ایک سیلاب تھا جو کسی سے بھی اور کہیں بھی رک نہ سکا۔ اسوس، اربیلا، اسطخر (پرسی پولس) اور ہمدان ایک ایک کر کے سکندر کے قدموں میں گرتے گئے۔ اس نے ایران کے ایک ایک شہر کو فتح کر لیا اور شکست خوردہ داریوش سوم کا تعاقب کرتا ہوا وہ اسے باختر تک لے گیا جہاں اس کے چچیرے بھائی اور صوبہ دار بیس نے اسے قتل کرا دیا۔ یوں ہخامنشی سلطنت پر سکندری پرچم لہرانے لگا۔ دارا کا قتل 330 ق م کا واقعہ ہے۔ اس قتل کی تاریخی اہمیت سے انکار اس لئے ممکن نہیں کہ داریوش سوم کے مارے جانے سے عظیم الشان ہخامنشی حکمران خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ دارا سوم اس خاندان کا آخری ٹمٹماتا ہوا چراغ تھا جو سکندری آندھی اور یونانی بگولوں کی تندی کا مقابلہ کرتا ہوا آخر کار اپنے آپ سمیت سب کچھ ہار گیا۔ داریوش کے قتل کے ساتھ ہی ہخامنشی خاندان کا 550 ق م سے 330 ق م تک پھیلا ہوا دور حکمرانی اپنے انجام اور اختتام کو پہنچ گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

ارشمیدس

عہد حیات: 287ق م ۔ 212ق م

اپنی چند بنیادی ایجادات کے باعث وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس نے اقلیدس اور میکانیات کے چند ایسے اصول وضع کئے جن کی بنیاد پر آگے چل کر سائنس کی تمام تر عمارت استوار ہوئی

ارشمیدس سائرا کیوس کا رہنے والا تھا۔ سائرا کیوس سسلی کا ایک جزیرہ ہے، جس عہد کا ہم ذکر کر رہے ہیں تب یہ یونان کی نو آبادی تھی۔ ایلن بلیک ووڈ کے مطابق ارشمیدس کی بہت سی مقبول ایجادات اور دریافتیں سائرا کیوس کے بادشاہ کی مرہون منت ہیں۔ "عظیم سائنس دان" میں علی ناصر زیدی سائرا کیوس کا حکمران ہیرو کو بتاتے ہیں جبکہ "تاریخ ایجادات" کے مصنف ایگن لارسن ہیرو کو "سکندریہ کا باشندہ" اور بجائے خود بہت بڑا موجد قرار دیتے ہیں۔ بہرحال ذکر ارشمیدس کا مقصود ہے۔ لہٰذا ہم ضمنی باتوں کے ذکر کی بجائے اصل موضوع پر آتے ہیں۔ مورخین متفق ہیں کہ وہ 287ق۔م میں پیدا ہوا۔ روایات کے مطابق ایک دن شام کے وقت سائرا کیوس کے لوگوں کو سڑک پر ایک شخص دیوانہ وار دوڑتا ہوا نظر آیا۔ وہ بالکل برہنہ تھا اور کسی کی پروا کئے بغیر صرف ایک ہی جملہ رٹتا چلا جا رہا تھا۔

کچھ لوگوں نے اسے پہچانا اور اپنے ساتھیوں کو اس کے نام سے آگاہ کیا۔ یہ ایک مشہور آدمی کا نام تھا۔ جو اسے پہچانتے نہ تھے انہوں نے بھی یہ نام سنا ہوا تھا۔ اپنے وقت کے سب سے بڑے ماہر ریاضیات اور علم میکانیات کا نام بھلا کس نے نہ سنا ہو گا! آن کی آن میں یہ دلچسپ خبر سارے شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی لیکن اس کی اصل وجہ لوگوں کو اگلے دن معلوم ہو سکی۔

Saeed Ahmad +971552066884

آیا۔
آج اس واقعے کو 23 صدیاں گزر چکی ہیں تاہم اس کی اہمیت میں سرِ مُو فرق نہیں
یہ نگاہ ہوش شخص ارشمیدس تھا لیکن کسی کی مجال نہ تھی کہ اس پر انگلی اٹھا سکتا۔ کوئی بحیثیت ایک
فلسفی کے اس کی عزت کرتا تھا اور کوئی ایک ریاضی دان اور موجد کی حیثیت سے۔ خود سائرا
کیوس کا بادشاہ اس کا بڑا مداح تھا اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔
اس بادشاہ نے اپنے شہر کے ایک سنار سے اپنے لئے سونے کا ایک تاج بنوایا۔ سنار نے
اس میں کچھ ملاوٹ کر دی اور بادشاہ کو شبہ پیدا ہوا لیکن اس پرانے زمانے میں لوگوں کو کوئی ایسا
طریقہ معلوم نہ تھا جس کے ذریعے وہ سونے کی پہچان کر سکتے۔ بادشاہ نے یہ کام ارشمیدس
کے ذمے لگایا۔ یہ گویا اس کی قابلیت کا امتحان تھا۔

ارشمیدس کئی دن تک اسی فکر میں رہا کہ سونے کی صحیح پہچان کس طرح کی جائے ایک
شام وہ نہانے کے لئے شہر کے ایک غسل خانے میں گیا۔ وہ ایک ٹب میں اپنے جسم کو اوپر نیچے
حرکت دے رہا تھا تو خدا جانے اسے کیا محسوس ہوا کہ وہ زور زور سے یوریکا یوریکا
(EUREKA,EUREKA) چلانے لگا جس کے معنی ہوتے ہیں ''میں نے معلوم کر لیا، میں
نے معلوم کر لیا''۔ جوش میں اسے اتنا بھی یاد نہ رہا کہ اس نے غسل خانے سے نکلتے ہوئے
کپڑے تک نہیں پہنے۔ وہ اسی طرح شہر کی ایک فراخ سڑک پر ''یوریکا، یوریکا'' کہتا ہوا
بھاگنے لگا۔

گھر پہنچ کر ارشمیدس نے اپنی دریافت کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھا اور یہ معلوم کیا کہ
جب کسی جسم کو پانی یا کسی دوسری مائع میں ڈالا جاتا ہے تو اس کے وزن میں کچھ کمی واقع ہو
جاتی ہے۔ یہ کمی اتنے مائع کے وزن کے برابر ہوتی ہے جتنا وہ جسم اپنے لئے جگہ پیدا کرتے
وقت ہٹاتا ہے۔ یہ اصول آج بھی ارشمیدس کے نام سے زندہ ہے اور اسی کے ذریعے اس
باکمال سائنس دان نے بادشاہ کو یہ بتایا تھا کہ اس کے تاج میں کتنا سونا اور کتنا کھوٹ ہے۔

اس واقعے کے بعد ارشمیدس کی شہرت اور بھی زیادہ ہو گئی۔ یوں بھی وہ ایک اچھے
خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا باپ ایک ہیئت دان تھا۔ ارشمیدس نے جوانی تک اسکندریہ
میں تعلیم حاصل کی۔ مصر میں دریائے نیل سے آبپاشی ہوتی تھی لیکن نہایت ابتدائی طریقوں
سے۔ ارشمیدس نے اس کام میں آسانی پیدا کرنے کے لئے ایک کل ایجاد کی جس کا اصول
آج بھی زندہ ہے۔ اور جس کی بنا پر آئندہ دور میں بہت سی دوسری کلیں اور مشینیں تیار کی
گئیں۔

ارشمیدس نے اپنے وطن کو رومن حملہ آوروں کی یلغار سے بچانے کے لئے بھی بہت

Saeed Ahmad +971552066884

کچھ کیا۔ کارتھیجن، رومن اور یونانی باشندے آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ کشت و خون کا بازار آئے روز گرم رہتا تھا۔ علی ناصر زیدی کے بقول سائرا کیوس کے بادشاہ ہیرو نے احتیاط کی غرض سے ارشمیدس کو چند "سائنسی ہتھیار بنانے کی ہدایت کی۔ یہی وہ موقع تھا جب ارشمیدس نے بادشاہ ہیرو سے وہ الفاظ کہے جو آج تک مشہور ہیں۔ "مجھے ایک بیرم اور اسے رکھنے کی جگہ دے دیجئے، میں ساری دنیا کو اپنی جگہ سے اٹھا دوں گا۔"

بیرم اور چرخی وغیرہ ارشمیدس ہی کی ایجادات ہیں۔ اس نے چند رسیوں اور چرخیوں کی مدد سے ایک بڑے جہاز کو بیچ سمندر کھینچ کر ساحل پر لا کھڑا کیا تھا۔ بادشاہ اس کا یہ کمال دیکھ کر حیران رہ گیا تھا اور اس نے شہر کی حفاظت کا کام ارشمیدس ہی کو سونپا تھا۔

جب رومن جنرل مارسلیس (MARCELUSS) نے سائرا کیوس کا محاصرہ کیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سپاہیوں کے علاوہ بہت سی مشینیں بھی اس کے مقابلے کے لئے تیار کھڑی ہیں۔ یہ مشینیں شہر پناہ کے باہر بڑی بھاری بھاری کڑیاں تیزی سے پھینکتی تھیں اور وہ جس جہاز پر گرتی تھیں اسے غرق کر دیتی تھیں۔ اس کے علاوہ ارشمیدس نے اپنی رسیوں اور چرخیوں کی مدد سے دشمن کے کتنے ہی جہازوں کو سمندر کی سطح سے کھینچ کر ساحلی چٹانوں سے ٹکرا کا پاش پاش کر ڈالا۔ بعض جہازوں کو ارشمیدس نے سمندر کی سطح سے اٹھا کر ہوا میں خوب جھٹکے دیئے۔

مارسلیس نے ارشمیدس کی مشینوں کو مات کرنے کے لئے اپنے میکانی ماہروں سے مشورہ کیا۔ بہت کوشش کے بعد انہوں نے ایک اتنی بڑی مشین ترتیب دی جو آٹھ جنگی جہازوں پر رکھی گئی اور اسے سائرا کیوس کی دیواروں کی طرف حرکت دی گئی۔ لیکن زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ ارشمیدس نے اپنے ایک معمولی انجن کی مدد سے اسے ناکام بنا دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس موقعے پر ارشمیدس نے چند شیشوں اور عدسوں کی مدد سے رومن حملہ آوروں کے کئی جہاز جلا کر راکھ کر دیئے تھے۔ حد یہ ہے کہ رومن فوجیں ارشمیدس سے خائف ہو گئیں۔ جیسے ہی وہ شہر پناہ پر کوئی رسی یا ڈنڈا لٹکا ہوا دیکھتے تھے، ان کی جان نکل جاتی تھی اور وہ چلا اٹھتے تھے کہ ارشمیدس نے ان کے لئے کوئی نئی مشین ایجاد کی ہے۔ بالآخر مارسلیس ارشمیدس کی ذہانت اور قابلیت کا قائل ہو گیا اور دل سے اس کی قدر کرنے لگا۔

ارشمیدس نے مارسلیس کو تین سال تک اپنے شہر سے دور رکھا لیکن آخر میں رومن افواج نے دھوکے سے سائرا کیوس پر قبضہ کر لیا۔ یہ 212 قبل مسیح کی بات ہے۔ مارسلیس نے شہر میں داخل ہوتے ہی ارشمیدس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ ایک سپاہی اسے بلانے گیا لیکن

Saeed Ahmad +971552066884

ارشمیدس اپنے گھر کے فرش پر بیٹھا اقلیدس کی عجیب وغریب شکلیں کھینچ رہا تھا۔ اس وقت تو اسے یہ خبر بھی نہ تھی کہ شہر رومنوں کے قبضے میں چلا گیا ہے۔

رومن سپاہی نے اپنے جنرل کا پیغام ارشمیدس تک پہنچایا لیکن اس نے کچھ پروا نہ کی۔ زیادہ کہنے سننے پر اس نے صرف اتنا جواب دیا کہ وہ اپنا کام ختم کئے بغیر مارسیلس سے نہیں مل سکتا۔ سپاہی کو اس سے کیا واسطہ، اس نے تلوار کے ایک ہی وار سے ارشمیدس کا کام تمام کر دیا اور فرش پر بنی ہوئی ٹیڑھی میڑھی شکلیں اس کے خون سے رنگین ہو گئیں۔

مارسیلس کو جب یہ خبر ملی تو بہت رنجیدہ ہوا۔ اس نے سپاہی کو سرزنش کی اور ارشمیدس کے رشتہ داروں کے ساتھ محبت اور فیاضی کا برتاؤ کیا۔ ارشمیدس کا جنازہ بڑے تزک و احتشام سے اٹھایا گیا اور اس کی وصیت کے مطابق، جس کا اظہار اس نے مرنے سے بہت پہلے کیا تھا اس کا مقبرہ جیومیٹری کی ایک شکل کے مطابق تیار کیا گیا۔ یعنی سلنڈر کے اندر ایک کرہ۔ ارشمیدس نے ان دونوں اجسام کے حجموں کے درمیان ایک تعلق معلوم کیا تھا اور اپنی اس دریافت کو وہ اپنی بہت بڑی کامیابی سمجھتا تھا۔ آج یہ تمام باتیں ابتدائی اور سادہ معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر 23 سو سال پہلے کا تصور کیجئے تو ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا مشکل نہ ہو گا۔

ارشمیدس نے ریاضیات اور میکانیات کے علاوہ ہیئت میں بھی بہت کام کیا۔ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ہماری جدید تہذیب اور آج کی تمام تر مشینیں بہت کچھ اسی کی تحقیقات کا نتیجہ ہیں اتنی شہرت اور عزت کے باوجود ارشمیدس کو غرور چھو کر بھی نہیں گیا تھا۔ اس نے اپنی تحقیقات و ایجادات کا کوئی تحریری ریکارڈ رکھنا بھی پسند نہیں کیا۔ کیونکہ وہ علم و دانش کے مقابلے میں انہیں نہایت حقیر سمجھتا تھا اس نے ایک کرہ بھی تیار کیا تھا جو سورج، چاند اور پانچ سیاروں (جو اس وقت تک معلوم کئے گئے تھے) کی حرکت کو ظاہر کرتا تھا۔ اپنی اس ایجاد کو ارشمیدس تھوڑی سی اہمیت دیتا تھا اور بس۔ اس کے باوجود اس نے اپنے ہاتھ سے ریاضیات، میکانیات اور ہیئت پر کئی کتابیں تحریر کیں جنہیں جدید سائنس کی اساس کہا جاتا ہے۔

وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا تھا اور اتنا محو ہو جاتا تھا کہ بعض اوقات اسے زبردستی غسل خانے تک پہنچایا جاتا تھا۔ نہاتے وقت بھی وہ جسم پر ملے ہوئے صابن پر اقلیدس کی عجیب وغریب شکلیں بناتا رہتا۔ علم کی خدمت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ شخص اسی کی خاطر جیا اور اسی کی خاطر مرا۔ اس نے اپنے خون سے اقلیدس کی شکلوں میں رنگ بھرا اور ایسا بھرا کہ آج تک چمک رہا ہے۔

oooo

Saeed Ahmad +971552066884

راجہ اندھ جدھشٹر

عہد حکومت: 250ق م - 192ق م

راجگان مالوہ کے عظیم خاندان نے پانچ مختلف ادوار میں، صدیوں تک، کشمیر پر حکمرانی کی۔ لیکن اس راجہ کی سیاہ کاریوں نے یہ اعزاز خاک میں ملا دیا۔ اس کی موت کے ساتھ ہی اس کا خاندانی عروج بھی "قتل" ہو گیا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں ابھی تین ہزار سال سے بھی زیادہ مدت باقی تھی جب کشمیر میں حکمرانی کی باقاعدہ روایت خاندان در خاندان چلی۔ 3135ق م سے بھی پہلے اس روایت کا آغاز ہونا بتایا جاتا ہے۔ اس کے بعد کم وبیش تین ہزار سال تک کشمیر پر جن خاندانوں کے حکمران فرمانروائی کرتے رہے ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

1- خاندان راجگان جموں۔ 55سال
2- خاندان اوک نند۔ 85سال
3- خاندان پانڈواں۔ 994سال
4- خاندان راجگان مالوہ۔ 154سال
5- خاندان گودھر۔ 262سال
6- خاندان راجگان جموں، دوسری بار۔ 55سال
7- خاندان گودھر، دوسری بار۔ 287سال
8- شاہزادگان ترکی۔ 41سال
9- خاندان گودھر، تیسری بار۔ 23سال

Saeed Ahmad +971552066884

10- خاندان راجگان مالوہ، دوسری بار۔ 1026 سال

قارئین! اس تفصیل میں آپ نے دیکھا کہ مالوہ راجگان کے خاندان نے ''خاندان پانڈواں'' کی 994 سال طویل حکمرانی کے بعد اقتدار سنبھالا اور تقریباً ڈیڑھ سو برس تک حکومت کی۔ اس کے بعد دوبارہ حکمرانی اس ذی جاہ خاندان میں آئی اور ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ تک مالوہ راجے کشمیر کے فرمانروار ہے۔ یہ عہد 1218 ق م سے 192 ق م تک بتایا جاتا ہے۔

مجموعی طور پر جو خاندان سب سے زیادہ مدت تک کشمیر کا حکمران رہا وہ یہی خاندان ہے۔ اس خاندان کو کشمیر کی فرمانروائی 2042 ق م سے لے کر 966 عیسوی تک پانچ بار حاصل ہوئی۔ یوں کشمیر کی تاریخ میں ''خاندان راجگان مالوہ'' کی حکومت کے پانچ عہد بنتے ہیں۔ جن کی تفصیل کا بیان موضوع سے عدم مطابقت کی وجہ سے ضروری نہیں۔ ان ادوار میں سب سے طویل عہد وہی ہے جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ اس عہد کا آغاز راجہ گونند سے ہوتا ہے اور اختتام راجہ اندھ جدھشٹر پر۔

جس شخصیت کا ذکر یہاں مقصود ہے بلاشبہ وہ اندھ جدھشٹر ہی ہے۔

286 ق م سے 250 ق م تک تقریباً 36 سال کی حکمرانی کے بعد جب ''خاندان راجگان مالوہ'' کا ایک معروف حکمران راجہ نراندرادت اگلی دنیا کو سفر کر گیا تو اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔

نراندرادت کے بیٹے اندھ جدھشٹر کی تخت نشینی کا سال وہی ہے جو اس کے باپ کی وفات کا سال ہے، یعنی 250 ق م۔ اس حکمران کا اصلی نام تو جدھشٹر ہی تھا لیکن ساتھ ''اندھ'' کا اضافہ ہونے کی دو اہم وجوہات بتائی جاتی ہیں:

1- اس کی بینائی کم اور آنکھیں چھوٹی تھیں۔

2- اس کی سلطنت اندھیر نگری، چوپٹ راج کی مثال بن چکی تھی اور ظلم و جبر کا اندھیرا جدھشٹر اور اس کے معاون ریاستی اہلکاروں کی آنکھوں کی بینائی پر غالب آ گیا تھا۔

اس لئے اس کا نام محض جدھشٹر کی بجائے اندھ جدھشٹر ہو گیا۔ ''اندھ'' کا مطلب ''اندھا'' ہے۔

صاحب تاریخ کشمیر لکھتے ہیں کہ پہلے پہل یہ راجہ بہت منصف مزاج تھا اور رعایا کی دلجوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا تھا لیکن جلد ہی رذیلوں کی محبت نے اس کا مزاج اچانک بدل دیا اور اندھا دھند ظلم و ستم کرنے لگا۔ دن رات لوٹ مار میں مصروف رہتا اور تاخت و تاراج میں مشغول۔ دانش مندوں اور علماء سے نفرت کی وجہ سے یہ حکمران لامحالہ اوباشوں اور

Saeed Ahmad +971552066884

بدمعاشوں کو چاہنے لگا۔ جنہوں نے اسے اپنے سے بڑھ کر بدمعاش اور سفاک بنادیا۔ رعایا کی بہو بیٹیاں دن دیہاڑے پکڑ لیتا۔ نہ کسی کی عزت کا خیال نہ عظمت کا لحاظ۔ دیگر مظالم تو کسی نہ کسی طرح برداشت ہو سکتے تھے لیکن جب عزت وعصمت پر حرف آئے تو کمزور سے کمزور بھی بعض اوقات مزاحمت پر اتر آتے ہیں۔ چنانچہ راجہ اندھ جدھشٹر کی کوتاہ اندیشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج کے ساتھ ساتھ رعایا بھی اس کی حرکات سے متنفر ہوگئی۔ گردونواح کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے باج گزار والی خودسر اور خودمختار ہو بیٹھے۔ رعایا اور ارا کین حکومت نے متفق ہو کر راجہ اندھ جدھشٹر کو معزول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

جب راجہ اندھ جدھشٹر کو امرائے سلطنت اور عوام کے اس فیصلہ کا علم ہوا تو بہت گھبرایا اور بے چین ہوا۔ لیکن اب کیا ہوسکتا تھا۔ ارا کین سلطنت اور فوج سمیت تمام رعایا کو اپنے خلاف پا کر خود ہی تاج وتخت چھوڑ کر فرار ہوا اور ہندوستان کا رخ کیا۔

محمد الدین فوق لکھتے ہیں کہ راستہ میں کسی سابق باج گزار ریاست کے والی نے پہچان کر گرفتار کر لیا اور قتل کر ڈالا۔ 192 ق م میں اندھ جدھشٹر کے قتل کے ساتھ ہی اس کی 58 سالہ ستم رانی کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔

علاوہ ازیں اندھ جدھشٹر کے قتل کے بعد کشمیر کی حکومت راجگان اوجین کے ہاتھ لگی کیونکہ اندھ جدھشٹر ”خاندان راجگان مالوہ“ کے دوسرے عہد کی ایک ہزار سالہ حکومت کا آخری فرمانروا تھا۔

یوں اس حکمران کا عبرتناک انجام اور خوفناک عہد مالوہ حکمرانوں کی ایک ہزار سال سے بھی زیادہ قدیم اور عظیم حکومت کا ایک پل میں خاتمہ کر گیا۔

جدھشٹر کے قتل کے بعد تین دفعہ پھر حکومت وسلطنت کی دیوی ”خاندان مالوہ“ پر مہربان ہوئی اور اس خاندان کے راجوں نے مجموعی طور پر 619 سال (تیسری دفعہ 94 سال۔ چوتھی دفعہ 515 سال اور پانچویں دفعہ صرف 10 سال تین ماہ) تک مزید حکومت کی۔ لیکن جو عروج دوسرے ہزار سالہ عہد میں نصیب ہوا تھا وہ جدھشٹر کے عبرتناک قتل کے ساتھ ہی ایسا زوال میں بدلا کہ دوبارہ کبھی حاصل نہ ہوا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

آرگس

تخت نشینی: 240 ق م

آٹھویں یا نویں صدی ق م میں یونان کی ایک نیم تاریخی اور نیم افسانوی شخصیت لائی کرگس کی پیدائش ہوئی۔ اس کے اشتراکی خیالات و اصلاحات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش میں آرگس نے اپنی جان تک ہار دی

آرگس کا ذکر چھیڑنے سے قبل چند سطور میں لائی کرگس کا تذکرہ ضروری ہے کیونکہ بطور شاہ اسپارٹا آرگس کی تمام تر کاوشوں کا مرکزی نقطہ لائی کرگس ہی کے خیالات و تصورات تھے۔ مشہور عالم یونانی سوانح نگار پلوٹارک لکھتا ہے کہ "لائی کرگس کی نہایت جرأت مندانہ اصلاح زمین کی از سرنو تقسیم تھی۔ کیونکہ اس کے زمانے میں حد درجے کی عدم مساوات پیدا ہو گئی تھی۔ شہر میں ان لوگوں کی کثرت تھی جن کے پاس زمین کا ایک قطعہ بھی نہ تھا۔ البتہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ آئی تھی۔ لائی کرگس نے ہوس زر، شان و شوکت، حسد اور بے راہ روی کو اور ان سے بھی زیادہ مہلک بیماری یعنی افلاس اور دولت کی دیگر برائیوں کو نیست و نابود کرنے پر کمر باندھ لی۔ اس نے شہریوں کو زمین کی پرانی تقسیموں کو منسوخ کرنے اور ایک ایسی نئی تقسیم پر آمادہ کر لیا جس کے مطابق سب کی املاک اور طرز زندگی بالکل مساوی ہو"۔ پلوٹارک کا مذکورہ بالا بیان سبط حسن نے نقل کیا ہے۔ بابائے تاریخ ہیروڈوٹس بھی اسپارٹا کی عمدہ حکومت اور نظام حکومت کا سہرا لائی کرگس کے سر باندھتے ہیں۔ اور مورخین کا خیال ہے کہ لائی کرگس حضرت مسیحؑ سے آٹھ یا نو سو سال قبل پیدا ہوا۔ وہ اپنے بھتیجے اور اسپارٹا کے بادشاہ لیوتس کا اتالیق مقرر ہوا تو اس کی تحریک و کاوش سے اسپارٹا کے قوانین میں بہت سی

Saeed Ahmad +971552066884

بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں لائی گئیں۔ ساتھ ہی اس نے اس بات کا پورا بندوبست کیا کہ کوئی ان قوانین کو منسوخ نہ کرنے پائے۔ لائی کرگس نے سونا، چاندی اور زیورات بھی زمین کی طرح لوگوں میں مساوی تقسیم کرنے کی کوشش کی لیکن اس معاملے میں اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کامیابی کے لئے اس نے نیا حربہ استعمال کیا جو موثر ثابت ہوا۔ اس نے ان قیمتی دھاتوں کی جگہ بطور زر لوہا رائج کرادیا اور اس کی قدر بھی بہت کم رکھی۔ اس اقدام سے عزت و دولت کی علامت بنی ہوئی دھاتیں یعنی چاندی اور سونا وغیرہ عام لوگوں میں بے توقیری کی حد تک غیر اہم ہوگئیں۔ لائی کرگس نے اسپارٹا کا جو آئین مرتب کیا اس کے تحت شہریوں کے لیے لنگر خانے میں ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا لازمی تھا۔ ریاست میں ایک کی بجائے دو بادشاہ ہوتے جن کے اختیارات قریب قریب برابر تھے۔ ایک مجلس بزرگاں قائم تھی جس میں دونوں بادشاہوں سمیت تیس ممبر ہوتے تھے۔ ان ممبروں کا انتخاب عام شہری کرتے تھے۔ انتخاب کے لئے امیدوار کا ساٹھ سالہ اور عمائدین شہر میں شمار ہونا لازمی تھا۔ علاوہ ازیں ایک شہری اسمبلی تھی۔ تیس سال سے زیادہ عمر کا ہر شہری اس اسمبلی کا رکن ہوتا تھا۔ سوسائٹی میں عورت کا شوہر کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے جنسی رشتہ قائم کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی جسمانی صحت کا بھی پورا خیال رکھا جاتا تھا۔ لڑکیاں لڑکوں کے ساتھ مل کر جمناسٹک کی تربیت حاصل کرتی تھیں یہ ورزش قریب قریب وہ برہنہ حالت میں کرتے تھے۔ بیمار اور کمزور بچوں کو بلندی سے گرا کر ہلاک کر دیا جاتا تھا اور خوبصورت، صحت مند اور تندرست نومولود ریاست کی ملکیت تصور ہوتے تھے تاکہ آنے والے کل میں ایک بہترین سپاہی کے طور پر ریاست کی خدمت کر سکیں۔ لائی کرگس شک اور جنسی اجارہ داری کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ سبط حسن پلوٹارک کا ایک بیان نقل کرتے ہیں جس کے مطابق اس کا کہنا تھا کہ "لوگ اپنے کتوں اور گھوڑوں کا تو بہت خیال کرتے ہیں اور ان سے عمدہ نسل حاصل کرنے کے لئے پیسے خرچ کرتے ہیں لیکن اپنی بیویوں کو گھروں میں بند رکھتے ہیں تاکہ ان کی اولاد انہی کے نطفے سے ہو خواہ یہ کتنی ہی احمق، کمزور اور بیمار کیوں نہ ہو۔"

لائی کرگس کے قوانین کی دھاک جمی رہی اور اسپارٹا کے اس اقتدار کا پرچم تقریباً پونے دو سو برس (560۔ 380 ق م) تک لہراتا رہا۔ اس دوران اس کا سب سے بڑا حریف ایتھنز بار بار اس سے شکست کھاتا رہا۔ لیکن اسپارٹا کے حق میں برا یہ ہوا کہ مال غنیمت کی آمد اور خوشحالی کے باعث طبقاتی امتیاز پھر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جو زمینیں لائی کرگس کے آئین کے مطابق تمام شہریوں میں مساوی تقسیم ہوئی تھیں دوبارہ اسپارٹا کے سو مقتدر گھرانوں میں سمٹ

Saeed Ahmad +971552066884

آئیں۔ یوں اسپارٹا کا طریق اقتدار اور معاشرہ بھی دیگر یونانی ریاستوں جیسا ہو گیا۔
البتہ تیسری صدی قبل مسیح کے وسط میں اسپارٹا کے شاہی گھرانے کے ایک نوجوان آرگس پر لائی کرگس کی اصلاحات دوبارہ نافذ کرنے کی دھن سوار ہوئی۔ 240 ق م میں وہ ریاست کے تخت پر بیٹھا تو اس نے سوچا کہ اگرچہ میرے لئے دوسرے بادشاہوں سے جاہ و حشم میں سبقت لے جانا محال ہے لیکن مجھے عالی دماغی کے ذریعے کوئی ایسا کارنامہ انجام دینا چاہیے جو دوسرے بادشاہوں کی شہرت کو ماند کر دے۔ تبھی میں صحیح معنوں میں ایک عظیم حاکم کہلانے کا حقدار ہوں گا۔ لہٰذا اس نے تمام زمین سب شہریوں میں برابر تقسیم کرنے کا منصوبہ بنایا۔

آرگس نے اسمبلی کے روبرو تجویز پیش کی کہ قرض داروں کے تمام قرضے معاف کر دیئے جائیں اور زمین کو 19 ہزار پانچ سو مساوی ٹکڑوں میں بانٹ دیا جائے۔ 4 ہزار پانچ سو ٹکڑے اسپارٹا کے شہریوں کو ملیں اور پندرہ ہزار اسپارٹا کے قدیم باشندوں اور ان غیر ملکیوں کو جن میں اسپارٹا کا شہری بننے کی صلاحیت ہو۔ نیز پرانی وضع کے لائی کرگسی لنگر خانوں میں سب لوگ ایک ساتھ کھانا کھایا کریں۔ اسپارٹا کی معاشرتی زندگی کو لائی کرگس کے پرانے اصولوں کی روشنی میں از سر نو ترتیب دیا جائے۔ اس موقع پر آرگس نے اپنی جائیداد اور اپنی ماں اور دادی کی تمام املاک بھی اسمبلی کے حوالے کر دیں۔

آرگس کے ان اقدامات اور تجاویز کو ریاست کے نوجوان طبقے کی وسیع حمایت حاصل ہوئی لیکن عمائدین اور زمینداروں نے ان کی مخالفت میں محاذ بنا لیا۔ اس مخالف گروہ کا سرغنہ اسپارٹا کا دوسرا بادشاہ لیونداس (Leonidas) تھا۔ مجلس شوریٰ اور شہری اسمبلی کے بڑے بڑے عہدیداران نے لیونداس کی حمایت کر دی۔ یوں دولت مند اور صاحب املاک طبقہ کھل کر آرگس کے خلاف میدان میں اتر آیا۔ اسے گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا گیا حالانکہ اس نے نپٹون دیوتا کے مندر میں پناہ لی تھی اور اسپارٹا کا صدیوں پرانا قانون یہ تھا کہ اگر کوئی شخص نپٹون کے مندر میں پناہ لے لے تو اسے گرفتار نہیں کیا جا سکتا لیکن ارباب اختیار کے مفاد کو خطرہ ہو تو وہ خود اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کی پامالی پر اتر آتے ہیں۔ لہٰذا یہی ہوا اور امرائے سپارٹا نے آرگس کو نپٹون کے معبد سے حراست میں لے لیا۔ کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے کی بجائے قید خانے کے اندر ہی ایک مخصوص عدالت قائم کی گئی۔ اس نام نہاد سرکاری درباری عدالت نے پہلے تو آرگس کو سمجھایا کہ تم اپنے اقدامات اور تجاویز واپس لے لو۔ اگر تم اپنے ارادوں سے باز آ جاؤ اور معافی مانگ لو تو تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ لیکن آرگس نے

Saeed Ahmad +971552066884

کہا: میں لائی کرگس کے قانون پر قائم ہوں اور مرتے دم تک قائم رہوں گا۔ آرگس کسی بھی طرح اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے اور سمجھوتہ کرنے پر تیار نہ ہوا تو اسے سزائے موت کا حقدار قرار دیا گیا۔ آرگس کو پھانسی دینے کے بعد اس کی ماں اور دادی کو بھی قتل کر دیا گیا۔

آرگس کی موت کے پانچ برس بعد جب لیونداس کا بیٹا کلیومینس (235-222 ق م) اپنے باپ کی جگہ تخت پر بیٹھا تو اس نے آرگس کی مجوزہ اصلاحات کو طاقت کے بل بوتے پر نافذ کرنے کا فیصلہ کیا۔ فوج کو اپنا ہم خیال بنا کر اس نے سپاہیوں کی مدد سے زمین شہریوں میں برابر بانٹ دی اور قرض داروں کے قرضے بھی معاف کر دیئے۔ دولت مند گروہ اپنی بالادستی خطرے میں دیکھ کر تیزی سے حرکت میں آیا۔ اسپارٹا کے ان رئیسوں نے مقدونیہ کے حکمران سے ساز باز کر کے اسے اپنی ہی ریاست پر حملہ کرنے کے لئے تیار کر لیا۔ دولت مند طبقہ کی اس بے غیرتی اور غداری سے کلیومینس کو شکست ہوئی اور مقدونیہ کے حکمران نے اس کے اقدامات کو منسوخ کر کے اسپارٹا کا نظم و نسق عمائدین شہر کے حوالے کر دیا۔ یوں اسپارٹا میں ہونے والا یہ اشتراکی تجربہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

اس کے باوجود اس تجربے کی تاریخی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ کیونکہ بقول سبط حسن یونان کا دولت مند طبقہ شروع ہی سے اسپارٹا کے طریق زندگی سے بہت مرعوب تھا اور اس کی دلی خواہش تھی کہ یونان کی جمہوری روایتوں کو کسی نہ کسی طرح ختم کر دیا جائے تاکہ ان کی جگہ عمائدین اسپارٹا کا قائم کردہ نظام رائج ہو جائے جو سرمائے اور سرمایہ دار کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ افلاطون، زینوفون، پلوٹارک اور دوسرے یونانی مفکر جن کا تعلق بالائی طبقوں سے تھا اسپارٹا کی ثنا خوانی کرتے نہیں تھکتے۔ افلاطون کی نظر میں تو اسپارٹا ایک مثالی ریاست تھی۔ اس نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''ری پبلک'' میں اسپارٹا ہی کو سامنے رکھ کر ایک مثالی ریاست کا نقشہ بنایا ہے۔ اسپارٹا میں ہونے والی تبدیلیوں کے یونان بھر پر اثرات مرتب ہوئے اور ان تبدیلیوں کے محور صرف دو شخص تھے ایک لائی کرگس اور دوسرا آرگس، جس نے اپنے پیشرو عالم کے افکار کی معاشرہ پر عملی تطبیق کی خاطر موت کو گلے لگا لیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

پومپی دی گریٹ

عہد حیات: 106 ق م - 48 ق م

وہ روم کے تین عظیم ترین جرنیلوں اور سیاستدانوں میں سے ایک ہے۔ قدرت کی ستم ظریفی سے وہ جولیس سیزر کا داماد بنتے بنتے اس کے مقابلے پر اترا اور افسوس ناک انجام سے دوچار ہوا

پومپی دی گریٹ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے لگ بھگ ایک صدی پہلے 106 ق م میں پیدا ہوا۔ لڑکپن سے جوانی کی حدود میں داخل ہونے پر اسے محسوس ہوا کہ وہ فطری طور پر ایک جنگجو ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے اندر موجود ایک آمادہ بہ جنگ سپاہی کو کبھی نہ بھلا سکا۔ سوانحی معلومات اور تاریخی تذکروں میں لکھا ہے کہ پومپی میں فن سپاہ گری کو سیکھنے کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ ایک دن اسی ذہنی حربی میلان نے اسے روم کے عظیم ترین سپہ سالاروں اور سیاستدانوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔

74 سے 64 ق م تک کا زمانہ روم کے تین عظیم ترین جرنیلوں کی ترقی اور عروج کا زمانہ تھا۔ اس دور میں کریس، جولیس سیزر اور پومپی نے سپاہ سازی اور سپاہ گری کے ذریعے ناقابل فراموش کارنامے سرانجام دیئے اور ہمیشہ کے لئے زمانہ میں اپنا نام چھوڑ گئے۔

پومپی کے جنگی کارناموں کی فہرست خاصی طویل ہے۔ اس نے 64 ق م کے قریبی برسوں میں پونٹس کے بادشاہ متھری ڈے ٹیز کو شکست دی یہ وہی متھری ڈے ٹیز تھا جو اس سے پہلے بھی دو مرتبہ رومی فوجوں کا سخت حریف ثابت ہوا تھا۔ 88 ق م سے 84 ق م تک جاری رہنے والی پہلی جنگ میں اس نے عام روایات کے مطابق ایک ہی دن میں اسی ہزار رومی سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارا، 83 ق م میں رومی دوسری بار اس کے مقابلے پر آمادہ

Saeed Ahmad +971552066884

ہوئے، جنگ شروع ہوئی اور آہستہ آہستہ طول کھینچنے لگی۔ لڑائی کی طوالت سے گھبرا کر فریقین نے پہلے معرکے کی طرح یہاں بھی صلح کے معاہدے سے کام چلایا اور کچھ شرائط پر متفق ہو کر اپنے اپنے علاقوں کو لوٹ گئے۔ 74 ق م سے 64 ق م تک جاری رہنے والی تیسری لڑائی میں پومپی نے شاندار عسکری مہارت اور جنگی چالوں کا بروقت اور بجا استعمال کرتے ہوئے متھری ڈے ٹیز کا غرور خاک میں ملا دیا۔

ولیم۔ ایل لینگر ''انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم'' میں لکھتے ہیں کہ پونٹس کے بادشاہ متھری ڈے ٹیز کو مغلوب کرنے کے بعد پومپی نے ایشیاء کے مختلف علاقے فتح کر کے ان کا از سر نو انتظام کیا۔ ان دنوں یہودیہ میں بار بار بغاوتیں اور شورشیں برپا ہوتی رہتی تھیں۔ 64 ق م میں پومپی نے یروشلم پر قبضہ کر کے شہر کا انتظام ایک مقامی مذہبی رہنماء کے سپرد کر دیا۔ اس رہنماء کی معاونت کے لئے اس نے اپنے ایک نمائندے اینٹی پیٹر کا بھی تقرر کیا جو ادوم کا رہنے والا تھا۔ ان نئے انتظامات کی رو سے یہودیہ کو شام کے رومی گورنر کے ماتحت کر دیا گیا۔

ان امور سے فراغت پا کر جب وہ رومہ پہنچا تو سینٹ نے اس کے انتظامات اور فیصلوں کی تصدیق سے انکار کر دیا۔ اس واقعے نے پومپی کو نہایت دلبرداشتہ کیا اور اس نے اپنی فوج کی قیادت سے دستبردار ہو کر ایک عام شہری کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا لیکن اس فیصلے پر وہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ کیونکہ اسی زمانے میں جولیس سیزر اور کریس کے ساتھ اس کا ایک سمجھوتہ طے پا گیا۔ یہ سمجھوتہ تاریخ میں ''ارباب ثلاثہ کی پہلی مجلس'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسے پہلی مجلس اس لئے قرار دیا گیا کہ چند سال بعد تین دیگر جرنیلوں نے ایسی ہی ایک مجلس اور بنائی تھی۔

60 ق م میں منعقد ہونے والی پہلی مجلس کے دوران جو سمجھوتہ ہوا اس کے تقاضے پورے کرتے ہوئے پومپی کے پرانے فوجیوں کو کمپانیا کی نو آبادی میں زمینیں دینے کے علاوہ ان انتظامات کی بھی تصدیق کی گئی جو اس نے مشرقی علاقوں میں کئے تھے۔ 56 ق م میں سیزر، پومپی اور کریس ایک بار پھر اکٹھے ہوئے تاکہ آئندہ کے لئے لائحہ عمل طے کر سکیں۔ اس بار یہ طے پایا کہ سیزر مزید پانچ سال کے لئے گال کا مختار بنا رہے، کریس شام اور پومپی ہسپانیہ کو سنبھال لے۔ اس سمجھوتے میں ایک تجویز یہ بھی طے ہوئی تھی کہ پومپی کی شادی جولیس سیزر کی بیٹی جولیا سے ہو جائے، لیکن جولیا کی وفات سے یہ تجویز محض تجویز ہی رہی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد سیزر اور پومپی کے وہ اختلافات آخر کار کھل کر سامنے آئے جنہیں مذکورہ بالا دو سمجھوتوں نے عارضی طور پر دبا دیا تھا۔ یوں پومپی اور سیزر کے درمیان ایک سنگین سیاسی کشمکش

Saeed Ahmad +971552066884

شروع ہو گئی۔

پومپی نے رومہ میں اپنے لئے وہ حیثیت حاصل کر لی تھی جسے ڈکٹیٹری کہنا زیادہ مناسب ہے لیکن ساتھ ہی اسے یہ احساس بھی تھا کہ سیزر کے ساتھ تعلقات توڑنے میں جلد بازی کا مظاہرہ اسے مہنگا پڑے گا۔ لہٰذا وہ سست روی سے ایسے اقدامات اور انتظامات کرتا رہا جن سے سیزر کے اقتدار کو نقصان پہنچے۔ مثلاً 49 ق م میں اس نے سینٹ سے ایک قرارداد منظور کرائی جس میں سیزر کو عوام دشمن قرار دیا گیا تھا۔ جب یہ خبر سیزر تک پہنچی تو وہ نہایت مشتعل ہوا اور فوج لے کر روم کی طرف بڑھا۔ پومپی نے جواب میں لڑائی سے منہ پھیرا اور یونان کی طرف نکل گیا۔ سیزر نے اس کا تعاقب جاری رکھا، ہسپانیہ میں اس کے کمانداروں کو پے در پے شکستیں دیں اور چاروں طرف اپنا دبدبہ قائم کر دیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر پومپی کی رہی سہی امید بھی ختم ہو گئی اور وہ مصر کو فرار ہوا۔ 48 ق م میں مصر کے فرمانروا بطلیموس XII کے ایک وزیر نے پومپی کو قتل کر دیا۔ کیوں؟ یہ معلوم نہیں ہو سکا۔

بہر حال پومپی کے قتل کے بعد سیزر کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ اب کوئی اس کا حریف نہ تھا کیونکہ کریس 53 ق م کی لڑائی میں اشکانیوں کے ساتھ لڑتا ہوا مارا جا چکا تھا۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ پومپی کے قتل نے جولیس سیزر پر وہ دروازہ کھولا جس سے گزر کر وہ مطلق العنانی کے محل میں داخل ہوا اور تاریخ کی ایک ناقابل فراموش شخصیت بن گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

سسرو

عہد حیات: 106ق م - 43ق م

رومن فلسفی، خطیب اور سیاسی مدبر۔ اس کا بہت سا وقت جولیس سیزر کے ساتھ گزرا لیکن جمہوریت پسند ہونے کے باعث یہ کبھی اس کے دل میں نہ اتر سکا

مشہور زمانہ رومن مفکر سسرو 106ق م میں پیدا ہوا۔ 63ق م میں اسے قونصل کے سیاسی عہدے پر فائز کیا گیا۔ اس حیثیت میں کیٹالین کے خلاف مقدمہ چلانا اس کی سیاسی زندگی کا اہم واقعہ قرار دیا جاتا ہے۔ بارکس ٹیلیئس سسرو چونکہ ایک معروف سیاسی مدبر بھی تھا لہٰذا اس کی عملی سرگرمیوں نے بہت سے جاہ پسند عناصر کو اس کا دشمن بنا دیا۔ کلاڈیس نے اسے جلاوطنی کی سزا دی لیکن پومپی نے واپس بلا لیا۔ یہ کشمکش 57-58ق م میں چلی۔

سسرو اگرچہ سیاستدانوں کی طرح موسمی مزاج نہ رکھتا تھا لیکن اس کے باوجود اس کا بہت سا وقت شہرۂ آفاق رومی جرنیل جولیس سیزر کے ساتھ گزرا۔ یہ عجیب و غریب ساتھ کیسے نبھتا رہا؟ معلوم نہیں! کیونکہ سسرو جمہوریت پسند تھا اور مطلق العنان سیزر سے اس کے بہت سے اختلافات بھی تاریخ دانوں نے بیان کئے ہیں۔ علاوہ ازیں انتونی بھی اس رومن فلسفی کا پسندیدہ فرد نہ تھا۔

64ق م کے بعد پومپی اور جولیس سیزر نے ایک تیسرے جرنیل کی مدد سے باہم ملاقات کر کے اپنے اختیارات اور زیر اقتدار علاقے بانٹے تھے۔ اس ملاقات کو ''ارباب ثلاثہ کی پہلی مجلس'' کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس طرح کی ایک مجلس کچھ عرصہ بعد تین اور جرنیلوں نے بھی منعقد کی تھی۔

مذکورہ بالا دوسری مجلس کے نتیجے میں قائم ہونے والی ''حکومت سہ گانہ'' نے بعض

Saeed Ahmad +971552066884

وجوہات کی بناء پر سسرو کو موت کی سزا دی۔ ایلن بلیک ووڈ کا کہنا ہے کہ "اسے سیاسی بنیاد پر قتل کر دیا گیا۔"

جولیس سیزر کو جمہوریت پسندوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا لیکن تاریخ شاہد ہے کہ بعد ازاں جمہوریت کے فروغ کی بجائے وہی پرانا نظام اپنی شکل و صورت کی جزوی تبدیلی کے ساتھ رائج رہا۔ سسرو چونکہ جمہوریت پسند تھا لہٰذا ممکن ہے اس نے سیزر کے بعد اس کے جانشینوں پر بھی تنقید کی ہو اور اسی پاداش میں اسے منظر عام سے ہٹانے کا منصوبہ بنا ہو۔

عالمی ادب کے علماء اور تاریخ دان سسرو کو مسیحی دور سے پہلے کا آخری عظیم رومن خطیب اور دانشور قرار دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے علم و ادب کے یونانی نظریات پر بھی بہت کچھ لکھا جو امتداد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ انگریزی زبان کے بہت سے الفاظ سسرو کے ذخیرۂ الفاظ سے مستعار ہیں۔ وہ ایک عمدہ مقرر اور فلسفی تھا جس نے نہ صرف اپنے عہد بلکہ بعد کی صدیوں پر بھی قابل ذکر اثرات مرتب کیے۔

"On Ends" اور "On the Nature of God" اس کی فلسفیانہ تصانیف میں سب سے بلند مقام پر فائز ہیں۔ سسرو کے خطوط میں رومن زندگی کی بھرپور تصویر کشی کی گئی ہے اور اس کے خطبے لاطینی نثر نگاری کے شاہکار نمونے ہیں جن کے مطالعہ سے اپنے فن پر اس کی کامل دسترس کا ثبوت ملتا ہے۔ افسوس کہ سیاسی سازشوں نے اس غیر معمولی فلسفی، خطیب، مفکر اور مدبر کی زندگی کا چراغ وقت سے پہلے ہی بجھا دیا۔ قتل کے وقت سسرو کی عمر 63 سال تھی۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

جولیس سیزر

عہد حیات: 102ق م۔ 44ق م

"میں آیا، میں نے دیکھا اور میں نے فتح کر لیا"۔ یہ جولیس سیزر کا قول ہے۔ یہ وہ بہادر اور فاتح جرنیل تھا جس نے رومہ پر اپنی اور صرف اپنی حکومت قائم کی (جینی ویو فوسٹر)

جولیس سیزر 102ق م میں پیدا ہوا۔ اگرچہ مائیکل ہارٹ نے سیزر کا سال پیدائش 100ق م لکھا ہے لیکن جان کیٹنگ سمیت کئی دیگر سوانح نگار 102ق م کو ہی ترجیح دیتے ہیں لہٰذا میں نے بھی اکثریت کی رائے کو مقدم جانتے ہوئے یہی سنہ قابل اعتبار سمجھا ہے۔ جولیس سیزر کے بارے کہا جاتا ہے کہ وہ رومی دنیا کا ایسا نابغہ روزگار تھا جو اگرچہ بادشاہ تو نہ بن سکا لیکن قوت و اقتدار کی لافانی علامت ضرور بن گیا۔ جرنیل ہونا اس کی شخصیت کا محض ایک شناختی حوالہ ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک تاریخ نویس، سیاستدان، مقرر اور ادیب بھی تھا۔

جان کیٹنگ کے مطابق اس کا پورا نام گائس جولیس سیزر تھا اور وہ ایک امیر گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ مشہور تھا کہ اس کے خاندان کا نسلی سلسلہ دیوتاؤں سے جا ملتا ہے۔ کہنے والے کہتے تھے کہ محبت کی دیوی وینس نے پرنس ٹروجن سے شادی کی اور ان دونوں کی اولاد سے جولین خاندان وجود میں آیا۔ سیزر کن ملکی حالات اور واقعات کے سبب ایک طاقتور جرنیل اور مطلق العنان حکمران کے طور پر ابھر کر سامنے آیا؟ اس سوال کے جواب کے لئے رومی تاریخ کے چند گوشوں میں جھانکنا یقیناً قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ ڈاکٹر آغا افتخار حسین "قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا مطالعہ" کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"مملکت روما کا دارالحکومت شہر روما تھا۔ روایت یہ ہے کہ روما کی بنیاد 753ق م میں

Saeed Ahmad +971552066884

رکھی گئی۔ اس کے بعد اہل روما نے اپنے ہمسایہ علاقوں کے لوگوں سے اتحاد کر کے ایک قوم کی تشکیل کی۔ ملوکیت قائم ہوئی۔ بادشاہوں کا دور حکومت مسلسل 529ق م تک رہا اور سات بادشاہوں نے حکومت کی۔ ساتویں بادشاہ تارکوین (Tarquin) کو جس کا اصل نام لاطینی میں Tarquinius تھا، 539ق م میں جلاوطن کر دیا گیا اور کچھ عرصے تک مملکت روما جمہوریت بنی رہی۔ لیکن اس ''جمہوریت'' (Republic) میں اقتدار چند حکمرانوں (Consuls) کے ہاتھوں میں تھا۔ اس دور میں اہل روما نے کئی فتوحات کیں اور دو سو سال کے عرصے میں سارے اٹلی پر اہل روما کا قبضہ ہو گیا۔ اس عرصے میں یونان کی تہذیب زوال پذیر ہو چکی تھی اور اس خلا کو اہل روما نے پر کیا۔ مزید فتوحات ہوئیں۔ سسلی (Sicily)، کورسیکا (Corsica) اور سارڈینیا (Sardinia) پر اہل روما کا تسلط قائم ہوا۔ اس کے بعد اہل روما نے یونان پر حملہ کر دیا اور مقدونیہ کی سلطنت کو تباہ کیا۔ بعد ازاں مشرق میں ایشیائے کوچک اور مغرب میں سپین اور گال (جس کے بیشتر حصے کو اب فرانس کہتے ہیں) اہل روما کے زیر اثر آ گئے۔ گال کی فتح کا سہرا زیادہ تر جولیس سیزر (Julius Caeser) کے سر تھا۔''

مندرجہ بالا مختصر اقتباس کی روشنی میں جینی ڈیو فوسٹر کا یہ تجزیہ نہایت واضح اور قابل فہم معلوم ہوتا ہے کہ:

''رومہ کی سلطنت جنگ کے ذریعے وجود میں آئی تھی اور جنگ ہی نے اس کے عوامی راج کو کھوکھلا کر کے آخر کار ختم کر دیا۔ جب بڑے بڑے رومی جرنیل فتح کے جھنڈے اڑاتے رومہ میں واپس آتے تو فتح کیے ہوئے ملکوں سے لوٹے ہوئے گراں بہا خزانے اور ہزاروں غلام ساتھ لاتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مخصوص طبقہ کی تجوریوں میں دولت خطرناک حد تک بڑھ گئی۔ غریب زیادہ غریب ہو گئے اور مزید یہ کہ اب وہی کام جنہیں انجام دے کر غریب طبقات اپنی روٹی کماتے تھے اشرافیہ کے غلاموں نے سنبھال لئے۔ صرف مصر سے ہی عسکری مہمات کے نتیجے میں اس قدر اناج آیا کہ مقامی زرعی پیداوار بے وقعت ہو گئی اور رومہ کے کاشتکاروں کے لئے سرکاری لگان ادا کرنا بھی مشکل ہو گیا۔ نتیجہ کے طور پر ان کے کھیت چھن گئے اور وہ کام کی تلاش میں بازاروں میں گھومنے لگے۔ لیکن ابھی تک ان بھوکے ننگے لوگوں کو رائے دینے کا حق بہرحال حاصل تھا اور یہ حق بھی غنیمت تھا۔ اعلیٰ سرکاری عہدوں کے امیدوار انہیں مفت روٹیاں کھلاتے، تماشے دکھاتے اور شراب پلاتے تاکہ ووٹ حاصل کر سکیں۔ اس صورتحال نے فتح مند جرنیلوں کی سوچ کا رخ تبدیل کر دیا اور وہ اپنے سپاہیوں کی حمایت سے کوشش کرنے لگے کہ حکومت پر زبردستی قبضہ کر لیں۔ اس کشمکش نے

Saeed Ahmad +971552066884

جب ذرا زور پکڑا تو خانہ جنگی اور ابتری کا زمانہ شروع ہو گیا۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ رومہ کے عوامی راج نے اپنے آپ کو خود تباہ کیا اور جولیس سیزر نے شکست و ریخت کا شکار ہو چکے اس نظام پر آخری کاری ضرب لگائی۔ اسے خبر تھی کہ وہ عام لوگوں اور اپنے سپاہیوں کا محبوب ہے لہٰذا اس نے اسی بھروسے پر پیش قدمی کر کے انتہائی مقتدر سینٹ کو پاؤں کی ٹھوکر سے ہٹا کر خود کو زندگی بھر کے لئے ڈکٹیٹر بنا لیا۔"

سیزر کی داستان حیات سننے کے لئے جان کیننگ سے رجوع کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ نوجوانی میں ہی وہ مخصوص حالات و واقعات اور ذاتی صلاحیتوں کے بل بوتے پر ایک جمہوری پارٹی "پاپولرز" کا رکن بن گیا۔ اس پارٹی کے لیڈر میرئیس کی بیوی جولیس سیزر کی عزیزہ تھی۔ سترہ سال کی عمر میں اس نے جس لڑکی سے شادی کی اس کا باپ سولا کی سرکردگی میں کام کرنے والی ارسٹوکریٹس کی سیاسی پارٹی کے مخالف گروہ کا سردار تھا۔ ظاہر ہے کہ سولا اور میرئیس کے درمیان سیاسی دشمنی پہلے سے موجود تھی۔ چند سال بعد اتفاق سے سولا کو ریاست میں فیصلہ کن قوت حاصل ہو گئی اور اس نے سیزر سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی بیوی کو قتل کر دے یا خود قتل ہونے کے لئے تیار ہو جائے۔ سیزر نے یہ مطالبہ ٹھکرا دیا۔ اب اس کی جان خطرے میں تھی۔ اس موقع پر روم میں موجود اس کا حامی طبقہ آڑ بنا اور سیزر کچھ عرصے کے لئے روپوش ہو گیا۔

روپوشی کی مدت گزار کر وہ ایشیائے کوچک میں رونما ہوا، اور ان رومی افواج کے ساتھ عسکری خدمات انجام دینے لگا جو پونٹس کے بادشاہ میتھری ڈے ٹیز کے خلاف نبرد آزما تھیں۔ 80 ق م میں میٹیلین کے محاصرے کے دوران اس نے ایک مصیبت زدہ سپاہی کی جان بچا کر خود کو بطور سپاہی نہایت قابل اور جانباز ثابت کیا۔ اس معرکے کے دو سال بعد سولا مر گیا تو سیزر روم واپس آیا۔ اب اس نے خود کو عارضی طور پر سیاست سے الگ کیا اور قانون دانی کے پیشے کی طرف متوجہ ہوا۔ بعد ازاں زبان و بیان میں تاثیر پیدا کرنے کے لئے وہ اس فن کے ایک ماہر کے پاس روڈز چلا گیا۔ غالباً انہی دنوں میں بحری قزاقوں کے ساتھ اس کا مشہور مقابلہ ہوا۔ یہ واقعہ یوں پیش آیا کہ سیزر ایک بحری جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ دوران سفر بحری قزاق حملہ آور ہوئے اور انہوں نے تاوان وصول کرنے کی نیت سے سیزر کو اغواء کر لیا۔ مشہور ہے کہ جب اس کے اقارب اور دوست اسے چھڑانے کے لئے پیسہ جمع کر رہے تھے تو وہ قزاقوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہ رہا تھا۔ وہ انہیں دلچسپ کہانیاں سناتا، کھیل تماشوں اور ورزشوں میں ان کا ساتھ دیتا۔ لیکن ان تمام سرگرمیوں کے باوجود سیزر نے ان پر واضح کر دیا

Saeed Ahmad +971552066884

تھا کہ میں اپنی قید کا بدلہ تم سے ضرور لوں گا۔ مغرور قزاق اس کی یہ بڑ سن کر قہقہے لگاتے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو طنزیہ اشارے کرتے ہوئے گویا اس بات کا اظہار کرتے کہ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔ وہ حقارت سے سیزر کی دھمکی کو نظرانداز کرتے رہے لیکن سیزر قول کا پکا نکلا۔ جب تاوان کی ادائیگی کے بعد اسے رہا کر دیا گیا تو وہ میلیٹس چلا گیا۔ یہاں پہنچتے ہی اس نے جنگی کشتیاں کرائے پر لیں اور ہفتوں کا سفر دنوں میں تمام کر کے بحری لٹیروں کے سر پر جا پہنچا۔ اب وہ مزاحیہ کہانیاں سنانے والا قیدی نہیں بلکہ انتقام کے جذبے سے سرشار سپاہی تھا۔ اس نے انتہائی غیر معمولی شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمام قزاقوں کو زندہ گرفتار کیا، تاوان کی رقم واپس وصول کی اور اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اگلے چند سال اس نے رنگ رلیوں اور کھیل تماشوں میں گزارے۔ وہ عورتوں کا رسیا تھا اور عورتیں بھی اس کی شخصیت سے مسحور ہو جایا کرتی تھیں۔ 68 ق م میں اسے پہلی سرکاری ملازمت ملی جس کی وجہ سے سینٹ میں اس کی سیٹ بھی محفوظ ہو گئی۔ 63 ق م میں اسے ایک مذہبی عہدہ ملا۔ رومی سلطنت میں مذہبی استحکام کے لئے اس عہدے کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔

اسپین کے ایک صوبے میں انتظامی امور کو کامیابی سے انجام دے کر وہ ایک قدم اور آگے بڑھا۔ یونہی قدم بہ قدم پیش رفت کرتے ہوئے اس نے اپنی اہلیت کا ایسا سکہ بٹھایا کہ 60 ق م میں عظیم جرنیل اور روم کے قانونی سربراہ پومپی نے اسے اور کریس کو ساتھ ملا کر نئی حکومت قائم کی۔ سیزر کی درخواست پر اسے گال اور الیریکم کی حکومت عطا کی گئی۔ اس کے دشمن اس کے روم چھوڑنے پر بہت خوش تھے۔ ان کا خیال تھا کہ گال میں سیزر کی نیک نامی اپنی موت آپ مر جائے گی کیونکہ اب تک اس کی سپاہ گری کی صلاحیت کھل کر سامنے نہیں آئی تھی لیکن سیزر کو معلوم تھا کہ رومی سلطنت میں قوت حاصل کرنے کے لئے فتوحات کی کیا اہمیت ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے اپنی قسمت کے ستارے پر بھی یقین تھا۔

جنگوں کے ایک طویل سلسلے کے ذریعے اس نے اپنی حکومت کو اٹلانٹک تک پھیلا دیا جسے ایک ہزار سال بعد انگلش چینل کے نام سے پکارا گیا۔ وہ رومی حکومت کے لئے فتوحات حاصل کرتا رہا۔ بعض دفعہ اسے پسپا بھی ہونا پڑتا لیکن ایسی صورت میں اس کا اگلا حملہ اتنا زوردار ہوتا کہ جنگ جیت جاتا۔ اس کے سپاہی اس سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ ان سے بڑے بڑے کارناموں کا مطالبہ کرتا تھا۔

سپاہی عموماً اسے ایک دیوتا کا درجہ دیتے تھے کیونکہ وہ ان کے حوصلے بلند کرنے کی

Saeed Ahmad +971552066884

صلاحیت رکھتا تھا۔شاید اسی وجہ سے شیکسپیئر نے اس سے یہ الفاظ کہلوائے تھے: "بزدل اپنی موت سے پہلے بار بار مرتا ہے۔اور دلیر صرف ایک بار موت کا ذائقہ چکھتا ہے۔"

58 سے 69 ق م تک سیزر مسلسل جنگی معرکوں میں مصروف رہا۔ تاریخی کتب میں یہ سرگرمیاں تفصیل سے مذکور ہیں لیکن ان میں سب سے بہتر تحریریں سیزر کی اپنی لکھی ہوئی ہیں جو لاطینی ادب کا شاہکار مانی جاتی ہیں۔

سیزر ان حملوں اور مہمات میں بروقت فتح یاب ہو گیا کیونکہ روم کے معاملات اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ پومپی اور کریس کی مدد سے قائم حکومت ختم ہونے والی تھی۔ کیونکہ پومپی بے گانگی کا مظاہرہ کر رہا تھا اور کریس اشکانیوں کے ساتھ جنگ میں مارا جا چکا تھا۔گال میں سیزر کی حکومت کا عرصہ اب ختم ہونے والا تھا۔ یہ دیکھتے ہوئے روم میں اس کے دشمنوں نے آپس میں مشورے شروع کر دیئے کہ جب وہ واپس آئے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔انہیں شکایت تھی کہ اس نے فتوحات کے بڑے بڑے منصوبوں میں غریب اور مجبور بربریوں پر مظالم ڈھا کر اپنے اختیارات کی حدود سے تجاوز کیا ہے۔

جب سیزر کو ان تمام باتوں کا پتہ چلا تو اس نے حملہ کر کے ان معاملات کو نمٹانے کا فیصلہ کیا۔اس کے پاس فوج کا ایک ہی دستہ تھا۔ دوسری طرف اس کے حریف پومپی کا کہنا تھا کہ اس کے ایک بلاوے پر تمام فوج اس کا ساتھ دینے کے لئے اٹھ کھڑی ہو گی۔ سیزر نے مشکل ترین حالات کے باوجود روم کی طرف پیش قدمی کا عزم کر لیا۔ جنوری 49 ق م میں وہ روبیکن نامی دریا عبور کر کے برق رفتاری سے دارالحکومت کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ پومپی کی کمک کو مسدود کر دیا گیا اور وہ سمندروں کی طرف بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ یوں سیزر ایک فاتح کی حیثیت سے روم میں داخل ہوا۔

کچھ عرصے بعد پومپی اور اس کے ساتھی ہمت آزمانے کو متحد ہو گئے لہٰذا اگلے پانچ سال سیزر انہیں شکست دینے میں مصروف رہا۔ فارسالیا کے مقام پر پومپی کو فیصلہ کن شکست ہوئی۔ جس کے کچھ عرصہ بعد وہ مصر میں مارا گیا۔ پھر اس نے اس کے بیٹوں کو اسپین میں شکست دی اور اس کے بعد ان رومی رہنماؤں کی سرکوبی کی جو سینٹ کے ذریعے چلنے والے پرانے جمہوری نظام کے حامی تھے۔ رومہ میں یہ نظام ہمیشہ قابل تحسین رہا تھا۔

سیزر کی فتوحات کے اس آگے بڑھتے ہوئے دھارے میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ اس وقت آیا جب وہ مصر میں حسین اور نوجوان قلوپطرہ کے عشق میں گرفتار تھا۔ قلوپطرہ سے اس کا [illegible] پہنچا جہاں میتھری ڈے ٹیز کا

Saeed Ahmad +971552066884

صلاحیت رکھتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے شیکسپیئر نے اس سے یہ الفاظ کہلوائے تھے: ''بزدل اپنی موت سے پہلے بار بار مرتا ہے۔ اور دلیر صرف ایک بار موت کا ذائقہ چکھتا ہے۔''

58 سے 69 ق م تک سیزر مسلسل جنگی معرکوں میں مصروف رہا۔ تاریخی کتب میں یہ سرگرمیاں تفصیل سے مذکور ہیں لیکن ان میں سب سے بہتر تحریریں سیزر کی اپنی لکھی ہوئی ہیں جو لاطینی ادب کا شاہکار مانی جاتی ہیں۔

سیزر ان حملوں اور مہمات میں بروقت فتح یاب ہو گیا کیونکہ روم کے معاملات اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ پومپی اور کریس کی مدد سے قائم حکومت ختم ہونے والی تھی۔ کیونکہ پومپی بے گانگی کا مظاہرہ کر رہا تھا اور کریس اشکانیوں کے ساتھ جنگ میں مارا جا چکا تھا۔ گال میں سیزر کی حکومت کا عرصہ اب ختم ہونے والا تھا۔ یہ دیکھتے ہوئے روم میں اس کے دشمنوں نے آپس میں مشورے شروع کر دیئے کہ جب وہ واپس آئے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ انہیں شکایت تھی کہ اس نے فتوحات کے بڑے بڑے منصوبوں میں غریب اور مجبور بربریوں پر مظالم ڈھا کر اپنے اختیارات کی حدود سے تجاوز کیا ہے۔

جب سیزر کو ان تمام باتوں کا پتہ چلا تو اس نے حملہ کر کے ان معاملات کو نمٹانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے پاس فوج کا ایک ہی دستہ تھا۔ دوسری طرف اس کے حریف پومپی کا کہنا تھا کہ اس کے ایک بلاوے پر تمام فوج اس کا ساتھ دینے کے لئے اٹھ کھڑی ہو گی۔ سیزر نے مشکل ترین حالات کے باوجود روم کی طرف پیش قدمی کا عزم کر لیا۔ جنوری 49 ق م میں وہ روبیکن نامی دریا عبور کر کے برق رفتاری سے دارالحکومت کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ پومپی کی کمک کو مسدود کر دیا گیا اور وہ سمندروں کی طرف بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ یوں سیزر ایک فاتح کی حیثیت سے روم میں داخل ہوا۔

کچھ عرصے بعد پومپی اور اس کے ساتھی ہمت آزمانے کو متحد ہو گئے لہٰذا اگلے پانچ سال سیزر انہیں شکست دینے میں مصروف رہا۔ فارسالیا کے مقام پر پومپی کو فیصلہ کن شکست ہوئی۔ جس کے کچھ عرصہ بعد وہ مصر میں مارا گیا۔ پھر اس نے اس کے بیٹوں کو اسپین میں شکست دی اور اس کے بعد ان رومی رہنماؤں کی سرکوبی کی جو سینٹ کے ذریعے چلنے والے پرانے جمہوری نظام کے حامی تھے۔ روما میں یہ نظام ہمیشہ قابل تحسین رہا تھا۔

سیزر کی فتوحات کے اس آگے بڑھتے ہوئے دھارے میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ اس وقت آیا جب وہ مصر میں حسین اور نوجوان قلوپطرہ کے عشق میں گرفتار تھا۔ قلوپطرہ سے اس کا ایک بیٹا بھی ہوا۔ عشق کا بھوت سر سے اترا تو وہ ایشیائے کوچک پہنچا جہاں میتھری ڈے ٹیز کا

Saeed Ahmad +971552066884

بیٹا فارناسز اس کے لئے مسائل کھڑے کر رہا تھا۔ سیزر نے اس کا کام تمام کر دیا اور سینٹ کی طرف اطلاع بھیجی: "میں آیا، میں نے دیکھا اور میں نے فتح کر لیا۔"

آخر کار وہ روم واپس آیا۔ لوگوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کی بگھی گلیوں سے ہوتی ہوئی کیپٹل آ پہنچی۔ اس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ حکومت کا پرانا نظام ٹوٹ چکا تھا اور نیا متشکل ہو رہا تھا۔

موت نے اسے روم کے لئے وہ سب کچھ کرنے کی مہلت نہ دی جس کا اندازہ تاریخ دان ہمیشہ جذباتی ہو کر لگاتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس نے اپنے مختصر سے دور اقتدار میں کیلنڈر کی اصلاح کی، رومی قانون کی تدوین کا منصوبہ بنایا۔ لائبریریاں بنانے کی ضرورت پر زور دیا، بنیوں سے سود کے نرخ کم کروائے، عام لوگوں کے سروں سے ٹیکسوں کا بوجھ ہلکا کیا اور قصبوں میں میونسپل کمیٹیاں بنائیں۔ سیزر نے ان کلبوں کو ختم کر دیا جن کے ذریعے سیاسی گروہوں نے جمہوریت کو ایک مذاق بنا لیا تھا۔ اس نے کیپیٹل کے کاہل لوگوں کے لئے مفت غلے کا کوٹہ بھی کم کر دیا۔ اس دور میں ریٹائرڈ فوجیوں کے لئے ملک بھر میں کالونیاں بنانے اور روم سمیت تمام بڑے شہروں میں شاندار عمارتیں تعمیر کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔ سیزر نے ان علاقوں کے جغرافیائی سروے کا حکم دیا جو رومی سلطنت کا حصہ بن چکے تھے۔ اس نے تجویز پیش کی کہ پونٹائن (Pontine) کی دلدلوں سے نالیوں کے ذریعے پانی نکال دیا جائے تاکہ اوسٹیا (Ostia) کو ایک بڑی اور بہتر بندرگاہ حاصل ہو سکے۔

یہ ان چند منصوبوں کا ذکر ہے جو اس کے ذہن میں پرورش پا رہے تھے لیکن اگر اسے وقت دیا جاتا تو وہ اپنی سلطنت کے لئے اس سے کہیں بڑھ کر کام کرتا۔ ایک بہترین منتظم، حکمران اور سالار کے طور پر اس کی گرفت بڑی مضبوط تھی اور وہ بے پناہ صلاحیتوں کا مالک تھا۔

سیزر کے انداز و اطوار میں غرور اور خود نمائی تھی۔ اس نے ایسے سکے رائج کئے جن پر اس کی تصویر بنی تھی۔ ایک دفعہ اسے ایک چغہ پیش کیا گیا جس پر نفاست سے کشیدہ کاری کی گئی تھی، اسے یہ شاہانہ لباس ملنے پر بڑی خوشی ہوئی تھی۔ ایک بار سیزر کو زیتون کی شاخ سے بنا ہوا تاج بھی پہنایا گیا جو عظیم جرنیلوں اور فاتحین کا نشان تھا، اس پر وہ بیحد خوش ہوا۔

روم میں پرانے نظام کے حامی کثرت سے تھے۔ اگرچہ ان میں کچھ مفاد پرست سیاست دان بھی موجود تھے جنہیں اپنی کمتر حیثیت کا افسوس تھا لیکن باقی اعلیٰ سوچ کے مالک اور محب وطن تھے جن کی خواہش تھی کہ ملک میں مطلق العنان بادشاہت قائم نہ ہو۔ انہی میں

Saeed Ahmad +971552066884

ایک نوجوان بروٹس تھا۔ جس نے سیزر کے خلاف جنگ لڑی تھی لیکن اس نے اسے معاف کر کے اعلیٰ عہدہ عطا کرنے کے بعد اپنا دوست بنا لیا تھا۔ اب یہ سب لوگ متحد ہو گئے تھے تا کہ ایک سازش کے ذریعے سیزر کو قتل کر دیں۔ اس سازش میں پچاس سے زیادہ افراد شریک تھے۔ پندرہ مارچ کا دن اس کے قتل کے لئے مقرر کیا گیا۔ بہت سے لوگوں نے سیزر کو آنے والے وقت سے خبردار کرنا چاہا لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ اسے یقین تھا کہ وہی ہو گا جو اس کی قسمت میں لکھا ہے۔ قتل سے پہلے کی رات سیزر کی بیوی نے ایک خوفناک خواب دیکھا۔ صبح کو اس نے التجا کی کہ وہ آج سینٹ کے اجلاس میں شرکت نہ کرے۔ سیزر تھوڑا سا ہچکچایا بھی، لیکن اس دن بہت اہم امور پر بحث ہونا تھی لہٰذا وہ کونسل چیمبر کی طرف چل پڑا۔ گلیاں بھری ہوئی تھیں۔ کتنے ہی آدمیوں نے اسے راستے میں روکا اور آنے والے خطرے کی طرف توجہ دلائی۔ ایک یونانی فلسفی نے اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ پکڑا دیا جو دراصل سازش کرنے والوں کے ناموں کی فہرست تھی۔ سیزر نے کاغذ لے لیا اور اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ جب چیمبر میں وہ اپنی نشست پر بیٹھا تو اس وقت بھی وہ کاغذ اس کے ہاتھ میں تھا۔

پھر بروٹس اور اس کے چند ساتھی سیزر کے نزدیک گئے۔ ان میں سے ایک نے اس کے سامنے درخواست پیش کی۔ باقیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ سیزر ان کی بات ماننا نہیں چاہتا تھا کہ ایک نے اس کی قبا کھینچی۔ یہ گویا سب کے لئے ایک اشارہ تھا جسے پاتے ہی وہ اپنے اپنے خنجر لے کر اس پر حملہ آور ہوئے۔

ان میں سے بیشتر لوگ جوان اور پر جوش تھے جبکہ سیزر ادھیڑ عمری کو پہنچ چکا تھا۔ اب اس میں پہلے جیسی پھرتی نہیں رہی تھی اور اس کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا لیکن اس کے باوجود اس نے بھرپور مقابلہ کیا۔ پہلے وہ دشمنوں کو خود سے دور رکھنے کی کوشش کرتا رہا اور بعد میں اپنے دھات کے پین سے ان پر وار کرنے لگا۔ یہ مزاحمت برائے مزاحمت تھی کیونکہ قاتل طاقتور اور تعداد میں زیادہ تھے۔ اگرچہ شہنشاہ جولیس سیزر پر قاتلانہ حملے کے وقت بہت سے لوگ وار کر رہے تھے لیکن جب سیزر کے دوست بروٹس (Brutus) کی تلوار نے بھی اس کے جسم کو زخمی کیا تو جسم کے مقابلے میں سیزر کے دل کو زیادہ تکلیف ہوئی اور اس نے کہا:

"بروٹس کیا تم بھی!؟۔۔۔"

یہ اس عظیم جرنیل، سیاستدان اور مطلق العنان حکمران کے آخری الفاظ تھے جو دوستی اور دشمنی کا معیار بن گئے۔ ڈاکٹر آغا افتخار حسین سیزر کی موت کے فوراً بعد پیش آنے والے حالات و واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ سیزر کے قتل سے خوش تھے

Saeed Ahmad +971552066884

کیونکہ کسی وجہ سے وہ سیزر سے خفا ہو گئے تھے۔ یہ لوگ بروٹس سے خوش تھے خصوصاً اس لئے کہ سیزر کے قتل کے بعد بروٹس نے ایک تقریر کی تھی جس میں اس نے دلیل پیش کی تھی کہ اس نے سیزر کو کیوں قتل کیا۔ بروٹس نے سیزر کو ایک مطلق العنان جاہ طلب حکمران قرار دیا تھا اور کہا تھا:

''میں سیزر سے کم محبت نہیں کرتا، لیکن میں روم سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔''

عوام پر بروٹس کی تقریر کا جادو چل گیا تھا اور وہ سب بروٹس کی خطابت سے مسحور ہو کر سیزر کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔

اس موقع پر سیزر کے ہمدرد مارک انٹونی نے سیزر کی لاش پر عوام کو مخاطب کیا۔ دشواری یہ تھی کہ اگر مارک انٹونی سیزر کی تعریف میں ایک جملہ بھی کہتا تو سامعین اسے سننے کے لئے تیار نہ ہوتے بلکہ عین ممکن تھا کہ مارک انٹونی ہی کو قتل کر ڈالتے۔ لیکن اس نے ایک تاریخی تقریر کی اور عوام کی نفسیات کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی بات کا آغاز اس طرح کیا کہ عوام کو طیش نہ آئے، مارک انٹونی نے کہا:

''میں سیزر کو دفن کرنے آیا ہوں۔ اس کی تعریف کرنے نہیں۔'' اس پر مشتعل عوام قدرے خاموش ہوئے تو انٹونی نے ایک اور نفسیاتی پہلو اختیار کیا۔ اس نے کہا:

''لوگوں کے کئے ہوئے برے کام ان کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں لیکن ان کی نیکیاں ان کے ساتھ دفن ہو جاتی ہیں۔ سیزر کے ساتھ بھی ایسا ہی ہونے دیجئے۔''

اور اس طرح ایک نہایت نازک کنائے میں انٹونی نے سیزر کی نیکیاں بھی عوام کو یاد دلا دیں۔ پھر اس نے سیزر کے قاتل بروٹس کا ذکر اس طرح بار بار کیا جسے شیکسپیئر کے قلم نے ادب کا شہ پارہ بنا دیا۔ انٹونی نے کہا کہ: ''بروٹس صاحب کہتے ہیں کہ سیزر جاہ طلب تھا۔ بروٹس ایک قابلِ عزت ہستی ہیں اس لئے ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔ اگر سیزر جاہ طلب تھا تو یہ ایک بڑی خامی تھی اور اس خامی کا کفارہ سیزر نے موت سے ادا کر دیا۔ لیکن جب بھی غریب عوام روئے ہیں تو سیزر ان کے ساتھ رویا ہے۔ ایک جاہ طلب دل تو سخت ہوتا ہے، پھر سیزر کیسے رویا۔ لیکن بروٹس صاحب کہتے ہیں کہ سیزر جاہ طلب تھا، وہ ٹھیک ہی کہتے ہوں گے کیونکہ بروٹس ایک قابلِ عزت انسان ہیں۔''

اور اس طرح بروٹس کے بارے میں ''قابلِ عزت'' کا لفظ تعریف سے طنز کی حیثیت اختیار کرتا چلا گیا۔

پھر انٹونی نے یاد دلایا کہ بادشاہ بننے سے پہلے تین بار اس نے سیزر کو تاج شاہی پیش

Saeed Ahmad +971552066884

کیا لیکن اس نے تینوں بار اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کیا یہ جاہ طلبی تھی؟ لیکن بروٹس کہتے ہیں کہ سیزر جاہ طلب تھا تو وہ ٹھیک ہی کہتے ہوں گے کیونکہ بروٹس ایک ''قابل عزت'' انسان ہیں۔

اب عوام کا ردعمل بدل چکا تھا۔ انہیں سیزر کی موت کا غم اور بروٹس کی نیت پر شبہ ہو چلا تھا۔

انٹونی نے اپنی بلیغ خطابت جاری رکھی ۔ اس نے عوام کو یاد دلایا کہ اسی سیزر سے کبھی آپ محبت کرتے تھے۔ کیا آج اس کی موت پر آنسو بھی نہیں بہائیں گے؟ اور اس طرح آہستہ آہستہ مارک انٹونی نے عوام کے مجمع کو سیزر کا ہمدرد اور بروٹس کا مخالف بنالیا۔ اور جب انٹونی کی تقریر ختم ہوئی تو جو لوگ کچھ دیر پہلے سیزر کے خلاف نعرے لگا رہے تھے، وہی اب سیزر کی حمایت میں نعرے لگا رہے تھے اور بروٹس کا گھر جلانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

عوام! بے چارے بھولے عوام!! جو آج بھی اتنے ہی بھولے ہیں جتنے آج سے کئی صدیاں قبل مملکت روما کے عروج کے زمانے میں تھے یا اس سے بھی بہت پہلے!!!''

ولیم اے ڈیوٹ ''سو تاریخی واقعات'' بیان کرتے ہوئے جولیس سیزر کی موت پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

''سیزر کے خلاف قتل کی سازش کرنے والے لوگ رومہ کے جمہوری نصب العین پر کامل یقین رکھتے تھے اور اس امر کے ہرگز روادار نہ تھے کہ تمام اختیارات سمٹ کر سیزر کی ذات میں جمع ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیزر کے قتل کو وہ اہمیت حاصل ہوئی جو عام سیاسی جرائم کو نصیب نہیں ہوتی ۔ سازشیوں کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ سیزر محض شہنشاہ ہی نہیں، بلکہ دیوتا بن جانا چاہتا ہے۔ اور یہ خطرہ خالی از حقیقت نہ تھا، لیکن رومہ شاہنشاہی کے راستے پر گامزن ہو چکا تھا۔ چنانچہ سیزر کی موت بھی اس رجحان کا رخ نہ پلٹ سکی۔ آگسٹس اور بعد کے رومی حکمران کچھ اس انداز میں تاج وتخت کے مالک بنتے رہے، گویا سیزر قتل نہ ہوا تھا بلکہ زندہ چلا آتا تھا۔

قتل کی سازش کرنے والے لوگ سیزر کی جنگی یا انتظامی قابلیت کے منکر تھے نہ اس کی خدمات کے جو سیزر نے اپنے دور اقتدار میں انجام دی تھیں اور ان کے اعلیٰ نتیجے ہر طرف سب کو نظر آ رہے تھے۔ انہیں یہ بھی خیال تھا کہ سیزر کو مزید مہلت مل گئی تو اس سے ملک اور قوم کو بڑا فائدہ پہنچے گا، لیکن جمہوری حقوق ان کی نگاہوں میں تمام مذکورہ بالا چیزوں سے زیادہ قیمتی تھے۔ لہٰذا انہیں یہ خطرہ پریشان کر رہا تھا کہ اگر آج یہ حقوق سیزر کی وجہ سے پامال ہو گئے

Saeed Ahmad +971552066884

تو پھر ان کے بحال ہونے کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی۔''

جولیس سیزر کا قتل انسانی تاریخ کے سو اہم ترین واقعات میں شمار کیا جاتا ہے۔ مائیکل ہارٹ نے سو عظیم آدمیوں کی فہرست میں سیزر کو 67ویں نمبر کا حقدار قرار دیا اور اپنے بدن پر 23 زخم سجا کر موت کے گھاٹ اترنے والے اس عظیم رومی ہیرو کے متعلق شیکسپیئر نے یہ لافانی الفاظ لکھے: ''اس نے وقت کے دھاروں کا سامنا کرتے ہوئے زندگی گزار دی۔'' اس رائے کی صداقت سے انکار ممکن نہیں کیونکہ سیزر کی پوری زندگی نامساعد حالات سے ٹکرا جانے کا نام ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

کلاڈیس

عہد حیات: 10ق م۔ 54ء

سلطنت روم کے حقیقی بانی آگسٹس سیزر کا تیسرا جانشین۔ اس کی موت کے بعد تاریخ کا رسوا ترین حکمران نیرو تخت نشین ہوا

آگسٹس سیزر کو سلطنت رومہ کا حقیقی بانی قرار دیا جاتا ہے۔ اس نے لاطینی ادب کی ترقی، رومن فنون لطیفہ کے عروج اور گوناگوں تعمیرات کے سنہرے دور کی ابتداء کی۔ 19 اگست 14ء کو آگسٹن نے وفات پائی۔ ٹائبیریس (14ء۔37ء) اور کیلیگولا (37ء۔41ء) کے بعد کلاڈیس اس کا تیسرا جانشین تھا۔

10ق م میں پیدا ہونے والے کلاڈیس نے 41ء میں حکومت سنبھالی کیونکہ اس کے پیشرو کیلیگولا کو اس کی حکومتی حکمت عملی سے ناراض ہو چکی فوج نے 24 جنوری 41ء کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

کلاڈیس اعلیٰ درجے کا سپاہیانہ مزاج رکھتا تھا۔ اسی باعث فوج نے اسے اقتدار سونپنا پسند کیا۔ اس نے اپنے دور میں بہت سے لوگوں کو رومہ کی شہریت سے نوازا اور چند اہم فتوحات بھی حاصل کیں۔ اس کے باوجود ایلن بلیک ووڈ اسے تشدد پر یقین نہ رکھنے والا جسمانی طور پر کمزور حکمران کہتے ہیں جو کچھ لنگڑا کر بھی چلتا تھا۔

48ء میں ماری جانے والی کلاڈیس کی تیسری بیوی میسے لینا اپنی اوباشی، عیاشی اور جنسی بے راہروی کے باعث قدیم تاریخ کی انتہائی رسوا شخصیت سمجھی جاتی ہے۔ اس کی ہلاکت کے بعد کلاڈیس نے اپنی بھتیجی اگری پینا سے شادی کر لی جو اپنے خاوند ڈومیٹیس کی وفات کے بعد بیوگی کی زندگی گزار رہی تھی۔

Saeed Ahmad +971552066884

54ء میں جب ایگری پینا نے اپنے ''چچا اور شوہر'' کلاڈیس کو زہر دے کر ہلاک کیا تو نیرو تخت نشین ہوا۔ یہ بادشاہوں کی اس نسل کا آخری نمائندہ تھا جسے کسی نہ کسی حیثیت میں آگسٹس سے تھوڑا بہت تعلق تھا۔

کلاڈیس کے قتل کی تاریخی اہمیت صرف ایک حوالے سے ہے اور یہ انتہائی اہم حوالہ یہ ہے کہ اس کی موت نے نیرو کو اقتدار تک پہنچایا۔ اس نیرو کو، جو تاریخ کے رسوا ترین بادشاہوں میں ہمیشہ سرفہرست قرار دیا گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

سینیکا

عہد حیات: 4ق م۔ 65ء

یکے از کشتگانِ شہنشاہ نیرو۔ عظیم معلم اخلاق اور نامور فلسفی جسے شاہ کی مصاحبی لے ڈوبی۔ قرون وسطیٰ کے یورپی دانشور اس کی تصنیفات کے عاشق تھے

اس نابغہ روزگار کا پورا نام Lucius Anneus Seneca ہے۔ سینیکا ایک فلسفی اور معلم اخلاق کی حیثیت سے مشہور ہے۔ اس کی پیدائش اسپین میں Corduba کے مقام پر۔ 4ق۔م کو ہوئی۔ اپنی ابتدائی تعلیم اسپین میں ہی مکمل کرنے کے بعد وہ اپنے والد کے ساتھ روم چلا گیا۔ بعد ازاں اس نے مصر اور یونان کا بھی سفر کیا۔ سینیکا کی زندگی اس معنوں میں بے حد المناک ہے کہ اس نے مختصر مدت میں عروج و زوال کے تمام مرحلے طے کئے۔ اپنی عملی زندگی کا آغاز ایک وکیل کی حیثیت سے کیا۔ اس نے اپنی سیاسی زندگی جلا وطنی سے شروع کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر ایک غلط الزام یہ عائد کیا گیا کہ اس کے جولیا کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں، جو شاہ کلاڈیس کی بھتیجی تھی۔ اس الزام کے نتیجے میں اسے corsica جلا وطن کر دیا گیا۔ جہاں اس نے اپنی زندگی کے آٹھ سال گزارے، اپنی جلا وطنی کے دوران اس نے اپنی ماں کو متعدد خطوط لکھے۔ یہ خطوط "Treatise on Consolation" کے نام سے مشہور ہیں۔ جب شاہ کلاڈیس کی شادی Agrippina سے ہوئی تو اس نے اپنے شوہر سے اصرار کر کے سینیکا کو واپس بلوایا، اور اپنے بیٹے Domitius کا اتالیق مقرر کیا۔ یہ Domitius وہی ہے جو بعد ازاں شہنشاہ نیرو کے نام سے مشہور ہوا۔ نیرو بادشاہ بنا تو سینیکا کو مشیر اعلیٰ بنا دیا گیا۔ ابتداء میں اس نے نیرو کے شیطانی رجحانات و میلانات پر قدغن لگانے

Saeed Ahmad +971552066884

کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن دوسری طرف موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کافی دولت بھی اکٹھی کر لی۔ بادشاہ نیرو نے اپنی ماں کو قتل کر دیا تھا، اس معاملے میں خود کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے شاہ نیرو نے جو مختلف خطوط لکھے۔ وہ سینیکا کے ہی دماغ کی پیداوار تھے۔ سینیکا کا یہ عمل بطور معلم اخلاق اس کی حیثیت پر ایک زبردست ضرب لگاتا ہے۔ سینیکا کا ہر جا و بے جا، حق و ناحق معاملے میں بادشاہ کی حمایت کرنا اس کی ابن الوقتی اور مصلحت کیشی کا آئینہ دار ہے۔ ابن الوقتی کچھ مدت کے لئے تو نفع بخش ثابت ہوتی ہے، مگر اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ سینیکا کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ شاہ نیرو کی ماں کے قتل میں اعانت ہی اس کے لئے مضر ثابت ہوئی۔ بادشاہ خود بھی رفتہ رفتہ اس سے نالاں ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ اکثر اس کے رجحانات پر قدغن لگانے کی کوشش کرتا۔ دوسری وجہ اس کی بے انتہا دولت تھی۔ جو شاہ نیرو کی آنکھ میں کھٹک رہی تھی، اور تیسرا سبب یہ تھا کہ خود نیرو ایک فنکار اور شاعر کی حیثیت سے مقام بنانا چاہتا تھا۔ مگر سینیکا اس کی لیاقت اور فنکاری میں خامیاں تلاش کر کے اس کی بے قدری کرتا تھا۔ ذہین سینیکا نے اس کی ناراضی کا اندازہ لگا لیا اور دربار کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جانے کا فیصلہ کیا۔ حتیٰ کہ اپنی دولت کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ مگر سینیکا نے اپنی درباری زندگی کے دوران بے شمار دشمن بھی بنا لئے تھے۔ وہ سینیکا کو سبق سکھانا چاہتے تھے۔ لہٰذا ان لوگوں نے بادشاہ کو ورغلایا، بالآخر انہیں ایک موقع ہاتھ آیا۔ جب سینیکا PISO کی سازش میں شریک ہوا تو بادشاہ نے اسے سزائے موت کا حکم سنایا۔ سینیکا نے نیرو کے حکم پر اپنے ہاتھوں کی رگیں کاٹ لیں اور گرم پانی میں ڈوب کر جان دے دی۔

کہا جاتا ہے کہ جب اسے سزائے موت کا فرمان ملا تو اس کے اہل و عیال اور احباب اداس اور غمزدہ ہو گئے لیکن وہ ان کی غمزدگی کو دور کرنے کے لئے فلسفہ کا درس دیتا رہا۔

سینیکا کے اعمال و اقوال میں بہت تضاد پایا جاتا ہے، ایک طرف تو وہ معلم اخلاق بنتا ہے تو دوسری طرف اس سے ایسے اعمال سرزد ہوتے ہیں جنہیں دنیا کا کوئی بھی اخلاقی ضابطہ جائز اور مستحسن قرار نہیں دیتا۔

سبط حسن کے بقول سینیکا کئی کتابوں کا مصنف ہے۔ انہوں نے ''ماضی کے مزار'' میں اس نامور فلسفی کا ایک تحریری نمونہ نقل کیا ہے جس میں وہ عہد قدیم کے معاشرتی اوصاف بیان کرتا ہوا کہتا ہے:

''جب تک لالچ نے معاشرے کی توجہ پراگندہ نہ کی تھی اور افلاس پیدا نہ کیا تھا، سماجی خوبیوں میں ملاوٹ نہیں آئی تھی۔ کیونکہ جب انسان

Saeed Ahmad +971552066884

اشیاء کو اپنی ملکیت قرار دینے لگا تو اشتراکیت کا خاتمہ ہو گیا۔ ابتدائی انسان اور اس کی اولاد نیچر کی تقلید کرتی تھی۔ خالص اور نا قابل موازنہ نیچر کی۔ البتہ جب برائیوں نے سر اٹھایا تو بادشاہ اپنا اختیار استعمال کرنے لگے اور تعزیری قانون نافذ ہونے لگے۔ کتنا اچھا تھا وہ ابتدائی زمانہ جب قدرت کی نعمتیں مشترک تھیں اور سب لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اس وقت عیش کوشی اور عشرت پسندی نے انسانوں میں پھوٹ نہیں ڈالی تھی اور نہ وہ ایک دوسرے کا شکار کرتے تھے۔ وہ قدرت سے مشترکہ طور پر مستفید ہوتے تھے۔ میں ان کو سب سے دولت مند انسان کیوں نہ سمجھوں جب ان میں ایک بھی مفلس موجود نہ تھا۔"

عبدالوہاب اشرفی لکھتے ہیں کہ: سینیکا نے دس المیے قلم بند کئے اور اس کے علاوہ اخلاقی فلسفے پر بھی کئی مضامین بھی لکھے۔ ان مضامین میں وہ رواقی فلسفہ سے متاثر نظر آتا ہے۔ اس کے المیے شاہ نیرو کے عہد کے ڈرامائی ادب کے بہترین ترجمان ہیں۔ ان المیوں میں اصل ڈرامائی جوہر سے زیادہ خطابت کی مشاقی جلوہ گر ہے۔ خطابت کے علاوہ لطافت، بذلہ سنجی اور تضاد ان کی نمایاں خوبیاں ہیں۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

حضرت زکریا علیہ السلام

عیسیٰ علیہ السلام کے ہم عصر تھے

قرآن مجید میں مذکور زکریا علیہ السلام وہ زکریا نبی نہیں جنہوں نے بائیبل کے پرانے عہد نامے پر منحصر تحقیقات کے مطابق 519ق م میں پیغمبری کا اعلان کیا

"زکریا نبی بنی اسرائیل کے انبیاء اور ان کے کاہنوں میں سے تھے۔ 519ق م میں پیغمبری کا اعلان کیا اور لوگوں کو معبد کی تعمیر کا شوق دلوایا۔" اردو جامع قاموس العلوم" کی یہ تحریر قرآن مجید میں مذکور حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ زکریا نبی کے بارے میں ہے جو فارس کے شہنشاہ دارا کے ہمعصر تھے۔ حافظ افروغ حسن اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں: "دارا نے جب اپنے عہد میں بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر کا حکم دیا تو انہوں نے اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس طرح ان (زکریا نبی) کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً پانچ سو سال پہلے کا ہے۔"

افروغ صاحب کے بقول جن زکریا علیہ السلام کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے وہ حضرت عیسیٰ کے ہم عصر تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> "اور زکریا جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ" اے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ، اور بہترین وارث تو تو ہی ہے۔" پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحییٰ عطا کیا اور اس کی بیوی کو اس کے لئے درست کر دیا۔ یہ لوگ نیکی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے تھے اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔" (سورہ انبیاء۔ آیت: 90)

Saeed Ahmad +971552066884

اسی طرح سورہ انعام کی آیات (83 تا 90) پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے نہایت نیکوکار، پارسا، ہدایت یافتہ اور صالح انسان تھے۔ ان کا دامن ہمیشہ شرک کی آلودگی سے پاک وصاف رہا۔ وہ نبوت سے سرفراز تھے اور انبیائے کرام کی مقدس جماعت کے ایک رکن ہونے کی حیثیت سے ان کی زندگی کا واحد مقصد بندگان خدا کو خدائے واحد کی بندگی کی طرف بلانا تھا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی "الیشبع" حضرت مریمؑ کی والدہ "حنہ" کی حقیقی بہن تھیں۔ حافظ افروغ حسن لکھتے ہیں کہ بطور خالو حضرت زکریا علیہ السلام ہی مریمؑ کے سرپرست مقرر ہوئے۔

"آخر کار اس کے رب نے اس لڑکی کو بخوشی قبول فرمالیا۔ اسے بڑی اچھی لڑکی بنا کر اٹھایا اور زکریا کو اس کا سرپرست بنایا۔"

(سورہ آل عمران۔ آیت: 37)

حضرت مریمؑ کے حجرے میں غیر موسمی پھلوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد اور انہیں اللہ تعالیٰ کی خاص کرم نوازی جان کر حضرت زکریا علیہ السلام نے خدا سے اپنے لئے نیک اولاد کی دعا کی حالانکہ آپ بوڑھے اور آپ کی بیوی بانجھ تھیں۔ لیکن جس رب نے مریمؑ کے لئے غیر موسمی پھل عطا کئے تھے، اسی رب کائنات نے آپ کو بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی جو بعد ازاں آپ ہی کی طرح منصب نبوت پر بھی فائز ہوئے۔

مورخین کے نزدیک آپ کی وفات ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ آپ نے طبعی عمر پوری کر کے وفات پائی اور بعض کا خیال ہے کہ آپ کو شہید کر دیا گیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی شہادت کی طرف انجیل میں بھی کچھ مبہم اشارے ملتے ہیں۔

اس ضمن میں ایک مشہور روایت چلی آتی ہے کہ جب اسرائیلی جان کے درپے ہوئے تو آپ امان کی تلاش میں نکلے اور اس حالت میں ایک درخت سے پناہ مانگی۔ درخت کا کھوکھلا تنا کھلا اور جب آپ اندر داخل ہوئے تو دوبارہ بند ہو گیا۔ لیکن اس دوران آپ کی عبا کا دامن تنے سے باہر رہ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ قاتلوں نے آرے سے درخت کو چیر ڈالا اور آپ شہید ہو گئے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

حضرت یحییٰ علیہ السلام

شہادت: 31 ق م

"اے زکریا، ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہو گا۔ ہم نے اس نام کا کوئی آدمی اس سے پہلے پیدا نہیں کیا۔" (القرآن)

آپ بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر تھے۔ والد کا نام حضرت زکریا علیہ السلام اور والدہ کا اسم گرامی الیشبع (ایشاع) تھا۔ قرآن حکیم میں سورہ آل عمران، سورہ الانعام، سورہ مریم اور سورہ انبیاء میں جابجا آپ کا ذکر آیا ہے۔ سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو ایک بیٹے کی پیدائش کی بشارت دی اور نام یحییٰ (علیہ السلام) تجویز کیا۔ اسرائیلی کتابوں میں آپ کا نام یوحنا معمدان درج ہے۔

آپ اپنا زیادہ تر وقت بیت المقدس ہی میں گزارا کرتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق لوگوں کو ہدایت اور سیدھے راستے کی طرف آنے کی تعلیم دیتے تھے۔

روایت ہے کہ اس وقت کے بادشاہ ہیروڈس کی بیوی اپنے سابق شوہر کی بیٹی سے بادشاہ کی شادی کی خواہش مند تھی۔ جب بادشاہ اور بنی اسرائیل کے تمام لوگ اس پر متفق ہو گئے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کو نکاح کی رسم ادا کرنے کے لئے بلایا گیا لیکن تمام حالات و واقعات سے آگاہ ہونے کے بعد آپ نے نکاح پڑھانے سے انکار کر دیا کیونکہ آپ کے نزدیک یہ رشتہ خلاف شریعت اور ناجائز تھا۔

بادشاہ اور اس کے حواری اس حق گوئی اور بے باکی کے سبب شدید ناراض ہوئے اور آپ کو گرفتار کر کے رسیوں سے جکڑ دیا گیا۔ ہیروڈس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ہر طرح کی اذیتیں دیں لیکن آپ اپنے موقف سے دستبردار ہونے کو تیار نہ ہوئے۔

Saeed Ahmad +971552066884

بادشاہ چاہتا تھا کہ آپ اس غیر فطری اور مکروہ نکاح کو جائز قرار دیں لیکن آپ نے فرمایا کہ میں جان دینے کو ایسا غلط فیصلہ دینے پر ترجیح دوں گا۔ ایک روایت کے مطابق کہا جاتا ہے کہ ملکہ کی بیٹی نے بادشاہ سے کہا کہ اگر یحییٰ علیہ السلام کا سر کاٹ کر میرے حوالے کر دو تو میں تم سے شادی کرلوں گی۔ یہ سن کر ہیروڈس نے آپ کو شہید کر دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شاہ ہیروڈس نے اپنی ایک درباری رقاصہ سلومی کے کہنے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا۔ یہ افسوسناک واقعہ 31ق م میں پیش آیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا شمار اللہ تعالیٰ کے انتہائی برگزیدہ اور محبوب پیغمبروں میں ہوتا ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

عہد حیات: 8،6 یا 4 ق م - 29ء

اللہ تعالیٰ کے سچے نبی۔ مسیحیت کے بانی۔ عیسائی کہتے ہیں کہ رومی حاکم پیلاطس نے ان کو مصلوب کرنے کا حکم دے دیا لیکن قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ نہ تو ان کو قتل کیا گیا اور نہ سولی دی گئی بلکہ دشمنوں کو شبہے میں ڈال دیا گیا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق بنی اسرائیل کے ایک خاندان سے تھا جو بیت المقدس سے تقریباً ستر میل شمال مشرق میں جھیل طبریہ کے ضلع گلیل کے موضع ناصرہ میں رہتا تھا۔ جائے ولادت پر محققین متفق نہیں۔ یہی حال تاریخ ولادت کے معاملے میں ہے۔ عام طور پر ان کی پیدائش کا سال 6 یا 4 ق م قرار دیا جاتا ہے لیکن بعض کتابی ذرائع 8 ق م بھی بتاتے ہیں۔ قارئین ان سنین سے جان گئے ہوں گے کہ عیسوی سنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے شروع نہیں ہوتا، جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔

آپ اللہ کے حکم سے حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا ہوئے جو نہایت نیک اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ حضرت مریمؑ اپنے قبیلے کے ایک فرد یوسف نجار سے منسوب تھیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی۔ قرآن حکیم میں یہ واقعہ اور حضرت مریمؑ کی پارسائی و پاکیزگی کا ذکر کئی مقامات پر بیان ہوا ہے۔ اس ضمن میں سورہ آل عمران اور سورہ مریمؑ کی متعلقہ آیات تلاوت کی جا سکتی ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے تو حضرت مریمؑ خدا کے حکم سے خاموش رہیں اور بچے کی طرف اشارہ کیا کہ یہ خود ہی تمہارے

Saeed Ahmad +971552066884

سوالوں کے جواب دے گا۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو بتایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا نبی ہوں۔ شیرخوارگی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے یہ باتیں سن کر لوگ دنگ رہ گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ حضرت مریمؑ معصوم ہیں۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو خدا کا پیغام پہنچانے لگے تو انہوں نے بارہ آدمیوں کو خصوصاً مرید کیا۔ یہ حواری کہلاتے تھے اور ان کا ایمان تھا کہ مسیحؑ ہمارا رہنماء اور قوم کا ہادی ہے۔ دوسری طرف رومی حکومت کے اعلیٰ عہدیدار اور پرانے مذہب کے پیشوا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام کو اپنے اقتدار اور بالادستی کے لئے خطرہ سمجھتے تھے۔ معجزوں کے ظہور کے نتیجے میں جب لاتعداد لوگ آپؑ کے گرد اکٹھے ہونے لگے تو حکمرانوں نے بغاوت کا الزام عائد کر کے یہودا اسکریوطی کی مخبری پر حضرت مسیحؑ کو گرفتار کر لیا اور حاکم پیلاطس نے انہیں مصلوب کرنے کا حکم دیا۔ یہ واقعہ 29ء کا بیان کیا جاتا ہے۔ مسیح عقائد کے مطابق مصلوب کر کے مسیحؑ کو دفن کر دیا گیا (اور وہ دوبارہ جی اٹھے)۔ لیکن قرآنی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ نہ تو انہیں قتل کیا گیا اور نہ ہی سولی دی گئی بلکہ دشمنوں کو شبہے میں ڈال دیا گیا۔ بطور مسلمان ہمارا پختہ ایمان ہے کہ قرآن حکیم کی گواہی تمام سچائیوں میں سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کا مذہب تیزی سے مقبولیت حاصل کرنے لگا اور رفتہ رفتہ کروڑوں آدمی مسیحیت کے پیروکار ہو گئے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

سینٹ پال

عہد حیات: 4ء۔ 64ء

عہد نامہ جدید کے مصنفین میں اسے سب سے بالاتر مقام حاصل ہے۔ عیسائیت کے ایک صیہونی مسلک سے دنیا کے بڑے مذہب میں تبدیل ہو جانے میں پال کا کردار سب سے اہم ہے

یسوع مسیح کا نوجوان ہم عصر اور حواری پال جسے ساؤل بھی کہا جاتا ہے 4ء میں سلیشیا نامی شہر میں تارسس کے مقام پر پیدا ہوا۔ مائیکل ہارٹ کے بقول: ''وہ رومی شہری اور یہودی تھا۔'' اس نے نوجوانی میں عبرانی سیکھنے اور صیہونی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ خیمہ سازی کی تربیت بھی حاصل کی۔ اسی دور میں وہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ممتاز عالم ربی گمالیل کے پاس یروشلم گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک وقت ایسا تھا کہ یسوع اور پال بیک وقت یروشلم میں موجود تھے تاہم دونوں میں ملاقات کا ہونا تاریخی طور پر ثابت نہیں ہوتا۔ یسوع کے بعد اولین عیسائیوں کو حکومتی عتاب سہنا پڑا۔ انہیں ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا اور کڑی سزائیں دی گئیں۔ خود پال نے بھی اس تعزیری عمل میں حصہ لیا۔ لیکن دمشق کو جاتے ہوئے روایات کے مطابق اسے کشف ہوا، یسوع اس سے ہمکلام ہوا اور وہ نئے مذہب کا پیروکار بن گیا۔ یہ اس کی زندگی کا ایک اہم موڑ تھا۔ وہ کبھی عیسائیت کا شدید مخالف تھا لیکن اب پرجوش مبلغ۔

پال نے لوگوں کو گروہ درگروہ مسیحیت کی طرف راغب کیا۔ مسیحی تعلیمات پر اس نے ناقابل اندازہ اثرات مرتب کئے، بطور مبلغ اس نے عظیم کامیابی حاصل کی، اس کی تحریریں عہد نامہ جدید کا اہم حصہ بنیں، بطور مذہب عیسائیت کی تشکیل میں اس کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور عہد نامہ جدید کی جملہ ستائیس کتابوں میں سے چودہ پال ہی کی طرف منسوب کی

Saeed Ahmad +971552066884

جاتی ہیں۔ عیسائیت کی طرف راغب ہونے کے بعد اس نے اپنی بقیہ زندگی مسیحی عقائد کی تفہیم اور تفسیر کی نذر کر دی۔

لوگ جوق در جوق اس کے توسط سے عیسائی بنے۔ اپنی تبلیغی کوششوں کے دوران اس نے ایشیائے کوچک، یونان، شام اور فلسطین کے طویل سفر کیے۔ یہودیوں کی نسبت اولین عیسائیوں میں تبلیغ کرنے میں پال کو زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کی ان سرگرمیوں نے اس کے خلاف شدید ردعمل پیدا کیا اور کئی بار اسے اپنی زندگی کا خطرہ درپیش ہوا۔ غیر صیہونیوں پر پال کے افکار نے غیر معمولی اثرات مرتب کیے۔ وہ اتنا معروف ہوا کہ اسے "غیر یہودیوں کا حواری" کہا جاتا ہے۔ پال کے سوا کسی دوسری شخصیت نے عیسائیت کی تشہیر میں اس قدر اہم کردار ادا نہیں کیا۔

سلطنت روما کے مشرقی علاقوں میں تین طویل تبلیغی دورے کرنے کے بعد پال یروشلم واپس آیا تو اسے گرفتار کر لیا گیا۔ روم میں اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ مقدمہ کس طور اختتام پذیر ہوا، یا وہ کبھی روم سے باہر بھی نکل سکا یا نہیں؟ لیکن غالب امکان یہی ہے کہ 64ء میں اسے روم کے نزدیک ہی ہلاک کر دیا گیا۔ یوں پال نے اپنی جان کا نذرانہ دے کر عیسیٰ علیہ السلام کے افکار کو ایک بھرپور مذہب کی صورت میں دنیا کے سامنے جلوہ گر کیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

لوکان

عہد حیات: 38ء۔65ء

یہ عظیم رزمیہ نگار شاہ نیرو کی خود پرستی اور حاسدین کی مہلک چالوں کا نشانہ بن گیا۔ روم جل رہا تھا تو نیرو بنسری بجا رہا تھا اور لوکان مر رہا تھا تو وہ قہقہے لگا رہا تھا

دنیا بھر کے ارباب علم و ادب لوکان کو ایک ممتاز رزمیہ نگار کے طور پر جانتے ہیں۔ وہ شاہ نیرو کا درباری شاعر تھا اور ممتاز فلسفی سینیکا کا بھتیجا۔

اس کی پیدائش اسپین کے مشہور زمانہ شہر Corduba میں 38ء کو ہوئی۔ نوجوانی کے زمانہ میں روم چلا آیا اور اپنی خداداد قابلیت و صلاحیت کے بل بوتے پر جلد ہی خاص و عام کی آنکھ کا تارا بن گیا۔ اس کی مقبولیت اور شہرت بام انتہا پر اس وقت پہنچی جب شاہ نیرو کی نظر عنایت نے اسے روم کے کوچہ و بازار سے اٹھا کر شاہی دربار کا شاعر اعظم بنا دیا۔

بدقسمتی سے لوکان کی ترقی کا یہ زمانہ بہت مختصر رہا۔ کیونکہ شاہ نیرو کی والہانہ نگاہیں جب نفرت و انتقام کی چنگاریاں برسانے لگیں تو لوکان کے لئے آسمان اجنبی اور زمین دشمن ہو گئی۔

لوکان نیرو کے شاہی عتاب کا شکار کیسے بنا اس ضمن میں جناب وہاب اشرفی لکھتے ہیں:

> ہوا یوں کہ شاعری کے ایک مقابلے میں وہ شاہ نیرو کے مقابل آیا اور اپنی قابلیت کی بناء پر فوقیت پائی۔ انعام سے بھی نوازا گیا۔ شاعروں اور ادب میں شہرت پانے کے خواہشمند بادشاہ نیرو کو اپنے درباری شاعر لوکان کی یہ حریفانہ ادا ایک آنکھ نہ بھائی۔ اس نے ایک شاہی فرمان کے ذریعے لوکان پر یہ پابندی عائد کر دی کہ وہ اپنی شاعری

Saeed Ahmad +971552066884

عوام کو نہیں سنا سکتا اور نہ ہی جوش خطابت کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ یہ بات لوکان کو بری لگی اور اس نے اس حکم کو ناانصافی قرار دیا۔ شاہ نیرو سے اور لوگ بھی نالاں تھے لہٰذا سب نے مل کر اسے قتل کرنے کا منصوبہ ترتیب دیا۔ لوکان بھی اس سازش میں شامل تھا جسے "PISO کی سازش" کا نام دیا جاتا ہے۔ آخر کار اس سازش کا بھانڈا بیچ چوراہے کے پھوٹ گیا اور سازشیوں کو اپنے کیے کی سزا بھگتنا پڑی۔ ان مجرموں میں لوکان کا نام بھی شامل تھا۔

لوکان کو حکم دیا گیا کہ وہ سزائے موت کا حقدار ہے اور اپنی موت کے بارے میں وہ خود تجویز کرے کہ کس ڈھنگ سے مرنا چاہتا ہے۔ لوکان نے حکیم سے اپنے ہاتھ اور پاؤں کے فصد کھلوائے اور سسک سسک کر موت کے گھاٹ اتر گیا۔ یہ واقعہ 65ء میں پیش آیا۔

لوکان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کئی تصانیف کا مصنف تھا۔ لیکن اس کی صرف ایک ہی کتاب محفوظ ہے جس کا نام "Pharsalia" ہے۔ یہ ایک رزمیہ ہے جو قیصر اور پومپی کے درمیان وقوع پذیر ہونے والے تصادم کا بیانیہ ہے۔ پروفیسر وہاب اشرفی نے اس کتاب کے متعلق ہاتھورن کی رائے ان لفظوں میں بیان کی ہے: "یہ رزمیہ خوبصورت توضیحات سے پُر ہے۔ اس میں جنگ سے متعلق مناظر، واقعات اور حادثات انتہائی قوت، شدت اور تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔"

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

پطرنیوس

ہلاکت: تقریباً 66ء

لاطینی ادیبوں میں سب سے بڑا اور سب سے سچا مزاح نگار۔ کردار نگاری کا بادشاہ۔ ایک طرف عیاشی، نفس پرستی اور بدمستی اس کے شخصی اوصاف۔ دوسری طرف ادبی حیثیت، فکری انفرادیت اور حقائق نگاری میں یکتا و یگانہ

پطرنیوس لاطینی ادب میں اپنی عجیب وغریب شخصیت اور نہایت وقیع تحریری خدمات کے باعث نہایت بلند مرتبہ ادیب تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کی ادبی وفنی انفرادیت کو دنیا بھر میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کا ایک چھوٹا سا ثبوت یہ ہے کہ پروفیسر سیلر، ہاتھورن، ہیزچ، کھوپر، Tacitus اور ٹی۔ ایس ایلیٹ اس کے مداحوں میں شامل ہیں۔ اس کے ہم عصر اور بعد میں آنے والے ادباء نے اس کی ادبی فہم وفراست، فنکارانہ ذہانت، فنی بالادستی اور فکری بلند پروازی کو کھلے دل سے تسلیم کیا ہے۔ اس کے بعد آنے والے نقادوں نے اسے ورجل، سسرو اور لیوی کا ہم رتبہ قرار دیا۔ ''ڈکشنری آف لٹریچر'' کے مطابق اس کا عظیم طنزیہ اور رومانی ناول ''Satyricon'' رومن طرز حیات کے اچھوتے رخ کا ہمہ گیر اور اپنی نوعیت کا واحد نقشہ ہے۔۔۔ تفریحی اور بعض اوقات بہت گہرائی میں متحرک۔ یہ کارنامہ مغربی ادب میں ایک قابل تقلید نقش پا کی حیثیت رکھتا ہے۔ مذکورہ ناول پطرنیوس کا واحد موجود معلوم شاہکار ہے۔

پطرنیوس لاطینی ادیبوں میں سب سے بڑا اور سب سے سچا مزاح نگار ہی نہیں بلکہ کردار نگاری کا بھی بادشاہ ہے۔ اس کا مذکورہ بالا ناول اگرچہ معمولی تجربات پر مبنی ہے لیکن اس میں عصری زندگی کی عکاسی بخوبی کی گئی ہے۔ اس میں کوئی مربوط و مضبوط پلاٹ نہیں بلکہ

Saeed Ahmad +971552066884

متفرق واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ وہاب اشرفی کے بقول اس عظیم ناول کا سب سے دلچسپ حصہ وہ ہے جو "Coena Trimalichionis" کے عنوان سے قلمبند کیا گیا ہے۔ اس حصے میں پطرنیوس نے شاہ نیرو کے دربار کے جاہل اور بگڑے ہوئے نوابوں کی مضحکہ خیز نمائش پسندی کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ جس کا اطلاق ہر عہد کے نو دولتیوں پر بآسانی ہو سکتا ہے۔ اس نے اپنے اس رومان میں ایک لسانی تجربہ کرتے ہوئے شعر و نظم کے امتزاج سے ایک نیا اور منفرد انداز نگارش تشکیل دینے کی شعوری، قابل ستائش، اور بہت حد تک کامیاب کوشش کی ہے۔

پطرنیوس کی زندگی میں جھانکیں تو سال پیدائش نامعلوم ہے۔ روایات کے مطابق وہ جوانی میں بے حد عیاش اور بدمست تھا۔ دن بھر سویا رہتا تھا اور رات کو ذہنی انتشار کا شکار رہتا۔ اسے نفس پرست اور بدقماش بھی کہا گیا لیکن یہ تصویر کا ایک ہی رخ ہے۔ صرف اس طرح کے جملے کہہ یا لکھ دینا اس کی ادھوری شخصیت اور نامکمل تصویر کو پیش کرنے کے مترادف ہے۔ تسلیم کہ پطرنیوس میں کچھ ناپسندیدہ عادات تھیں لیکن کردار کی اس کج روی کے باوجود وہ بے شمار صلاحیتوں کا مالک بھی تھا۔ جس کا ثبوت اس امر سے فراہم ہوتا ہے کہ اسے ریاستی گورنر کے عہدے پر فائز کیا گیا، پھر قونصل مقرر کیا گیا اور دونوں موقعوں پر اس نے اپنی ذمہ داریاں بطریق احسن انجام دیں۔

شاہ نیرو سے اس کی گاڑھی چھنتی تھی۔ وہ بھی اسے جان سے عزیز رکھتا تھا۔ لیکن پطرنیوس نے معروف فلسفی سینیکا اور اس کے بھتیجے لوکان کا انجام دیکھا ہوا تھا۔ (موخرالذکر دونوں شخصیات اس کتاب میں اپنی اپنی جگہ مذکور ہوئی ہیں) وہ شاہ نیرو کے مظالم اور حاسدانہ رویئوں سے نالاں تھا اور آنکھیں بند کر کے گھوڑے اور گھاس کی دوستی پر یقین کرنا اسے آتا ہی نہ تھا۔ آخر کار اس نے اسی میں عافیت جانی کہ تمام اہم عہدوں سے سبکدوش ہو کر ایک عام درباری کی حیثیت سے زندگی گزار دے۔ لہٰذا اس نے یہی کیا۔

پطرنیوس کے بارے میں "ادبیات عالم" کے مطابق دو طرح کی معلومات ملتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اس کا بھی وہی حشر ہوا جو سینیکا اور لوکان کا ہوا۔ دوسری یہ ہے کہ اس نے حالات میں آئی سنگین تبدیلی کو قبل از وقت محسوس کرتے اور خود کو بے بس خیال کرتے ہوئے خودکشی کر لی۔ بہرحال دونوں صورتوں میں اس کا شمار شاہ نیرو کے مقتولین میں کیا جائے گا۔ پطرنیوس کے قتل یا خودکشی کا واقعہ 66ء میں وقوع پذیر ہوا۔

Saeed Ahmad +971552066884

مانی

عہد حیات: 215ء۔ 276ء

مانی کہتا ہے کہ "میں بابل سے آیا ہوں تاکہ حق کی آواز ساری دنیا کو سنا دوں"۔ اس کا مذہب زرتشتی، مسیحی اور بدھی تعلیمات کا مرکب تھا۔ اسے نقاش پیغمبر کہا گیا

ایران کے مشہور بادشاہ اردشیر کے دور حکومت کے بعد شاپور کے عہد میں ایک مشہور مذہبی تحریک "مانویت" کے نام سے چلی، جس کا داعی مانی تھا۔ سبط حسن "موسیٰ سے مارکس تک" میں لکھتے ہیں کہ مانی کا باپ فاتک بنیادی طور پر ہمدان کا رہنے والا تھا مگر ترک وطن کر کے بابل کے قریب ایک گاؤں میں آباد ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر ظہور الدین احمد اس گاؤں کا نام مردینو بتاتے ہیں۔ شایاں قدوائی مزید معلومات دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مانی پارتھین نسل سے تعلق رکھتا تھا اور اس کی ماں کا نام روسا تھا جو مشہور پارسی خاندان "کام سرکان" سے تھی۔

مرزا مقبول بیگ بدخشانی "ادب نامہ ایران" میں ابوریحان البیرونی سے یہ فقرہ منسوب کرتے ہیں کہ مانی اشکانی عہد کے آخر میں پیدا ہونے والا عظیم دانشور تھا۔ واضح رہے کہ سکندر کے ہاتھوں دارا سوم کی شکست کے بعد یونانی عہدیدار ایران پر حکومت کرتے رہے۔

ان کی سرکوبی کر کے ایران کے مشرقی علاقے پارتھیا (آج یہی علاقہ خراسان کہلاتا ہے) سے اٹھنے والے اشکانیوں نے کم و بیش پانچ سو سال تک حکومت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں رکھی۔ جب اشکانی عہد اپنے انجام سے دوچار ہونے جا رہا تھا تو مانی کی آمد آمد تھی۔

"ایران شناسی" کے مولف کہتے ہیں کہ مانی 215ء میں پیدا ہوا۔ تیرہ سال کی عمر میں اسے دین کی حقیقت کے بارے میں الہام ہوا۔ 228ء میں اسے دوبارہ بشارت ہوئی اور

Saeed Ahmad +971552066884

240ء میں وہ اپنے دین کی تبلیغ پر مامور ہوا۔ کہتے ہیں کہ ایک فرشتے نے خواب میں آ کر مانی کے باپ کو عورت، شراب اور گوشت سے پرہیز کی ہدایت کی تھی کیونکہ اس کے ہاں ایک غیر معمولی بیٹا پیدا ہونے والا تھا۔ روایت ہے کہ اسی واقعہ کے باعث فاتک ننھے مانی کو لے کر دریائے فرات کے کنارے آباد صابیوں کے پاس چلا آیا اور بعد ازاں ان کے عقاید پر عامل ہو گیا۔ لیکن مانی نے ہوش سنبھالتے ہی اپنی نئی راہ نکالی۔ اس نے زرتشت کی تعلیمات، عیسائیت، بدھ مت اور دیگر مذاہب کا وسیع مطالعہ کیا۔ مانی نے حق کی تلاش میں متعدد ملکوں کے اسفار کئے اور اس سلسلہ میں وہ ہندوستان بھی آیا۔ ہندوستان کے سفر میں اس نے ہندو اور بدھ مت کے مذہبی پیشواؤں اور علماء سے ملاقاتیں کیں۔ مشہور مورخ گبن کے مطابق مانی نے حضرت عیسیٰؑ، گوتم بدھ اور زرتشت کی تعلیمات کو ملا کر ایک نئی مذہبی فکر کی بنیاد رکھی۔

مانی کے عقائد پر بات کرنے سے قبل ایک بار ماضی میں جھانکنا پڑتا ہے۔ زرتشت نے کہا تھا کہ انسان اپنے ارادے میں آزاد ہے۔ وہ اہورا مزدا (خدائے خیر) کا پیروکار بن کر نیک عمل کرے یا اہرمن (خدائے شر) کا مقلد بن کر بدی میں مبتلا ہو جائے۔ اسے اپنے اعمال کی جزا و سزا دوسری زندگی میں مل کے رہے گی۔ مانی زرتشت سے جزوی اختلاف کرتا ہوا کہتا ہے کہ دنیا کی زندگی اہوری مزدی ہے ہی نہیں بلکہ اہرمنی ہے۔ آدم و حوا بھی اہرمنی کی مخلوق ہیں لیکن ان میں ایزدی نور کا ایک ذرہ بھی محبوس ہے۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ یہ نور مادی جسم سے آزاد ہو کر عالم نور میں مل جائے۔ مانی کے نزدیک عدم اور وجود۔۔۔ نور اور ظلمت ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ ان کی باہمی آمیزش غیر طبعی ہے۔ لہٰذا ان میں جدائی لازم ہے۔ اسی بنیاد پر وہ کہتا ہے کہ دنیاوی زندگی حقیقی ہے نہ پائیدار۔ اگر یہ چند روزہ زندگی مستقل ہوتی تو اس میں تغیر نہ ہوتا۔ جو چیز تغیر پذیر ہے اس پر موت غالب آتی ہے۔ مانی کہتا ہے کہ برائیوں سے بچنے کے لئے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ اس کا مذہب خیر و شر کی کشمکش سے عبارت ہے جس میں نظریہ تناسخ کی آمیزش بھی واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔

مانی نے کائنات کے متعلق یہ نظریہ پیش کیا کہ اس میں ایک نیکی کا خالق ہے، دوسرا بدی کا۔ روشنی اور تاریکی کے اصول جاودانی ہیں۔ جو چیز اچھی اور مفید ہے، روشنی سے منسوب ہے۔ اور جو بری یا ضرر رساں ہے اس کا تعلق تاریکی سے ہے۔ پہلے یہ روشنی اور تاریکی الگ الگ تھیں۔ لیکن جب یہ آپس میں ملیں تو اس کے نتیجہ میں یہ کائنات وجود میں آئی۔ وہ کہتا ہے کہ جب یہ روشنی اور تاریکی پھر سے جدا ہو جائیں گی تو تمام کائنات ختم ہو جائے گی۔ اس کا خیال تھا کہ جو شخص دنیا میں رہ کر دنیا دارانہ زندگی بسر کرتا ہے وہ گویا بدیوں میں اضافہ کرنے کا موجب

Saeed Ahmad +971552066884

مانی کی تصور کردہ مذہبی معاشرت میں دو طبقات کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ اول، برگزیدہ لوگ اور دوئم سننے والے یا عام پیروکار۔ برگزیدہ لوگ دراصل بدھ مت کے بھکشوؤں کی طرح تھے۔ گوشت یا سبزی کھانا اور شراب پینا ان پر حرام تھا۔ وہ نہ کوئی پیشہ اختیار کر سکتے تھے اور نہ ہی شادی کر کے گھر بسانے کی انہیں اجازت تھی۔ ان پرہیزگاروں کو ہدایت تھی کہ ایک دن کی خوراک اور ایک سال کی پوشاک سے زیادہ اپنے پاس نہ رکھیں اور اپنا سارا وقت وعظ و نصیحت میں صرف کریں۔ البتہ عام پیروکار اس قسم کی ہر قید سے آزاد تھے۔

ڈاکٹر ظہور الدین احمد کے مطابق مانوی رات دن میں چار نمازیں پڑھتے تھے۔ ہر نماز میں بارہ مرتبہ سجدہ کرتے تھے۔ پرستش کے وقت گیت گاتے تھے، اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے بخشش طلب کرتے تھے اور زکوٰۃ دیتے تھے۔

مانویوں کی زندگی کے سات اصول تھے جن پر کاربند رہنا ان کا ایمان تھا۔ ان ضوابط کو ہفت مہر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(1) پدر زندگی کے ساتھ عشق۔ (2) اس بات پر ایمان کہ چاند اور سورج دونوں نورانی جسم ہیں۔ (3) آدم اول میں عناصر نورانی کا احترام کرنا۔ (4) مانی سے پہلے آنے والے پیغمبروں کی نبوت کا اقرار۔ (5) ناشائستہ کلمات سے پرہیز۔ (6) ناشائستہ پیشوں سے پرہیز۔ (7) ناشائستہ افکار سے پرہیز۔

شایاں قدوائی ''کتاب کی تاریخ'' میں رقمطراز ہیں کہ مانی ایک بلند پایہ مفکر و مصنف اور بہت بڑا کتاب ساز تھا۔ عرب حملے سے تین سو چالیس سال پہلے اور تین سو ستر سال بعد تک مانی کے مقلدین مصوری اور تصنیف و تالیف کے کاموں میں سرگرمی سے منہمک تھے۔ اس نے کئی کتابیں لکھیں، ایک کا نام شاپورگان تھا جو شاپور اول سے منسوب تھی اور پہلوی میں لکھی گئی تھی۔ باقی کتابیں سریانی میں تھیں۔ مانی کے مکتبہ فکر کی خصوصیت اس کی مصور کتابیں، اعلیٰ خطاطی، آرائش اور جلاکاری کی عمدگی ہے، اسی خصوصیت کی بنیاد پر مانوی فرقے نے کتاب سازی کے فن کو ایک جداگانہ مقام عطا کیا۔ ساسانی عہد کے فنون لطیفہ میں مانیوں کو درجہ کمال حاصل تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ فن اس وقت انہی پر منحصر تھا۔ تصویر کاری، مصوری، خطاطی اور کتاب سازی کی یہ روایت سلجوقی عہد تک مستحکم بنیاد پر قائم تھی۔ ایران سے باہر بھی، دور دور، کئی ممالک میں مانیوں نے اس لطیف فن کے حوالے سے دوسروں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ ماہرین آثار قدیمہ نے ایران کے مختلف علاقوں، ترکستان اور مصر سے کھدائی کے دوران مانی کی کتابوں کے ہزاروں اوراق دریافت کئے ہیں جن میں چند مکمل کتابیں بھی شامل ہیں۔ کتاب کی خطاطی اور مصوری کے فن میں مغربی ذہنوں پر مشرق کی

Saeed Ahmad +971552066884

عظمت کا سکہ مانی کی تحریک نے ہی بٹھایا جو آج تک جوں کا توں بیٹھا ہوا ہے۔

مانی ایک ماہر نقاش بھی تھا۔ اس نے نیکی اور بدی یعنی تاریکی اور روشنی کو مختلف تصاویر کی مدد سے اپنے نظریات کو واضح کرنے کے لئے استعمال کیا۔ تاکہ اس کے تعلیم یافتہ پیروکار اس کی تعلیم کو بہتر انداز میں ایک تخلیقی ذریعے کی وساطت سے سمجھ سکیں اور ان پڑھ بھی کچھ نہ کچھ استفادہ کر سکیں۔ مدتوں اس کی تصاویر کی شہرت رہی۔ آج بھی اسے نقاش پیغمبر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مانی نے اپنی تصاویر کا ایک مرقع بھی تیار کیا جو "ارژنگ مانی" کہلایا۔ جب اس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تو لوگوں نے معجزہ طلب کیا۔ روایت ہے کہ مانی اپنے پیغمبرانہ دعووں کے ثبوت کے طور پر بطور معجزہ اسی مرقع کو پیش کیا کرتا تھا۔

سبط حسن لکھتے ہیں کہ مانی کی تعلیمات نے بابل اور ایران سمیت مشرق و مغرب کو تیزی سے متاثر کیا۔ ایران کے بادشاہ شاہ پور کے دو بھائی مہر شاہ والی بابل اور پیروز والی خراسان مانی کے مقلد تھے۔ حتیٰ کہ ان کے بعد شاپور نے بھی اس نئے دین کو قبول کر لیا اور اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اور جانشین ہرمزد اول بھی مانی کی پیروی کرتا رہا لیکن ایک سال بعد جب بہرام اول تخت نشین ہوا تو زرتشت مذمت کے مبلغ طبقات کی پھر بن آئی۔ بہرام سخت عیاش اور نااہل حکمران تھا۔ لہٰذا اس نے زرتشتی کلیسا کی رضا اور خوشنودی میں ہی پناہ ڈھونڈنے میں عافیت سمجھی۔ سبط حسن کے بقول مشہور مورخ یعقوبی روایت کرتا ہے کہ بہرام اول نے مانی کو گرفتار کر کے حکم دیا کہ اگر تم سچے ہو تو زرتشتی علماء کے سربراہ سے مناظرہ کر لو۔ چونکہ نتیجہ کا فیصلہ زرتشتی علماء کی رائے پر منحصر تھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ مانی کو شکست ہوئی۔ مخالفین کے ہاتھوں اسے اور اس کے مقلدین کو شدید مصائب اٹھانے پڑے۔ بہرام اول کے زیر اہتمام منعقدہ نام نہاد مباحثے میں جب مانی ہار گیا تو الحاد کے جرم میں اس کی کھال کھینچ لی گئی اور سر قلم کر کے گندیشاپور (جندیشاپور) جیل کے مرکزی پھاٹک پر لٹکا دیا گیا۔ یہ واقعہ 276ء میں پیش آیا۔ بہرام چونکہ مانی اور اس کی تعلیمات کو انسانی نسل کے لئے خطرناک خیال کرتا تھا اس لئے اس نے مانی کے ماننے والوں کو بھی بعد ازاں چن چن کر قتل کیا۔ لیکن مورخین کا کہنا ہے کہ مانی کا مذہب پھر بھی خفیہ طور پر دسویں صدی عیسوی کے کچھ عرصہ بعد تک زندہ رہا۔ یاد رہے کہ عرب مورخین مانی اور مانویت کے پیروکاروں کے لئے لفظ "زندیق" استعمال کرتے رہے ہیں۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

بوئڈس

عہد حیات: 475ء۔ 526ء

قرون وسطیٰ کے علم الکلام کا محسن۔ ابن رشد کا غیر مسلم ہمسر۔ جس نے یورپی اقوام کو یونانی علوم سے متعارف کروایا۔ اس کا میدان علمی تھا نہ کہ سیاسی۔ لیکن وہ راستہ بھٹک کر دوسری طرف جا نکلا اور المناک انجام سے دوچار ہوا

بوئڈس قرون وسطیٰ کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اسے BOECE کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ پروفیسر وہاب اشرفی ادبیات عالم جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ "اس کی پیدائش کی قطعی تاریخ معلوم نہیں قیاس ہے کہ وہ 670ء اور 675ء کے درمیانی زمانہ میں روم میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ آڈوآسر (فرمانروائے اٹلی) کے عہد حکومت میں اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز تھا۔"

وہاب اشرفی آگے جا کر رقمطراز ہیں کہ "510ء میں وہ رومی امیر کی حیثیت سے سینٹ میں شامل ہوا۔"

قارئین! یہ کتنی مضحکہ خیز غلطی ہے۔ یعنی اشرفی صاحب کے بقول بوئڈس 510ء میں سینٹ کا رکن بنا اور وہ یہ رکنیت حاصل کرنے کے 160 یا 165 برس بعد پیدا ہوا۔
یہ غلطی سہواً ہی ہوئی ہو گی لیکن ہے سنگین۔ میرے نزدیک بوئڈس کی پیدائش 470ء سے 475ء کے درمیان ہوئی ہو گی کیونکہ "کرونولوجی آف ورلڈ ہسٹری" کے مطابق 475ء میں آڈوآسر نے خود کو فرمانروائے اٹلی قرار دیا۔ اشرفی صاحب کا لکھنا ہے کہ بوئڈس کا باپ آڈوآسر کے عہد حکومت میں اعلیٰ سرکاری منصب دار تھا لہٰذا بوئڈس کی پیدائش کا زمانہ بھی یہی

Saeed Ahmad +971552066884

قرار پاتا ہے جو آڈوآسر کے اٹلی کی حکومت سنبھالنے کا زمانہ ہے۔ بہرحال اب اس بحث سے گریز کرتے ہوئے ہم اپنے اصل تحریری ہدف یعنی بوئڈس کے حالات و واقعات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ بوئڈس ابھی بچہ ہی تھا کہ اس کے باپ کی وفات ہوئی۔ اس طرح وہ بچپن ہی میں باپ کے سایہ عاطفت سے محروم ہوگیا۔ بوئڈس کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت اس کے رشتہ داروں نے کی، جب وہ شخص 20 برس کا نوجوان تھا تو Ostrogoths کے راجہ تھیوڈورک نے روم کا سفر کیا جہاں پادریوں اور عوام نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اسی سفر کے دوران راجہ بوئڈس کی قابلیت اور علمیت سے بے حد متاثر ہوا۔ 510ء میں بوئڈس ایک رومی امیر کی حیثیت سے سینٹ میں شامل ہوا اور چند سال بعد ہی اسے قونصل مقرر کردیا گیا۔ امور مملکت کی مصروفیات کے بعد فرصت کے جو اوقات بوئڈس کو میسر آتے اس میں وہ تصنیف و تالیف کا کام انجام دیتا۔ بوئڈس نہ صرف خود قونصل تھا، بلکہ اس کے دو بیٹے بھی اس عہدے پر فائز تھے۔ گویا اس کی زندگی بے حد پرسکون اور ہر اعتبار سے اطمینان بخش تھی۔ مگر یہ اطمینان زیادہ دنوں تک باقی نہ رہا اور وہ معتوب ہوا۔

واقعہ یہ ہے کہ شاہ تھیوڈورک نے رومیوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کے پرانے حقوق بحال کرے گا۔ مگر اس وعدے کی تکمیل کی نوبت نہ آئی۔ اس وعدہ خلافی سے رومیوں میں زبردست برہمی پیدا ہوئی، خود بوئڈس بھی بددل ہوگیا اور اس نے باغیانہ طرز پر سوچنا شروع کردیا کہ وہ راجہ سے اس کی سلطنت کیونکر چھین سکتا ہے۔ بادشاہ کو بوئڈس کے ارادوں کا علم ہوا تو اس نے اس کو Pavia بھیج دیا جہاں اسے قید و بند کی زندگی گزارنی پڑی اور بعد ازاں بادشاہ کے فرمان کے مطابق 526ء میں اسے قتل کردیا گیا۔

بوئڈس ایک عالم تھا، اس کا میدان مطالعہ اور غور و فکر تھا نہ کہ سلطنت اور راجاؤں کا دربار۔ وہ غلطی سے آخرالذکر اس میدان میں نکلا آیا اور المناک انجام سے دوچار ہوا۔ بوئڈس قرون وسطیٰ کے علم الکلام کا Pioneer (نابغہ) مانا جاتا ہے۔ اس نے فلسفہ میں اقوام یورپ کے لئے وہی کارنامہ انجام دیا جو اسپین کے ابن رشد نے ملت اسلامیہ کے لیے انجام دیا۔ اس نے یونانی علوم کو یورپ میں روشناس کرایا، جس کے لیے یورپ کو بجا طور پر بوئڈس کا احسان مند ہونا چاہیے۔ اس نے فیثا غورث، بطلیموس، اقلیدس، ارشمیدس اور ارسطو کی تصانیف کا آزاد ترجمہ کیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس آزاد ترجمہ سے اس کا مقصد رومی قاریوں کو یونانی علوم و فنون سے روشناس کرانا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نے یہ کام

Saeed Ahmad +971552066884

بڑی دیانتداری سے انجام دیا۔

بوئٹس کا سب سے بڑا کارنامہ De consolatione Philosophiae ہے۔ اس کی شہرت کی بنیاد اسی پانچ جلدی کتاب پر ہے۔ یہ کتاب اس نے اس وقت لکھی جب وہ Pavia میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہا تھا۔ مذکورہ کتاب میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر باب کو نظم و نثر میں لکھا گیا ہے۔ اس میں جو بحثیں کی گئی ہیں وہ مکالمہ کی صورت میں ہیں۔ بوئٹس کسی مسئلہ پر اپنے اعتراضات اٹھاتا ہے اور پھر فلسفی اس کے مسائل پر روشنی ڈالتا ہے اور اس کے اعتراضوں کا جواب دیتا ہے۔ اس کتاب کا بنیادی موضوع ناموافق حالات میں تحمل، بردباری، استحکام اور انسانی مسرتوں کی عارضی نوعیت ہے۔ ظاہر ہے یہ موضوع خود اس کی زندگی کے نشیب و فراز سے عبارت ہیں۔ اس نے عروج بھی دیکھے تھے اور زوال بھی۔ زندگی کے ان نشیب و فراز نے اس کی فکر کو یقیناً متاثر کیا ہوگا۔ خصوصاً یہ مسئلہ ضرور ہی درپیش رہا ہوگا کہ موجودہ مصیبتوں میں اس کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔

"De consolatione Philosophiae" یورپ میں بہت معروف رہی اور اس کے کئی تراجم ہوئے۔ پہلا ترجمہ King Alfred نے کیا۔ چاسر نے بھی Boethius کے عنوان سے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ رانی الزبتھ اور دوسرے لوگوں نے بھی اس کے تراجم کئے ہیں۔ ان سے اس کتاب کی مقبولیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

مزدک

عہد حیات: 487ء۔ 528ء

مزدکیت نامی مذہب کا بانی اور ایرانی فلسفی جو مرد کو ماں، بہن اور بیٹی سے بھی شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک عورت مرد کی ازلی و ابدی کمزوری ہے

اپنے عجیب وغریب عقائد ونظریات پیش کر کے تاریخ کی متنازعہ اور مشہور شخصیت بن جانے والا مزدک 487ء کو نیشا پور میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام بامداد بتایا جاتا ہے۔ خراسان کے شہر نساء میں مزدک نے قباد اول کے عہد حکومت میں پیغمبری کا دعویٰ کیا اور ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی جو ارکان ثلاثہ یعنی آگ پانی اور خاک پر مشتمل تھا۔ اس مذہب کے عقیدوں میں سے سب سے اہم عقیدہ اشتراکیت ہے۔ یعنی دنیا بھر میں جتنے بھی انسان پیدا ہوتے ہیں ان کے حقوق مساوی ہیں اور انہیں کسی بھی بنیادی حق سے محروم نہیں رکھنا چاہیے۔ مزدک کی تعلیمات میں عدم مساوات، حرص اور لالچ نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کے بنیادی نظریات میں نور اور ظلمت کو اہم مقام حاصل ہے۔ اس نئے مذہب کو رواج دینے کا مقصد مانوی مذہب کی اصلاح کرنا تھا لہٰذا مزدک اپنے مقلدوں کو گوشت کھانے سے منع کرتا تھا، کیونکہ اس کا عقیدہ تھا کہ پاک روح کا تعلق گوشت کے ساتھ کچھ نہ کچھ ضرور رہا ہوتا ہے۔ وہ عورت کو گھریلو سامان یا ذاتی ملکیت سمجھنے کے خلاف ہے اور اسے غلام دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ اس کے عقیدے کے مطابق ایک مرد اپنی ماں، بہن اور بیٹی سے شادی کر سکتا ہے کیونکہ عورت

Saeed Ahmad +971552066884

مرد کی کمزوری ہے۔ ایران کے بادشاہ قباد اول پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ وہ نہ صرف خود اس کی تعلیمات کی طرف مائل ہوا بلکہ اس نے مزدک کی تحریک کی بھی بہت زیادہ مدد کی لیکن اس کے بیٹے خسرو نوشیرواں نے مزدک اور اس کے مقلدین کی بہت بڑی تعداد کو بے دردی سے قتل کر دیا۔ یہ قتل عام 528ء میں ہوا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

امرؤ القیس

عہد حیات: 500ء۔ 540ء

وہ سب سے بڑا جاہلی شاعر سمجھا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اسی کا معلقہ خانہ کعبہ میں لٹکایا گیا۔ اس کا کلام جنسی جذبات کی تشریح سے بھرا ہوا ہے

امرؤ القیس کے ذکر سے قبل چند تمہیدی سطور ضروری ہیں تا کہ عام قارئین یہ جان جائیں کہ سبعہ معلقات کیا ہیں اور عربی ادب میں انہیں کیا اہمیت حاصل ہے۔

سبعہ معلقات عربی زبان کی نظمیں ہیں۔ ان منظومات میں قدرتی مناظر کی اچھوتی عکاسی، نادر صحرائی تشبیہات، منفرد سراپا نگاری اور عشق و محبت کے دلچسپ واقعات کے علاوہ اعلیٰ اخلاقی مطالب کی جھلکیاں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ معلقات کے شعراء کی ایک فنی خصوصیت یہ ہے کہ اپنے خیالات کے اظہار میں ترتیب کا خیال نہیں رکھتے۔ گویا بات سے بات پیدا کرتے چلے جاتے ہیں لیکن آخر میں تمام غیر مرتب چیزیں ایک مرتب نتیجہ کی صورت میں سامنے آتی ہیں۔ عربی زبان کے ان منظوم شاہکاروں کو نہ صرف عربی زبان و ادب کی تاریخ میں مسلمہ اہمیت حاصل ہے بلکہ ادبی دنیا میں بھی ہمہ گیر شہرت اور مقبولیت ان کا مقدر ہو چکی ہے۔

عربوں میں شاعری کا ذوق فطری طور پر موجود تھا اور اس ذوق کا عملی اظہار سب سے زیادہ میلوں ٹھیلوں میں دیکھنے میں آتا تھا۔ میلوں میں سب سے بڑا میلہ مکہ کے قریب عکاظ میں لگتا تھا۔ عکاظ کے عظیم الشان اجتماع میں ہر عرب قبیلے کے لاتعداد چھوٹے بڑے شاعر اپنا کلام پیش کرتے۔ محفل مشاعرہ کئی کئی روز تک جاری رہتی۔ اس موقع پر جس شاعر کا کلام بہترین قرار پاتا اسے جاری سال کا سب سے بڑا شاعر تسلیم کر لیا جاتا اور مشہور روایت کے

Saeed Ahmad +971552066884

مطابق اس کا قصیدہ سونے کے پانی سے ایک خاص قسم کے ریشمی کپڑے پر لکھوا کر خانہ کعبہ میں لٹکایا جاتا۔ ایسے ہی قصائد کو معلقات کہا جاتا ہے یعنی لٹکائے ہوئے۔ جس شاعر کو بھی یہ اعزاز حاصل ہوتا اس کی شہرت سارے عرب میں پھیل جاتی تھی۔ ایسے قصائد جو معلقات کہلاتے ہیں ان کی تعداد کے متعلق اختلاف ہے لیکن مشرقی ممالک کے ان تمام مدارس میں جہاں عربی زبان کی تعلیم دی جاتی ہے مشہور سبعہ معلقات ہی پڑھائے جاتے ہیں جو مندرجہ ذیل سات شعراء کے زور قلم وفکر کا نتیجہ ہیں:

(۱) امرؤالقیس (۲) زہیر بن ابی سلمٰی (۳) عمرو بن کلثوم (۴) طرفہ ابن عبدالبکری

(۵) عنترہ بن شداد (۶) لبید بن ربیعہ اور (۷) حارث بن حلزہ۔

اس بات پر تمام محققین کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلے امرؤالقیس کا قصیدہ یا معلقہ ہی خانہ کعبہ میں لٹکایا گیا تھا۔ آیئے اب دیکھیں کہ دور جاہلیت کا یہ عظیم ترین شاعر تھا کون؟

جس طرح فارسی شعراء میں حافظ اور سعدی ۔۔۔ اور اردو میں میر و غالب عظمت کا نشان سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح امرؤالقیس عربی شاعری کی تاریخ میں ایک روشن مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا نام ابو حارث، لقب امرؤالقیس اور کنیت ابو وہب تھی۔ نسلاً قحطانی یمنی تھا۔ ''گمراہ بادشاہ'' اور ''زخموں والا'' کہہ کر بھی پکارا جاتا تھا۔ امراؤ ماں اور باپ دونوں طرف سے بادشاہوں کے خاندان کا نہ صرف فرد بلکہ شہزادہ تھا۔ کیونکہ اس کا باپ حجر بنو اسد کا آخری بادشاہ تھا اور اس کے آباؤ اجداد قبیلہ کندہ کے شریف ترین اور نامور بزرگ تھے۔ اس کی ماں فاطمہ قبیلہ تغلب کے سردار کی بیٹی اور نامور شاعر اور شہسوار مہلہل اور کلیب کی بہن تھی۔

امرؤالقیس نے نجد میں پرورش پائی جو اس کے باپ کی عملداری میں تھا۔ بنو اسد کے اس مسکن میں وہ امراء کے بچوں کی طرح بہت ناز و نعم میں پلا بڑھا اور جوان ہوا۔ ہاتھ پاؤں نکالنے کی دیر تھی کہ شکار، کھیل کود، شراب نوشی اور عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ لڑکیوں سے عشق بازی اور عورتوں سے معاملہ بندی کے واقعات کو تمام تر جزئیات سمیت نظم کرنا اور فحاشی کی حد تک اظہار تغزل دن رات کا مشغلہ بن گیا۔

ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی ''تاریخ عربی ادب'' میں لکھتے ہیں کہ امرؤالقیس کا والد اس کی ان حرکات کی وجہ سے خفا رہتا تھا۔ اس نے پیار سے لے کر سختی تک ہر حربہ امرؤالقیس پر آزمایا لیکن اس نے راہ راست پر آنا تھا نہ آیا۔ تنگ آ کر باپ نے گھر سے نکال باہر کیا۔ اب تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا والی بات ہوئی۔ جب گھر بار خاندان اور اس کے وقار کے بندھنوں سے آزادی مل گئی تو نوجوان امرؤالقیس خوب کھل کھیلا۔ ہوتے ہوتے ہم مزاج لڑکوں کی

Saeed Ahmad +971552066884

اچھی خاصی منڈلی بن گئی۔ رات ہو یا دن یہ لوگ ایک ہی معمول کے پابند تھے۔ چشمہ بہ چشمہ گھومتے، ایک تالاب سے دوسرے پر چلے جاتے، شراب پیتے، داد عیش و عشرت دیتے اور لونڈیوں کے ناچ گانے کا لطف اٹھاتے۔

ایک دن بے فکروں اور آوارہ گردوں کا یہ قافلہ حضر موت کے ایک قریبی گاؤں "دمون" میں تھا کہ ایک عجیب خبر آئی۔ یہ خبر "قصائد سبعہ معلقات" کے مترجم امیر حسن نورانی کی زبانی سنتے ہیں:

امرؤ القیس نشہ میں مدہوش اور شاعری میں غرق تھا کہ کسی نے اسے خبر پہنچائی کہ بنو اسد کے لوگوں نے اس کے باپ کو قتل کر دیا۔ یہ خبر سنتے ہی نشہ ہرن ہو گیا اور وہ باپ کا بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے قسم کھائی کہ جب تک قاتل کے قبیلے کے سو آدمی قتل نہ کر دوں تب تک شراب اور گوشت مجھ پر حرام ہے۔ اس کے بعد امرؤ القیس نے اپنے ہمدرد قبائل کی مدد سے قبیلہ بنو اسد کے بہت سے آدمی قتل کر دیئے لیکن ابھی قسم پوری نہ ہوئی تھی۔ اس لئے وہ مزید لشکر جمع کرنے کے لئے تگ و دو کرنے لگا۔ لیکن اس دوران میں حیرہ کے بادشاہ نے بعض قبائل کو اس کے خلاف بھڑکا دیا اور ایران کے بادشاہ انوشیروان نے بھی شاہ حیرہ کے طلب کرنے پر ایک فوجی دستہ بطور امداد روانہ کر دیا۔ اب امرؤ بن القیس کے لئے ممکن نہ تھا کہ اتنی منظم سپاہ سے کھلے میدان میں مقابلہ کرے۔ مجبوراً اس نے پسپائی اختیار کی۔ ساتھی منتشر ہو گئے اور امرؤ سموال بن عادیہ نامی ایک سردار کی پناہ میں چلا گیا۔ اب اس نے یہ کیا کہ اپنی لڑکی اور تمام ہتھیار سموال کے پاس رکھوا کر اس سے ایک سفارشی رقعہ لکھوانے کے بعد شام کے حاکم حارث بن شمر کے پاس گیا تا کہ اس کے ذریعے قیصر روم سے فوجی امداد حاصل کر سکے۔ پہلے تو قیصر نے حارث کا خط پڑھ کر امرؤ کی مدد کے لئے ایک فوجی دستہ تیار کرنے کا حکم دے دیا لیکن اسی دوران کسی مخالف نے قیصر سے کہا کہ امرؤ القیس آپ کو برا بھلا کہتا ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اس کی آپ کی بیٹی سے خط و کتابت ہے۔ اس پر قیصر روم یوستنیانوس کو بے حد غصہ آیا اور اس نے دل ہی دل میں امرؤ القیس کو ختم کرنے کی ٹھان لی۔ بظاہر تو اس نے کوئی رد عمل ظاہر نہ کیا لیکن رخصت کرتے وقت امرؤ القیس کو انعام کے طور پر ایک خلعت دیا جو بہت تیز قسم کے زہر میں بجھا ہوا تھا۔ جب امرؤ القیس اسے پہن کر چلا تو اس کے سارے جسم پر چھالے پڑ گئے اور کھال اتر گئی۔ زہر کا اثر تمام اعضا میں سرایت کر گیا۔ وہ قسطنطنیہ سے نکل کر کچھ ہی دور گیا تھا کہ موت نے آن دبوچا اور یوں وہ باپ کے قاتلوں سے بدلہ لینے کی حسرت دل ہی میں لے کر اس دنیا سے رخصت ہوا۔ امرؤ القیس کو

Saeed Ahmad +971552066884

کب قتل کیا گیا اس امر پر مورخین، محققین اور تذکرہ نویسوں کا اتفاق نہیں ہے۔ بقول عبدالحلیم ندوی 540ء سے لے کر 560ء تک کی تاریخیں بیان کی جاتی ہیں۔ خود ندوی صاحب نے 540ء کو ترجیح دی ہے اور عربی ادب کے موضوع پر موصوف کی دسترس کے لحاظ سے ہم نے بھی زیر نظر تحریر میں یہی سنہ امرؤ القیس کے قتل کے سال کے طور پر اختیار کیا ہے حالانکہ عبدالوہاب اشرفی اور امیر حسن نورانی 539ء پر متفق ہیں۔

''تاریخ ادبیات عالم'' کے محقق و مولف اشرفی کہتے ہیں کہ وہ معرکتہ الآرا قصیدہ جسے معلقہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا اور جس نے امرؤ القیس کی شاعرانہ حیثیت کو عروج پر پہنچا دیا اپنے خالق کی ایک داستان محبت کا ترجمان ہے۔ ان کے بقول شاعر کو اپنی چچا زاد بہن عنیزہ سے محبت تھی۔ اگر ہم ذیل میں عربی ادب کے اولین معلقہ سے ایک دو منتخب اشعار کا ترجمہ پیش کر دیں تو یقیناً قارئین بیزار نہ ہوں گے۔ امرؤ القیس اپنی محبوبہ کا سراپا بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ترجمہ:

☆ تو میں نے اس کی زلفوں کی دونوں لٹیں پکڑ کر، اس کو اپنی طرف جھکایا، تو وہ بلاعذر جھک آئی، اس کی کمر بہت پتلی اور پنڈلیاں گداز تھیں۔

☆ اس کا شکم ستا ہوا، کمر باریک، رنگت گوری اور جسم چست ہے۔ سینہ آئینہ کی طرح چمکتا ہے اور جسم ڈھیلا ڈھالا نہیں ہے۔

☆ وہ اپنی ہرن جیسی خوشنما گردن بلند کرتی ہے۔ لیکن اس کی گردن ہرن کی طرح لمبی اور بے ڈول نہیں ہے اور نہ زیور سے خالی ہے۔

امرؤ القیس کہتا ہے کہ میرا قرب حاملہ عورتوں کے علاوہ بچوں کو دودھ پلانے والی خواتین کو بھی اتنا مدہوش کر دیتا ہے کہ وہ یا تو اپنے پیٹ اور پہلو کے بچے کو بھول جاتی ہیں اور یا اس کی طرف متوجہ رہتے ہوئے بھی اپنے جسم کا زیریں نصف حصہ میرے نیچے سے نکالنے کو تیار نہیں ہوتیں۔ عربی ادب کے اس عظیم معمار کو اگر قبائلی جھگڑے نہ گھیر لیتے تو نجانے کیا کیا آفتیں ڈھاتا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

کی دلچسپی کے لئے چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں:

☆ ترجمہ: ''میری زندگی کا حاصل تین چیزیں ہیں، جو ایک شریف مرد کے لئے ضروری ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو تیرے پرکھوں کی قسم! مجھ کو اس بات کی قطعی پرواہ نہ ہوتی کہ میری عیادت کرنے والے میری زندگی سے مایوس ہو کر کس وقت سرہانے سے اٹھ کر چلے گئے۔ (یعنی میں تو تین چیزوں کے سہارے پر زندہ ہوں۔ مرنے کا مجھے غم نہیں۔ تین چیزیں اگلے شعر میں بیان کرتا ہے)

☆ ان تین چیزوں میں جو زندگی کا حاصل ہیں، ایک وہ سرخ اور سیاہی مائل شراب ہے جو میں پیتا ہوں۔ اور جس میں پانی ملا دیا جائے تو تیزی کے باعث اس میں سے جھاگ نکلنے لگے۔

☆ اور دوسری چیز جس کے لئے میں زندہ ہوں، وہ یہ ہے کہ جب کوئی مظلوم فریاد رسی کے لئے مجھے پکارتا ہے، تو میں عجلت کے ساتھ تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر اس کی مدد کے لئے پہنچ جاتا ہوں۔ اور وہ گھوڑا ایسا ہے کہ اگلے پیر میں کجی ہے، اور وہ اس بھیڑیے کی مانند ہے جو غضا (ایک عرب جھاڑی جس کے نیچے بسیرا کرنے والا بھیڑیا انتہائی خطرناک تصور کیا جاتا ہے) کے درخت کے نیچے رہتا ہو اور پیاس کی شدت کے باعث پانی پینے جا رہا ہو۔

☆ اور میری زندگی کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ جس دن آسمان پر کالی گھٹائیں جھوم رہی ہوں، اور کیف آور فضا ہو، اس وقت ایک نازک اندام، حسین محبوبہ میرے ساتھ اس خیمے میں محو دلداری ہو، جو چوبوں پر قائم کیا گیا ہو، اور نہایت امیرانہ شان و شوکت سے سجا ہوا ہو۔ اور میں اس کے ساتھ محو اختلاط ہوں اور دن چھوٹا معلوم ہو۔

طرفہ کے معلقہ میں تخیل کی بلندی، معنی کی گہرائی، انداز بیان کی دلکشی، اور نادر تشبیہات کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ اس کے موضوعات میں فلسفہ حیات و ممات اور حکمت و دانائی کا بیان بھی انوکھے انداز میں ملتا ہے، یہی وہ خصوصیات ہیں جو اسے دیگر معلقات کے شعراء سے ممتاز کرتی ہیں۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

طرفہ بن العبد ربیعی

عہد حیات: 527ء۔ 552ء

شراب، محبت اور جوہر مردانہ ..... یہی اس کی شاعری کے رنگ ہیں۔ اس کی موت عربی ادب کی تاریخ کا المناک ترین حادثہ ہے۔ اگر زندگی وفا کرتی تو وہ عربی زبان کا سب سے بلند مرتبہ شاعر ہوتا

طرفہ کا پورا نام عمرو طرفہ بن العبد ہے۔ اس کا سلسلہ نسب قبیلہ بکر بن وائل سے ملتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسے طرفہ بن العبد البکری بھی لکھا جاتا ہے۔ لیکن بکر بن وائل چونکہ قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ تھی لہٰذا ہم نے بجا طور پر اسے ربیعی لکھا ہے۔ دوسرا مسئلہ اس عظیم شاعر کی تاریخ پیدائش کا ہے، جو کہیں دستیاب نہیں۔ اکثر محققین اس امر پر متفق ہیں کہ اس کی موت 552ء میں پچیس سال کی عمر میں ہوئی۔ اگر موت کے وقت طرفہ کی عمر کا پچیس سال ہونا درست مان لیا جائے تو اس کی پیدائش کا سال 527ء قرار پاتا ہے۔

طرفہ مشہور جاہلی شاعر جریر بن عبدالمسیح (جسے عام طور پر المتلمس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) کا بھانجا اور دوسرے مشہور شاعر المرقش الاصغر کا بھتیجا تھا۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ بحرین میں رہا کرتا تھا۔ عبدالحلیم ندوی کے مطابق بچپن ہی سے باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ اس کے چچاؤں نے اس کے ساتھ بہت نازیبا سلوک کیا اور اس کی ماں وردہ کی جائیداد وغیرہ بھی غصب کر لی۔ طرفہ کو یہ ظلم بہت ناگوار گزرا۔ اس نے چچاؤں کی ہجو میں کچھ اشعار کہے جس سے فریقین کے درمیان کشیدگی بہت بڑھ گئی۔

اہل خاندان سے بگاڑ پیدا کر لینے کے بعد طرفہ گھر سے نکل پڑا اور شراب و شباب میں کھو گیا۔ جو جمع پونجی تھی سب لٹ گئی تو واپس لوٹ کر بھائی سے مدد مانگی۔ بھائی نے کچھ پیسے

Saeed Ahmad +971552066884

دیئے جو اس نے سوچ سمجھ کر خرچ کرنے کی بجائے پرانی سرگرمیوں کی نذر کر دیئے۔ اب گھر جانے کی ہمت نہ تھی لہٰذا حیرہ کے بادشاہ عمرو بن منذر کے دربار کا رخ کیا۔ کہتے ہیں کہ اس سفر میں اس کا ماموں المتلمس بھی ساتھ تھا۔ عمرو بن منذر اپنے زمانے کا بہت بڑا شاعر نواز، علم دوست اور ادب پرور تھا۔ چنانچہ اس نے ان دونوں کی خوب آؤ بھگت کی اور انہیں اپنے بھائی قابوس کے حاشیہ نشینوں میں شامل کر دیا۔ قابوس بہت خوش باش، سیر و شکار کا دلدادہ، شباب کا شکاری اور شراب کا رسیا تھا۔ ان سرگرمیوں میں طرفہ بھی دلجمعی سے حصہ لیتا رہا لیکن اس کے باوجود جتنی مراعات اور اپنائیت کی اسے خواہش تھی، وہ نہ مل سکی۔ اب بھی حسب معمول شاہی محل کے دروازے پر انتظار کا طویل عرصہ گزارنے کے بعد باریابی کا اذن ہوتا تھا۔ حکمران سے بات چیت اور طرز عمل میں فرق مراتب اور مروجہ آداب کا مکمل لحاظ رکھنا پڑتا تھا لہٰذا آزاد فضا میں آزادی سے پلے بڑھے نوجوان عرب شاعر پر ان پابندیوں کا منفی اثر مرتب ہونا شروع ہو گیا۔ جوں جوں دن گزرتے گئے تعلقات میں دراڑیں آنے لگیں۔ طرفہ اس نیم غلامانہ زندگی سے عاجز آ گیا، اس کے دل میں حیرہ کے حکمران اور اس کے بھائی کی طرف سے گرہ پڑ گئی۔ ہوتے ہوتے بات یہاں تک پہنچی کہ طرفہ نے اپنے دونوں ممدوحین کی ہجو کہہ ڈالی۔ عمرو بن منذر کو اس حرکت کا علم ہوا تو اس نے فوری ردعمل ظاہر کرنے کی بجائے موقع ملنے پر حساب چکتا کرنے کا فیصلہ کیا۔

کچھ عرصہ بعد عمرو بن منذر نے کہا کہ شاید تم دونوں اب اپنے وطن واپس جانا چاہتے ہو۔ المتلمس اور طرفہ نے آمادگی ظاہر کر دی تو اس نے بحرین کے گورنر کے نام دو خط لکھے اور دونوں کو دے کر کہا کہ جاؤ اور بحرین کے گورنر سے اپنا پورا انعام حاصل کر لو، میں نے اسے لکھ دیا ہے کہ تمہیں اچھے صلے سے نوازے۔ امیر حسن نورانی لکھتے ہیں کہ دونوں خط مہر بند تھے۔ ماموں بھانجا بحرین روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک جگہ پہنچے تو متلمس کو کچھ شبہ ہوا کہ انعام کے لئے الگ الگ خط کیوں لکھے گئے۔ حیرہ کا بادشاہ اس ایک مقصد کے لئے صرف ایک مکتوب بھی لکھ سکتا تھا۔ اس شک کو دور کرنے کے لئے اس نے ایک لڑکے کو اپنا خط پڑھوایا۔ خط میں لکھا تھا: ”خط کا حامل جب تمہارے پاس پہنچے تو اس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹوا کر زندہ درگور کر دینا۔ یہ سن کر متلمس نے مکتوب ضائع کر دیا اور طرفہ کے پیچھے لپکا لیکن اسے نہ پا سکا۔ بعض راوی کہتے ہیں کہ طرفہ اسے مل گیا اور جب متلمس نے اسے اپنے خط کا ماجرا سنا کر کہا کہ تم بھی اپنے خط کا مضمون معلوم کر لو تو وہ اپنے ماموں کا مذاق اڑانے لگا اور بولا کہ میرے بارے میں ایسا حکم دینے کی ہمت عمرو کو نہیں ہو سکتی۔ یہ خوش فہمی اور غرور کی انتہا تھی۔ چنانچہ وہ بدستور اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہا اور بحرین کے گورنر کے پاس جا پہنچا۔ اس

Saeed Ahmad +971552066884

نے طرفہ سے خط لیا، کھولا، پڑھا اور خط کی تحریر پر عمل کرتے ہوئے طرفہ بن العبد کو قتل کروا دیا۔ اس وقت طرفہ کی عمر صرف 25 سال تھی۔ یہ واقعہ 552ء میں پیش آیا۔

اس قصہ کی روایتوں میں شدید اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ طرفہ نے عمرو کے دربار میں جانے سے قبل ہی اس کی ہجو کہہ رکھی تھی اور یہ ہجو کس قدر لغو تھی اس کا اندازہ محض ایک شعر سے لگایا جا سکتا ہے:

ترجمہ: ''کاش عمرو بادشاہ کی جگہ ہمارے لئے ایک دودھ دینے والی گائے یا بکری ہوتی جو ہمارے گھروں کے اردگرد ممیاتی رہتی۔''

اس ہجو کی خبر عمرو کو بھی تھی لیکن اس نے دل کی بات دل ہی میں چھپائے رکھی اور دربار میں آمد پر دونوں شاعروں کی خوب پذیرائی کی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی انتقامی سوچ مراعات اور نوازشوں کی بھرمار میں اس وقت تک کھوئی رہے جب تک مناسب وقت اور موقع ہاتھ نہ آ جائے۔ ایسا خیال کرنے والوں کا کہنا ہے کہ متلمس نے جب خط کا متن سنا تو بھاگ کر شاہان شام کے پاس چلا گیا اور طرفہ اس کے منع کرنے کے باوجود بحرین کے گورنر کے پاس گیا۔ گورنر نے خط پڑھا لیکن طرفہ کے قبیلے کے ڈر سے اسے قتل کرنے کی ہمت نہ کی۔ اس پر عمرو نے اس کی جگہ قبیلہ بنو تغلب کے ایک شخص عبد ہند کو گورنر بنا کر بھیجا اور طرفہ اس کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ بقول ندوی اسے ہجر میں دفنایا گیا۔

ابن قتیبہ ''الشعر والشعراء'' میں اس قتل کا سبب یہ بتاتا ہے کہ طرفہ جب عمرو کی حاشیہ نشینی میں تھا تو ایک دن عمرو کی بہن نے اوپر سے جھانک کر نیچے دیکھا تو اس کا عکس اس پیالے میں پڑا جس میں طرفہ شراب پی رہا تھا۔ نوجوان شاعر نے اس قیامت خیز حسن کا نظارہ کر کے برجستہ یہ شعر کہا:

ترجمہ: ''ہرنی کی ہمسر! جس کے دونوں آویزے بجلی کی طرح چمک رہے ہیں، اگر سامنے بادشاہ نہ بیٹھا ہوتا تو وہ مجھے اپنے ہونٹوں کا بوسہ دیتی۔''

عمرو کو یہ کھلی بے باکی، گستاخی اور جسارت بہت بری لگی چنانچہ اس کا غصہ طرفہ کے قتل پر منتج ہوا۔ مولف ''تاریخ عربی ادب'' کا قول ہے کہ اکثر نے اس کی عمر بیس سال ہی بتائی ہے لیکن بعض شہادتیں ایسی ہیں کہ جن کی رو سے طرفہ کا پچیس سال کی عمر میں قتل کیا جانا زیادہ قرین قیاس ہے۔

دور جاہلی کے شعراء میں طرفہ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اپنی کم عمری میں ہی اس نے شاعری میں کمال حاصل کر لیا اور پھر اس کمال کو کبھی زوال نہ آ سکا۔ ''تاریخ ادبیات عالم'' کے مؤلف و محقق وہاب اشرفی کا کہنا ہے کہ طرفہ کا شہرۂ آفاق معلقہ اس زمانے کا سرمایہ ہے جب وہ اپنے اعزاء کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر گھر سے دور آزاد زندگی بسر کر رہا تھا۔ قارئین

Saeed Ahmad +971552066884

کی دلچسپی کے لئے چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں:

☆ ترجمہ: "میری زندگی کا حاصل تین چیزیں ہیں، جو ایک شریف مرد کے لئے ضروری ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو تیرے پرکھوں کی قسم! مجھ کو اس بات کی قطعی پرواہ نہ ہوتی کہ میری عیادت کرنے والے میری زندگی سے مایوس ہو کر کس وقت سرہانے سے اٹھ کر چلے گئے۔ (یعنی میں تو تین چیزوں کے سہارے پر زندہ ہوں۔ مرنے کا مجھے غم نہیں۔ تین چیزیں اگلے شعر میں بیان کرتا ہے)

☆ ان تین چیزوں میں جو زندگی کا حاصل ہیں، ایک وہ سرخ اور سیاہی مائل شراب ہے جو میں پیتا ہوں۔ اور جس میں پانی ملا دیا جائے تو تیزی کے باعث اس میں سے جھاگ نکلنے لگے۔

☆ اور دوسری چیز جس کے لئے میں زندہ ہوں، وہ یہ ہے کہ جب کوئی مظلوم فریادرسی کے لئے مجھے پکارتا ہے، تو میں عجلت کے ساتھ تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر اس کی مدد کے لئے پہنچ جاتا ہوں۔ اور وہ گھوڑا ایسا ہے کہ اگلے پیر میں کجی ہے، اور وہ اس بھیڑیے کی مانند ہے جو غضا (ایک عرب جھاڑی جس کے نیچے بسیرا کرنے والا بھیڑیا انتہائی خطرناک تصور کیا جاتا ہے) کے درخت کے نیچے رہتا ہو اور پیاس کی شدت کے باعث پانی پینے جا رہا ہو۔

☆ اور میری زندگی کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ جس دن آسمان پر کالی گھٹائیں جھوم رہی ہوں، اور کیف آور فضا ہو، اس وقت ایک نازک اندام، حسین محبوبہ میرے ساتھ اس خیمے میں محو دلداری ہو، جو چوبوں پر قائم کیا گیا ہو، اور نہایت امیرانہ شان وشوکت سے سجا ہوا ہو۔ اور میں اس کے ساتھ محو اختلاط ہوں اور دن چھوٹا معلوم ہو۔

طرفہ کے معلقہ میں تخیل کی بلندی، معنی کی گہرائی، انداز بیان کی دلکشی، اور نادر تشبیہات کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ اس کے موضوعات میں فلسفہ حیات وممات اور حکمت و دانائی کا بیان بھی انوکھے انداز میں ملتا ہے، یہی وہ خصوصیات ہیں جو اسے دیگر معلقات کے شعراء سے ممتاز کرتی ہیں۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

سوئی وین تی

عہد حیات: 541ء۔ 604ء

وہ ان چند عظیم بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے جنہوں نے تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ اس کے اقدامات کے اثرات نے صدیوں بعد چین کو دنیا کے طاقتور ترین ممالک کی صف میں لا کھڑا کیا

سوئی وین تی کہلانے والے اس چینی شہنشاہ کا اصل نام یانگ چین تھا۔ یانگ صدیوں سے دو حصوں میں منقسم چین کو پھر سے متحد کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کے قائم کردہ اس سیاسی اتحاد کے اثرات صدیوں تک باقی رہے اور نتیجہ کے طور پر چین دنیا کے انتہائی بااثر اور طاقتور ترین ممالک میں شمار ہونے لگا۔ اس کی کوششوں کا ایک نتیجہ یہ بھی برآمد ہوا کہ دنیا بھر کی کل آبادی کے پانچویں حصے پر مشتمل چین کی رعایا یورپ، مشرق وسطیٰ اور دنیا کے دیگر علاقوں کے باشندوں کے برعکس جنگ وغیرہ کے خدشات سے بالکل بے نیاز ہو گئی۔ اس فارغ البالی اور بے فکری کا باعث بھی یانگ کا قائم کردہ قومی اتحاد ہی تھا۔

یانگ چین شمالی چین کے ایک مقتدر خاندان میں 541ء میں پیدا ہوا، چودہ برس کی عمر میں اس کی اولین فوجی تقرری ہوئی۔ یانگ چین ایک قابل انسان تھا، اپنے شہنشاہ کے حضور وہ بڑی تیزی سے نمایاں ہوا جو "چاؤ" خاندان کا جانشین تھا۔ شمالی چین کے بیشتر حصے پر شہنشاہ کا تسلط قائم کرنے میں اس کی کاوشیں نمایاں اہمیت کی حامل تھیں۔

573ء میں یانگ چین کی بیٹی ولی عہد سے بیاہی گئی۔ پانچ سال بعد شہنشاہ مر گیا۔ ولی عہد ذہنی طور پر معذور تھا، سو اقتدار پر قبضہ کے لیے جوڑ توڑ شروع ہوئی۔ یانگ چین اس میں فتح مند ہوا۔ لیکن وہ شمالی چین کی بادشاہت پر اکتفا نہ کرتے ہوئے 588ء میں جنوبی چین پر

Saeed Ahmad +971552066884

حملہ آور ہوا۔ حملہ کامیاب ثابت ہوا اور 589ء میں وہ پورے چین کا شہنشاہ بن گیا۔

اپنے دور اقتدار میں سوئی وین تی نے متحد سلطنت کے لئے ایک وسیع و عریض دارالخلافہ تعمیر کیا۔ اس نے ایک عظیم نہر کی تعمیر بھی شروع کروائی جو چین کو دو بڑے دریاؤں سے ملاتی تھی۔ وسطی چین میں دریائے یانگٹزی اور شمالی چین میں دریائے ہوانگ ہو (یا زرد دریا) اسی ندی کے ذریعے باہم متعارف ہوئے۔ یہ نہر جو اس کے بیٹے کے دور میں مکمل ہوئی۔ بعد ازاں شمالی اور جنوبی چین کو متحد رکھنے میں نہایت مدد و معاون ثابت ہوئی۔

شہنشاہ کی اہم ترین اصلاحات میں سے ایک سرکاری اہل کاروں کے انتخاب کے لئے سرکاری نوکری کے امتحانات کا اجراء تھا۔ کئی صدیوں تک اس نظام نے چین کے ہر گوشے اور ہر طبقے سے ہونہار اور قابل لوگوں کو سرکاری ملازمت دے کر حکومت کو بہترین انتظامیہ مہیا کی۔

سوئی وان تی نے یہ "قانون" بھی عائد کیا کہ صوبائی گورنران صوبوں میں تعینات نہیں ہوسکتے جہاں وہ پیدا ہوئے ہوں۔ یہ ایک احتیاطی تدبیر تھی، اقرباء پروری کو روکنے اور ساتھ ہی اس امکان کو دور کرنے کے لئے کہ کوئی گورنر اپنے صوبے میں حمایت حاصل کر کے طاقت ور نہ ہو جائے۔

اپنے عہدے کے اعتبار سے سوئی وان تی کے پاس کسی بھی بڑے اقدام کے اختیار موجود تھے لیکن وہ عمومی طور پر ایک محتاط انسان تھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دیگر ایسے ہی کامیاب حکمرانوں اور فاتحین کی نسبت سوئی وان تی میں خود اعتمادی کا فقدان تھا۔ اگرچہ وہ لاکھوں لوگوں کا کامیاب فرمانروا تھا، تاہم اسکی قابل بیوی اس کی سب سے بڑی معاون اور مشیر تھی۔ اس کے اقتدار حاصل کرنے اور پھر دور حکمرانی میں بھی وہی اس کی غیر اعلانیہ صلاح کار رہی۔ سوئی وان تی 604ء میں تریسٹھ برس کی عمر میں فوت ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے ملکہ کے لاڈلے بیٹے نے موت کے گھاٹ اتارا جو وقت آنے سے پہلے ہی اقتدار حاصل کرنے کا خواہشمند تھا۔ ان روایات کی تصدیق یوں بھی ہوتی ہے کہ یانگ چین کے قتل کے بعد اس کا مذکورہ بالا بیٹا ہی تخت نشین ہوا لیکن نااہلی کے باعث ملک میں برپا ہوئی بغاوت کو کچلتے کچلتے خود قتل ہو گیا۔ 618ء میں پیش آنے والے اس واقعے نے سوئی خاندان کو تو فنا کے گھاٹ اتار دیا لیکن یانگ چین کا قائم کردہ متحدہ چین مسلسل ترقی کرتا ہوا دنیا کا عظیم ملک بن گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

ابوجہل

عہد حیات: 553ء۔ 623ء

مکہ کے اسلام مخالف گروہ کا سردار۔ عرب جاہلیت کی صدیوں سے چھائی تاریکی کو اپنی تعلیمات سے نابود کر دینے والے دین فطرت کا سب سے بڑا مخالف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن۔ اس کا غرور سے تنا ہوا سر دو نوعمر مجاہدوں نے اڑا دیا

ابوجہل 553ء میں پیدا ہوا۔ اسلامی تاریخی کتب کے مطابق اصل نام عمرو ابن ہشام ابن مغیرۃ مخزومی تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے اسلام، پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کی توہین کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ باپ دادا کے مذہب کا یہ رکھوالا اپنے حواریوں کی مدد سے ہر وقت اسلام دشمنی پر آمادہ رہتا تھا۔

دور جاہلیت میں اس کی کنیت ابوحکم تھی لیکن اس کی سیاہ کاریوں کے باعث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "ابوجہل" کہا، اور ایسا کہا کہ اس دن سے آج تک ساری دنیا کہتی آئی ہے۔

اس کے اکسانے پر کئی بار رسول اللہؐ اور صحابہ کرامؓ کو ظلم و ستم، طنز و استہزاء اور ناروا سلوک کا نشانہ بنایا گیا۔

یہ انتہا درجے کا ظالم اور سفاک اسلام دشمن 623ء میں معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ نامی دو نوعمر غازیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ حق کی مخالفت کرنے والے کا یہ عبرتناک انجام عموماً انسانی تاریخ اور خصوصاً اسلامی تاریخ کا موثر اور سبق آموز واقعہ ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

عثمانؓ بن عفان

ولادت: 576ء۔ شہادت: 655ء

دوران محاصرہ آپؓ نے فسادیوں سے کہا: ''یاد رکھو! اگر تم مجھے قتل کرو گے تو گویا اپنی تلوار اپنی گردن پر رکھ لو گے۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے اختلاف کو دور نہ کرے گا''۔ تاریخ نے یہ قول سچ کر دکھایا

آپ کا نام عثمان، کنیت ابوعمرو اور لقب ذوالنورین ہے۔ قبول اسلام کے بعد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا عقد ہوا تو ان کے بطن اطہر سے عبداللہ بن عثمانؓ پیدا ہوئے۔ تب سے آپ ابوعبداللہ کی کنیت کے حامل ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کا نام عفان جبکہ والدہ کا اسم گرامی اروی بنت کریز بیان کیا جاتا ہے۔ قبائلی تعلق قریش کی مشہور شاخ بنوامیہ سے تھا، جو ایام جاہلیت میں دوران جنگ قریش کا قومی پرچم ''عقاب'' اپنے ہاتھ میں رکھتی تھی۔ عربوں میں یہ بہت اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی۔

محمد یامین قریشی سہارنپوری ''تاریخ عثمانؓ'' میں رقمطراز ہیں کہ یوں تو حضرت عثمانؓ کی تاریخ ولادت کے باب میں مورخین باہمی اختلاف رائے کا شکار ہیں لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ آپ عام الفیل کے چھٹے برس (576ء) میں پیدا ہوئے۔ جائے ولادت عرب کا مشہور شہر طائف خیال کیا جاتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کا شمار ان چند ایک لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ آپ بہت نیک فطرت تھے۔ اسلام سے پہلے کی زندگی میں بھی ان کا دامن تمام آلودگیوں سے محفوظ رہا۔ شرم و حیا ان کے اعلیٰ اخلاق کا امتیاز تھا۔ اسلام قبول

Saeed Ahmad +971552066884

کرنے سے پہلے بھی آپ نے بت پرستی کی نہ شراب چکھی۔ جوانی میں انہوں نے اہل قریش کی عام روش کے مطابق تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ اپنی دیانت اور صداقت کے باعث تجارت کے میدان میں غیر معمولی کامیابیاں حاصل کیں۔ نتیجہ کے طور پر مکے کے معاشرے میں اپنے خاندان کے دیگر لوگوں کی طرح ممتاز، معزز اور دولت مند تاجر کی حیثیت سے معروف ہوئے اور غنی کے لقب سے پکارے گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے آپ کے گہرے مراسم تھے۔ ان ہی کی تبلیغ وتحریک پر جب آپ نے اسلام قبول کیا تو معززین قریش میں سے ہونے کے باوجود آپ کو سخت ایذائیں دی گئیں۔ لیکن آپ کے قدم ڈگمگانے یا لڑکھڑانے کی بجائے صراط المستقیم پر آگے کی طرف بڑھتے گئے۔

بعثت نبویؐ کے پانچویں سال حبشہ کی طرف ہجرت کرنیوالوں میں آپ اور آپ کی اہلیہ دختر رسولؐ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ ہجرت ثانی انہوں نے مدینہ کی طرف کی۔ آپ بہت مالدار تاجر، حد درجہ سخی اور فیاض تھے۔ اپنی دولت اسلامی فلاحی کاموں پر ہمیشہ خرچ کرتے رہے۔ غزوات کے موقع پر ان کا مال ہمیشہ مسلمانوں کی مدد اور اخراجات کے لئے حاضر رہتا تھا۔

حضرت عثمانؓ بن عفان نے عہد نبویؐ کے تمام غزوات میں حصہ لیا۔ حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت محمدؐ نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثومؓ کا نکاح بھی منشائے الٰہی کے مطابق حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ اسی وجہ سے انہیں ''ذوالنورین'' کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئے تو آپ نے ان کی ہر موقع پر مدد کی اور تمام اہم معاملات میں مشاورت فراہم کرتے رہے۔ ایسا ہی قابل تحسین کردار خلافت عمرؓ میں بھی ادا کیا۔

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد اکثریت رائے سے آپ مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ منتخب کئے گئے۔ آپ نے وصال عمرؓ کے تین دن بعد 644ء (محرم 24 ہجری) میں بیعت لی۔ خلافت عثمانؓ کی مدت لگ بھگ بارہ سال ہے۔ یہ عرصہ اسلامی فتوحات کا عہد زریں کہلاتا ہے۔ اس زمانے میں اسلام کی جغرافیائی حدیں سندھ سے اندلس تک وسعت پا گئیں۔ اسی دور میں پہلی بار اسلامی بحریہ منظم ہوئی، ایک عظیم بحری بیڑا قائم ہوا، قبرص اور روڈس جیسے جزیرے فتح کئے گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو بذریعہ کشتی 32ھ میں آبنائے باسفورس تک جا پہنچے۔ اس عہد میں دو طرح کی فتوحات حاصل ہوئیں۔ اول تو وہ ملک جو حضرت عمرؓ ہی

Saeed Ahmad +971552066884

ہوئی۔ منیٰ میں پوری نماز کی ادائیگی بھی لوگوں کو ناگوار گزری کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور اس سے پہلے خود حضرت عثمانؓ نے برسوں قصر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں اور غلاموں پر زکوٰۃ معاف کر دی تھی لیکن آپ نے وصول کی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے چچا حکم ابن العاص اور ان کے متعلقین کو مدینہ واپس بلا لیا۔ یاد رہے کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مدینے سے باہر نکالا تھا اور قبل ازیں حضرت عثمانؓ کی طرف سے اسے واپس بلانے کی درخواست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ اپنے اپنے دور میں رد کر چکے تھے۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حکم کو مدینے بلوایا، جس کا لوگوں پر بہت برا اثر پڑا"۔ کچھ لوگ سخت فاروقی قواعد و ضوابط کا دور گزرنے کے بعد حضرت عثمانؓ کے نرم اور رحمدلانہ مزاج کو بھی فسادیوں کے متحرک ہونے کی ایک وجہ بتاتے ہیں۔ لیکن اب ہم اس بحث کو یہیں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

وجوہات، اسباب، محرکات اور پس منظر جو بھی تھا۔ بہر حال جو نہیں ہونا چاہیے تھا وہ ہوا اور فسادی طبقہ حضرت عثمانؓ کے خلاف کھل کر منظر عام پر آ گیا۔ 35 ہجری کے اواخر میں باغیوں نے مدینے کا رخ کیا اور شہر میں پہنچ کر امیر المومنین کا مسجد میں آنا جانا دشوار بنانے کے بعد ان کے مکان کا سخت محاصرہ کر لیا جو کم و بیش چالیس دن جاری رہا۔ اس دوران حضرت عثمانؓ نے فسادیوں کو متعدد بار سمجھایا، لیکن کوئی بھی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ امیر المومنینؓ کی فسادیوں سے حفاظت کے لیے بعض اکابر صحابہؓ نے اپنے فرزندوں کو ان کے مکان کے باہر متعین کر دیا ان میں حضرت حسنؓ، حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ بے شمار دیگر خیر خواہ اور امن پسند بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے باغیوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت چاہی لیکن آپؓ نے فرمایا:

"جس پر میرا کچھ بھی حق ہے۔ میں اسے اللہ کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ وہ اپنا ہاتھ روکے اور اپنے گھر چلا جائے"۔ آخر نوبت بہ ایں جا رسید کہ خلیفہ سوم پر پتھراؤ ہوا، پانی اور غذا بند کر دی گئی اور گھر کو آگ لگائی گئی۔ حضرت عثمانؓ نے حیرت انگیز استقلال اور استقامت سے اس کڑی صورتحال کا سامنا کیا۔ اپنی حمایت میں آپ نے کسی کو جنگ کی اجازت نہ دی۔ آخر کار مسلمانوں پر زوال کا لمحہ آ گیا اور باغیوں نے گھر میں داخل ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس وقت شہید کر دیا جب وہ تلاوت کلام پاک میں مصروف تھے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر 80 سال سے زائد تھی۔ یہ المناک سانحہ 18 ذوالحجہ سنہ 35 ہجری کو جمعہ کے دن رونما ہوا۔

Saeed Ahmad +971552066884

کے دور میں فتح ہو گئے تھے لیکن بعد ازاں ایرانیوں اور رومیوں کی پشت پناہی سے بغاوت پر اتر آئے تھے، دوبارہ حلقہ اطاعت میں آئے اور دوم ایسے علاقے جو پہلے اسلامی فوجوں کے قدموں سے محروم تھے، وہ اسلامی مملکت کا حصہ بنے۔ اسلامی فوجوں نے اپنی جنگی حکمت عملی اور جذبہ ایمانی سے تونس، الجزائر، مراکش، طرابلس (لیبیا)، مشرقی افریقہ، اندلس، خراسان، طبرستان، جرجان، کابل، نیشاپور اور دیگر کئی علاقوں کو مفتوح و مطیع بنایا۔ عہد عثمانؓ میں فتوحات کے ساتھ ساتھ صنعت وحرفت، تجارت اور علوم وفنون میں بھی ترقی حاصل ہوئی۔ علاوہ ازیں فارغ البالی اور خوشحالی کا دور دورہ ہوا۔ ان تمام غیر معمولی واقعات کے باوجود دینی حوالے سے حضرت عثمانؓ کا سب سے بڑا کارنامہ تمام امت مسلمہ کو قرآن حکیم کی ایک قرات اور ایک مصحف پر متفق کرنا ہے۔ اسی تاریخی کارنامے کے باعث آپ کو "جامع القرآن" بھی کہا جاتا ہے۔

مورخین کا قریب قریب متفقہ بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال تو امن و عافیت سے گزرے لیکن دوسرے دور میں مشکلات سر اٹھانے لگیں۔ خلافت عثمانی کے دسویں سال کشیدگی پیدا ہوئی، جس میں بتدریج تیزی آئی اور پھر ایسا پرتشدد دور شروع ہوا جو ناگواری کے آخری مرحلے تک پہنچ گیا۔

"اسلامی تاریخ کے اہم موڑ" میں مولف و مرتب یاسر جواد کہتے ہیں کہ مخالفت تو خلافت عثمانؓ کے پہلے ہی دن عبیداللہ ابن عمرؓ کے قضیے کی صورت میں وجود میں آ گئی تھی لیکن خطرناک مخالفت آخر کے دو سالوں میں ہوئی اور اسلامی تاریخ پر اپنے نہایت بھیانک، عبرتناک اور ناقابل فراموش نتائج مرتب کر گئی۔

خلافت عثمانؓ کے آخری سالوں کے مفصل حالات کے لئے اسلامی تاریخوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ یہاں ہم اجمالی طور پر محض یہ کہنے پر ہی اکتفا کریں گے کہ اس بگاڑ اور فساد میں بہت سے عناصر کا حصہ تھا۔ عرب قبائل کی باہمی چپقلش، غیر مسلم اقوام اور علاقوں کی دائرۂ اسلام میں آمد، یہودیوں اور عیسائیوں کی سازشیں، عمال کی غیر ذمہ دارانہ روش اور بہت سے دوسرے عوامل اس فتنے کے ظہور کا باعث بنے۔ معروف محقق ڈاکٹر طہٰ حسین حالات بگڑنے کے بواعث گنواتے ہوئے حضرت عثمانؓ کے کچھ اقدامات کا بھی تذکرہ کرتے ہیں:

"حضرت عثمانؓ کے مخالف معترض تھے کہ انہوں نے عنان خلافت ہاتھ میں لیتے ہی عبیداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا اور اس پر ایک مقتول مسلمان اور دو ذمیوں کے قتل کی پاداش میں حد جاری نہ کی۔ یوں اللہ کی ایک حد معطل اور قرآنی حکم کی خلاف ورزی

Saeed Ahmad +971552066884

حضرت عثمانؓ کے قتل سے مسلمانوں میں انتشار، گروہ بندی، فرقہ پرستی اور نفاق کا آغاز ہوا۔ ''اقوال خلفائے راشدین'' کے مولفین لکھتے ہیں کہ: باغی حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کر رہے تھے کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: ''میں اپنے موقف پر قائم رہوں گا تا آنکہ اللہ نیک بندوں کو عزت عطا فرمائے اور بدبختوں کو ذلت بخشے''۔ منافقین اور شرپسندوں کو معلوم تھا کہ اگر انہوں نے فیصلہ کرنے میں تاخیر کی تو اسلامی نظام خلافت کے خیر خواہ متحد ہو کر خود ان کا قلع قمع کر دیں گے۔ لہٰذا ان بدبختوں نے حضرت عثمانؓ کے خون سے ناحق اپنے ہاتھ اور قرآن کے ورق رنگین کیے۔ دوران محاصرہ آپ نے فسادیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''یاد رکھو! اگر تم مجھے قتل کرو گے تو گویا اپنی تلوار اپنی گردن پر رکھ لو گے پھر اللہ تعالیٰ تم سے اختلاف کو دور نہ کرے گا''۔

تاریخ نے حضرت عثمانؓ کا ایک ایک لفظ سچ کر دکھایا۔ قتل عثمانؓ کی اطلاع پاتے ہی حضرت علیؓ نے فرمایا تھا: ''جاؤ! اب ہمیشہ کے لیے تمہارے واسطے ہلاکت اور بربادی ہے''۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کا قتل مسلمانوں میں نفاق کا ایسا بیج بو گیا جس سے نشوونما پانے والے زہریلے پودوں کا مہلک پھل نہ جانے کتنی صدیوں اور کتنی نسلوں تک فرزندان توحید میں زہر بانٹتا رہے گا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

حضرت عمرؓ

ولادت: 583ء۔ شہادت: 644ء

زخمی خلیفہ بولے: دیکھو کس نے مجھے قتل کیا۔ لوگوں نے غلام کا نام بتایا تو فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ میرا قاتل کوئی مسلمان نہیں بلکہ ایک ایسا شخص ہے جس نے کبھی اللہ کو سجدہ نہیں کیا

جب انصاف کے پیکر اور محافظ اسلام حضرت عمرؓ امت محمدی کے دوسرے خلیفہ قرار پائے تو اسلامی نظام حکومت اپنے بنیادی اور اولین خدوخال مرتب کر چکا تھا۔ سیدالمرسلین حضرت محمدؐ نے عربوں کی جہالت کے اندھیروں کو اسلام کے نور سے منور کیا۔ فتح مکہ کے نتیجہ میں اسلامی حکومت کے قیام کے کچھ ہی عرصہ بعد آپؐ وصال فرما گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منصب خلافت عطا ہوا۔ آپ کا دور زندگی سنہ پچاس قبل ہجری سے 636ء تک متعین کیا گیا ہے۔ محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور حکومت صرف ستائیس مہینے یعنی سوا دو سال پر محیط ہے۔ اس مختصر سے دور میں بہت کچھ ہوا۔ نبی کریمؐ کی وفات کے بعد ارتداد کا فتنہ اٹھا اور عرب قبائل نے شورشیں برپا کیں۔ قرآن حکیم کو یکجا کیا گیا۔ اسلامی افواج ایران، عراق اور شام کی حدود میں جا پہنچیں اور روم کے سرحدی حملوں کے خطرے کا سد باب ہوا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عربوں میں ایک سیاسی وحدت ہونے کا جو تصور پیدا کیا تھا اسے پختہ کرنے، عسکری فتوحات کے حصول اور اسلامی حکومت کے استحکام کے لئے آپ کے بعد بھی کسی غیر معمولی شخصیت کی قیادت کا اہتمام ضروری تھا۔ لہٰذا 634ء میں اپنی وفات سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ نامزد کیا۔

Saeed Ahmad +971552066884

حضرت عمرؓ کی ولادت مشہور روایات کے مطابق سنہ 40 قبل ہجری یعنی 583ء میں ہوئی۔ آغاز شباب میں عرب کے معمول کے مطابق نسب دانی، شہسواری، سپہ گری، پہلوانی، مقرری اور دیگر فنون میں کمال حاصل کیا۔ شاعری کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر تجارت کی طرف راغب ہوئے اور اسی کو وسیلہ معاش بنایا۔ تجارتی سفر و سیاحت سے آپ کو منافع کے ساتھ ساتھ تجربہ، قوت مشاہدہ، معاملہ دانی، خود داری اور بلند حوصلگی جیسی صفات بھی حاصل ہوئیں۔

بعثت نبویؐ کے چھٹے سال حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا۔ اسلام کی روز افزوں ترقی سے خائف قریشیوں کے ظلم و جبر سے تنگ آ کر بیس ساتھیوں کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اگر نماز دین کا ستون ہے تو اذان نماز کا ستون ہے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا اعزاز ہے کہ مدینہ میں بلالؓ نے پہلی اذان دی تو اس کا طریقہ حضرت عمرؓ کی تجویز کے مطابق رائج ہوا۔ فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے مردوں سے خود بیعت لی اور عورتوں سے بیعت لینے کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بطور خلیفہ نامزد اور تسلیم کئے گئے تو ملکی فتوحات کا آغاز ہو چکا تھا۔ شبلی نعمانی ''الفاروق'' میں لکھتے ہیں کہ اسلامی فوجوں کی مہمات کے آغاز ہی میں حضرت ابو بکرؓ کا انتقال ہو گیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام انہی مہمات کی انجام دہی تھا۔ انہوں نے اس طرف بھرپور توجہ مبذول کی اور وسیع تر اسلامی مملکت کے قیام کو ممکن بنایا۔ آپ کے دس سالہ دور خلافت میں ایران اور روم کی عظیم الشان سلطنتوں کے پرزے اڑ گئے۔ اسلامی افواج نے یادگار کارنامے سرانجام دیئے۔ مسلم عساکر خدا کا پیغام لے کر زمین کے چاروں کونوں کی طرف بڑھے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے شہروں تک اسلام کا پرچم اپنی تمام تر عظمتوں اور برکتوں کے ساتھ لہرانے لگا۔

شاہ معین الدین احمد ندوی ''تاریخ اسلام'' میں لکھتے ہیں کہ فتوحات سے بڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مذہبی بنیادوں پر ایسے آئین حکومت مرتب کر دیئے اور ایسا عادلانہ نظام قائم کر دیا جو مسلمانوں کی جملہ سعادتوں اور ترقیوں کا ضامن تھا اور جس سے بڑھ کر عادلانہ نظام اس دور ترقی میں بھی نہیں پیش کیا جا سکتا۔

فاروقی نظام خلافت میں تمام اہم فیصلوں پر عمل درآمد اہل الرائے صحابہؓ پر مشتمل مجلس شوریٰ کی حتمی منظوری کے بعد کیا جاتا تھا۔ عمال اور اہم عہدہ داروں کا انتخاب احتیاط اور

Saeed Ahmad +971552066884

اتفاق رائے سے عمل میں آتا تھا۔ فاروق اعظمؓ نے انتظامی اور عدالتی صیغوں کو ایک کی بجائے دو مستقل محکموں کی صورت دی۔ فوج کو نہایت وسیع اور منظم محکمہ بنایا۔ فاروقی عہد میں اسلامی فقہ کی ترقی بلکہ تکمیل ہوئی۔ آپ نے حرم محترم اور مسجد نبوی کی توسیع کروائی۔ لوگوں کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے متعدد ترقیاتی منصوبے تشکیل دے کر تکمیل کو پہنچائے گئے۔ سڑکیں، چوک، مسافر خانے، حوض، پل، نہریں، چوکیاں اور مساجد تعمیر ہوئیں۔ غیر اقوام کے حقوق اور ان کے ساتھ طرز عمل کے حوالے سے فاروق عہد عدل و مساوات کا نمونہ تھا۔ بیت المال کی حفاظت اور رعایا کی خبر گیری کو حضرت عمرؓ نے اپنی اولین ترجیحات میں شامل رکھا۔ غرضیکہ آپ کا عہد خلافت بیرونی فتوحات اور اندرونی اطمینان، دونوں حوالوں سے مثالی قرار دیا جانے کے قابل ہے۔

644ء کا سال اسلامی نظام خلافت کی فاروقی ترقیوں کی شہادت دیتا ہوا گزر رہا تھا کہ ایک سیاہ دن آ پہنچا۔ یہ دن عدل و انصاف کے عالمگیر استعارے فاروق اعظمؓ کی شہادت کا دن تھا۔ عبدالحکیم خاں نشتر اور عبدالحمید۔ ایم اے اپنی مشترکہ تصنیف ''تاریخ اسلام'' میں اس اندوہگیں واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

''26 ذی الحجہ، 23 ہجری، سہ شنبہ کو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے پارسی غلام ابولولوء فیروز نے فاروق اعظمؓ سے شکایت کی کہ اس کے آقا اس سے بہت زیادہ محصول لیتے ہیں۔ کم کرا دیں۔ آپ نے فرمایا: کتنا محصول لیتے ہیں۔ عرض کی: دو درہم روزانہ۔ پوچھا: کیا کام کرتے ہو؟ بولا: نجاری، آہن گری اور نقاشی۔ فرمایا: پھر تو یہ رقم زیادہ نہیں۔ اس پر وہ بدبخت غصے سے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ بعد ازاں عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت کیا: سنا ہے کہ تو ہوا سے چلنے والی چکی بنانا جانتا ہے۔ مجھے بھی ایسی چکی بنا دے۔ بدبخت کہنے لگا: بہت اچھا۔ میں ایسی چکی بنا کر دوں گا۔ جس کی آواز آفاق میں سنائی دے گی''۔ بعض مشہور روایات کے مطابق آپ نے اس غلام کے لہجے کی تلخی اور اس تلخی میں چھپی دھمکی کو محسوس کر لیا تھا۔ اگلے ہی دن 27 ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے وقت ابولولوء دو منہ والا خنجر لئے مسجد میں داخل ہوا۔ علامہ اسلم جیراج پوری ''تاریخ الامت'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت عمرؓ نماز پڑھا رہے تھے کہ اس نے خنجر سے ان پر کئی وار کئے۔ ایک زخم ناف کے نیچے لگا اور وہی ہلاکت کا باعث ہوا۔ پیچھے کی صف میں کلیب بن بکیر لیثیؓ تھے، وہ بھی ابو لولوء فیروز کے خنجر کا نشانہ بن کر جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ جب لوگوں نے اس کو پکڑا تو اس نے خودکشی کر لی۔ حضرت عمرؓ زخم کھا کر گر پڑے اور کہا کہ دیکھو، کس نے مجھے قتل کیا۔

Saeed Ahmad +971552066884

لوگوں نے غلام کا نام بتایا تو فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ میرا قاتل کوئی مسلمان نہیں بلکہ ایک ایسا شخص ہے جس نے اللہ کو کبھی سجدہ نہیں کیا۔"

بعد از نماز آپ کو گھر لایا گیا۔ اجل کا گہن آفتاب خلافت کی روشنی کو آہستہ آہستہ نگل رہا تھا۔ فاروق اعظمؓ جانتے تھے کہ زخم مہلک ہیں۔ لہٰذا اپنے جانشین کی نامزدگی کے لئے انہوں نے عثمانؓ بن عفان، علیؓ بن ابی طالب، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، زبیرؓ بن العوام اور سعدؓ بن ابی وقاص کو طلب کیا۔ حضرت طلحہؓ مدینہ سے باہر تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان پانچوں صحابہ سے کہا:

"تین دن تک طلحہ رضی اللہ عنہ کا انتظار کرنا۔ آ جائیں تو بہت اچھا۔ ورنہ تم ہی باہم مشورے سے اپنے آپ میں سے کسی ایک کو امیر منتخب کر لینا"۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

> "جو شخص امیر بنایا جائے میں اسے وصیت کرتا ہوں کہ وہ انصار کے حقوق پوری طرح ادا کرے، وہ تمہارے محسن ہیں۔ مہاجرین کے حقوق کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، وہی اسلام کی اصل ہیں۔ ذمیوں کا بھی بخوبی پاس و لحاظ رکھنا چاہیے۔ ان کے ساتھ ایفائے عہد کیا جائے۔ ان کے مخالفین سے جنگ کی جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے"۔

آپ کو حجرۂ نبوی میں دفن ہونے کی بہت آرزو تھی۔ اس لئے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو حضرت عائشہؓ کے پاس اس کی اجازت حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "یہ جگہ میں نے اپنے لئے محفوظ رکھی تھی لیکن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دوں گی۔" عبداللہ یہ جواب لائے تو آپ بے حد خوش ہوئے۔

یکم محرم الحرام، 24 ہجری (644) کو شنبہ کے روز 63 سال کی عمر میں فاروق اعظمؓ نے انتقال فرمایا۔ حضرت صہیبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے لحد میں اتارا۔ آپ ساڑھے دس سال تک منصب خلافت پر فائز رہے۔ 13 ہجری سے 23 ہجری تک محیط اپنے دور خلافت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلامی نظام حکومت و ریاست کا مکمل عملی خاکہ تیار کیا۔ آپ کا عہد ترقی اور سماجی انصاف کا عہد تھا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884

خسرو پرویز

عہد حکومت: 590ء ۔ 628ء

ساسانی خاندان کا عظیم شہنشاہ ۔ شیریں اسی کی محبوبہ تھی اور یہی وہ سیاہ بخت اور سرکش حکمران تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دعوت اسلام ملنے پر ان کا مقدس مکتوب چاک کیا اور بعد ازاں عبرت ناک انجام سے دوچار ہوا

''ادب نامہ ایران'' کے مطابق ساسانی خاندان کے عظیم المرتبت حکمران نوشیروان کی وفات کے فوراً بعد اس کے بیٹوں میں اقتدار کی کشمکش اور لڑائیوں کے ایک خونریز سلسلے کا آغاز ہرمز چہارم کی تخت نشینی پر منتج ہوا۔ نااہل ہرمز اپنے ایک بہادر جرنیل بہرام چوبیں کی توہین کے باعث اس کے عتاب کا نشانہ بن کر مارا گیا تو 590ء میں خسرو پرویز تخت نشین ہوا۔ حکومت سنبھالتے ہی اس نے بہرام کو صلح کی پیش کش کی لیکن جواب یہ آیا کہ اب ہمارا فیصلہ صرف تلوار کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اسی صورتحال نے خسرو اور بہرام کو میدان جنگ میں لاکھڑا کیا اور ایک خونریز لڑائی کے بعد خسرو نے شکست کھا کر روم کے بادشاہ مارس کے ہاں پناہ لی۔ یہ واقعہ 591ء میں پیش آیا۔ اس سال خسرو رومی بادشاہ سے مدد حاصل کر کے ایران لوٹا۔ اب کی بار میدان اس کے ہاتھ رہا اور بہرام فرار ہو گیا۔ بعد ازاں خسرو نے 628ء تک حکومت کی لیکن ہمیشہ سازشوں اور بحرانوں کا شکار رہا۔ یہ ایرانی تاجدار اپنے بیش بہا خزانوں، اعلیٰ نسل کے لاتعداد گھوڑوں، فلک بوس محلات اور سب سے بڑھ کر اپنی محبوبہ شیریں کی وجہ سے مشہور ہوا۔

یہ وہی سیاہ بخت، سرکش اور گستاخ خسرو پرویز ہے جسے رسول اللہؐ نے دعوت حق پیش

Saeed Ahmad +971552066884

نے طرفہ سے خط لیا، کھولا، پڑھا اور خط کی تحریر پر عمل کرتے ہوئے طرفہ بن العبد کو قتل کروا دیا۔ اس وقت طرفہ کی عمر صرف 25 سال تھی۔ یہ واقعہ 552ء میں پیش آیا۔

اس قصہ کی روایتوں میں شدید اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ طرفہ نے عمرو کے دربار میں جانے سے قبل ہی اس کی ہجو کہہ رکھی تھی اور یہ ہجو کس قدر لغو تھی اس کا اندازہ محض ایک شعر سے لگایا جا سکتا ہے:

ترجمہ: ''کاش عمرو بادشاہ کی جگہ ہمارے لئے ایک دودھ دینے والی
گائے یا بکری ہوتی جو ہمارے گھروں کے اردگرد ممیاتی رہتی۔''

اس ہجو کی خبر عمرو کو بھی تھی لیکن اس نے دل کی بات دل ہی میں چھپائے رکھی اور دربار میں آمد پر دونوں شاعروں کی خوب پذیرائی کی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی انتقامی سوچ مراعات اور نوازشوں کی بھرمار میں اس وقت تک کھوئی رہے جب تک مناسب وقت اور موقع ہاتھ نہ آ جائے۔ ایسا خیال کرنے والوں کا کہنا ہے کہ متلمس نے جب خط کا متن سنا تو بھاگ کر شاہان شام کے پاس چلا گیا اور طرفہ اس کے منع کرنے کے باوجود بحرین کے گورنر کے پاس گیا۔ گورنر نے خط پڑھا لیکن طرفہ کے قبیلے کے ڈر سے اسے قتل کرنے کی ہمت نہ کی۔ اس پر عمرو نے اس کی جگہ قبیلہ بنو تغلب کے ایک شخص عبد ہند کو گورنر بنا کر بھیجا اور طرفہ اس کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ بقول ندوی اسے ہجر میں دفنایا گیا۔

ابن قتیبہ ''الشعر و الشعراء'' میں اس قتل کا سبب یہ بتاتا ہے کہ طرفہ جب عمرو کی حاشیہ نشینی میں تھا تو ایک دن عمرو کی بہن نے اوپر سے جھانک کر نیچے دیکھا تو اس کا عکس اس پیالے میں پڑا جس میں طرفہ شراب پی رہا تھا۔ نوجوان شاعر نے اس قیامت خیز حسن کا نظارہ کر کے برجستہ یہ شعر کہا:

ترجمہ: ''ہرنی کی ہمسر! جس کے دونوں آویزے بجلی کی طرح چمک رہے
ہیں، اگر سامنے بادشاہ نہ بیٹھا ہوتا تو وہ مجھے اپنے ہونٹوں کا بوسہ دیتی۔''

عمرو کو یہ کھلی بے باکی، گستاخی اور جسارت بہت بری لگی چنانچہ اس کا غصہ طرفہ کے قتل پر منتج ہوا۔ مولف ''تاریخ عربی ادب'' کا قول ہے کہ اکثر نے اس کی عمر بیس سال ہی بتائی ہے لیکن بعض شہادتیں ایسی ہیں کہ جن کی رو سے طرفہ کا پچیس سال کی عمر میں قتل کیا جانا زیادہ قرین قیاس ہے۔ دور جاہلی کے شعراء میں طرفہ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اپنی کم عمری میں ہی اس نے شاعری میں کمال حاصل کر لیا اور پھر اس کمال کو کبھی زوال نہ آ سکا۔ ''تاریخ ادبیات عالم'' کے متولف و محقق وہاب اشرفی کا کہنا ہے کہ طرفہ کا شہرۂ آفاق معلقہ اس زمانے کا سرمایہ ہے جب وہ اپنے اعزاء کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر گھر سے دور آزاد زندگی بسر کر رہا تھا۔ قارئین

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

دیئے جو اس نے سوچ سمجھ کر خرچ کرنے کی بجائے پرانی سرگرمیوں کی نذر کر دیئے۔ اب گھر جانے کی ہمت نہ تھی لہٰذا حیرہ کے بادشاہ عمرو بن منذر کے دربار کا رخ کیا۔ کہتے ہیں کہ اس سفر میں اس کا ماموں المتلمس بھی ساتھ تھا۔ عمرو بن منذر اپنے زمانے کا بہت بڑا شاعر نواز، علم دوست اور ادب پرور تھا۔ چنانچہ اس نے ان دونوں کی خوب آؤ بھگت کی اور انہیں اپنے بھائی قابوس کے حاشیہ نشینوں میں شامل کر دیا۔ قابوس بہت خوش باش، سیر و شکار کا دلدادہ، شباب کا شکاری اور شراب کا رسیا تھا۔ ان سرگرمیوں میں طرفہ بھی دلجمعی سے حصہ لیتا رہا لیکن اس کے باوجود جتنی مراعات اور اپنائیت کی اسے خواہش تھی، وہ نہ مل سکی۔ اب بھی حسب معمول شاہی محل کے دروازے پر انتظار کا طویل عرصہ گزارنے کے بعد باریابی کا اذن ہوتا تھا۔ حکمران سے بات چیت اور طرز عمل میں فرق مراتب اور مروجہ آداب کا مکمل لحاظ رکھنا پڑتا تھا لہٰذا آزاد فضا میں آزادی سے پلے بڑھے نوجوان عرب شاعر پر ان پابندیوں کا منفی اثر مرتب ہونا شروع ہو گیا۔ جوں جوں دن گزرتے گئے تعلقات میں دراڑیں آنے لگیں۔ طرفہ اس نیم غلامانہ زندگی سے عاجز آ گیا، اس کے دل میں حیرہ کے حکمران اور اس کے بھائی کی طرف سے گرہ پڑ گئی۔ ہوتے ہوتے بات یہاں تک پہنچی کہ طرفہ نے اپنے دونوں ممدوحین کی ہجو کہہ ڈالی۔ عمرو بن منذر کو اس حرکت کا علم ہوا تو اس نے فوری ردعمل ظاہر کرنے کی بجائے موقع ملنے پر حساب چکتا کرنے کا فیصلہ کیا۔

کچھ عرصہ بعد عمرو بن منذر نے کہا کہ شاید تم دونوں اب اپنے وطن واپس جانا چاہتے ہو۔ المتلمس اور طرفہ نے آمادگی ظاہر کر دی تو اس نے بحرین کے گورنر کے نام دو خط لکھے اور دونوں کو دے کر کہا کہ جاؤ اور بحرین کے گورنر سے اپنا پورا انعام حاصل کر لو، میں نے اسے لکھ دیا ہے کہ تمہیں اچھے صلے سے نوازے۔ امیر حسن نورانی لکھتے ہیں کہ دونوں خط مہر بند تھے۔ ماموں بھانجا بحرین روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک جگہ پہنچے تو متلمس کو کچھ شبہ ہوا کہ انعام کے لئے الگ الگ خط کیوں لکھے گئے۔ حیرہ کا بادشاہ اس ایک مقصد کے لئے صرف ایک مکتوب بھی لکھ سکتا تھا۔ اس شک کو دور کرنے کے لئے اس نے ایک لڑکے کو اپنا خط پڑھوایا۔ خط میں لکھا تھا: "خط کا حامل جب تمہارے پاس پہنچے تو اس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹوا کر زندہ درگور کر دینا۔" یہ سن کر متلمس نے مکتوب ضائع کر دیا اور طرفہ کے پیچھے لپکا لیکن اسے نہ پا سکا۔ بعض راوی کہتے ہیں کہ طرفہ اسے مل گیا اور جب متلمس نے اسے اپنے خط کا ماجرا سنا کر کہا تم بھی اپنے خط کا مضمون معلوم کر لو تو وہ اپنے ماموں کا مذاق اڑانے لگا اور بولا کہ ایسا حکم دینے کی ہمت عمرو کو نہیں ہو سکتی۔ یہ خوش فہمی اور غرور کی انتہا ... منزل کی طرف بڑھتا رہا اور بحرین کے گورنر کے پاس جا پہنچا۔ اس

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

سوئی وین تی

عہد حیات: 541ء۔604ء

وہ ان چند عظیم بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے جنہوں نے تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ اس کے اقدامات کے اثرات نے صدیوں بعد چین کو دنیا کے طاقتور ترین ممالک کی صف میں لا کھڑا کیا

سوئی وین تی کہلانے والے اس چینی شہنشاہ کا اصل نام یانگ چین تھا۔ یانگ صدیوں سے دو حصوں میں منقسم چین کو پھر سے متحد کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کے قائم کردہ اس سیاسی اتحاد کے اثرات صدیوں تک باقی رہے اور نتیجہ کے طور پر چین دنیا کے انتہائی بااثر اور طاقتور ترین ممالک میں شمار ہونے لگا۔ اس کی کوششوں کا ایک نتیجہ یہ بھی برآمد ہوا کہ دنیا بھر کی کل آبادی کے پانچویں حصے پر مشتمل چین کی رعایا یورپ، مشرق وسطیٰ اور دنیا کے دیگر علاقوں کے باشندوں کے برعکس جنگ وغیرہ کے خدشات سے بالکل بے نیاز ہو گئی۔ اس فارغ البالی اور بے فکری کا باعث بھی یانگ کا قائم کردہ قومی اتحاد ہی تھا۔

یانگ چین شمالی چین کے ایک مقتدر خاندان میں 541ء میں پیدا ہوا، چودہ برس کی عمر میں اس کی اولین فوجی تقرری ہوئی۔ یانگ چین ایک قابل انسان تھا، اپنے شہنشاہ کے حضور وہ بڑی تیزی سے نمایاں ہوا جو ''چاؤ'' خاندان کا جانشین تھا۔ شمالی چین کے بیشتر حصے پر شہنشاہ کا تسلط قائم کرنے میں اس کی کاوشیں نمایاں اہمیت کی حامل تھیں۔

573ء میں یانگ چین کی بیٹی ولی عہد سے بیاہی گئی۔ پانچ سال بعد شہنشاہ مر گیا۔ ولی عہد ذہنی طور پر معذور تھا، سو اقتدار پر قبضہ کے لیے جوڑ توڑ شروع ہوئی۔ یانگ چین اس میں فتح مند ہوا۔ لیکن وہ شمالی چین کی بادشاہت پر اکتفا نہ کرتے ہوئے 588ء میں جنوبی چین پر

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

کی دلچسپی کے لئے چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں:

☆ ترجمہ: ''میری زندگی کا حاصل تین چیزیں ہیں، جو ایک شریف مرد کے لئے ضروری ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو تیرے پرکھوں کی قسم! مجھ کو اس بات کی قطعی پرواہ نہ ہوتی کہ میری عیادت کرنے والے میری زندگی سے مایوس ہو کر کس وقت سرہانے سے اٹھ کر چلے گئے۔ (یعنی میں تو تین چیزوں کے سہارے پر زندہ ہوں۔ مرنے کا مجھے غم نہیں۔ تین چیزیں اگلے شعر میں بیان کرتا ہے)

☆ ان تین چیزوں میں جو زندگی کا حاصل ہیں، ایک وہ سرخ اور سیاہی مائل شراب ہے جو میں پیتا ہوں۔ اور جس میں پانی ملا دیا جائے تو تیزی کے باعث اس میں سے جھاگ نکلنے لگے۔

☆ اور دوسری چیز جس کے لئے میں زندہ ہوں، وہ یہ ہے کہ جب کوئی مظلوم فریادرسی کے لئے مجھے پکارتا ہے، تو میں عجلت کے ساتھ تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر اس کی مدد کے لئے پہنچ جاتا ہوں۔ اور وہ گھوڑا ایسا ہے کہ اگلے پیر میں کجی ہے، اور وہ اس بھیڑیے کی مانند ہے جو غضا (ایک عرب جھاڑی جس کے نیچے بسیرا کرنے والا بھیڑیا انتہائی خطرناک تصور کیا جاتا ہے) کے درخت کے نیچے رہتا ہو اور پیاس کی شدت کے باعث پانی پینے جا رہا ہو۔

☆ اور میری زندگی کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ جس دن آسمان پر کالی گھٹائیں جھوم رہی ہوں، اور کیف آور فضا ہو، اس وقت ایک نازک اندام، حسین محبوبہ میرے ساتھ اس خیمے میں محو دلداری ہو، جو چوبوں پر قائم کیا گیا ہو، اور نہایت امیرانہ شان و شوکت سے سجا ہوا ہو۔ اور میں اس کے ساتھ محو اختلاط ہوں اور دن چھوٹا معلوم ہو۔

طرفہ کے معلقہ میں تخیل کی بلندی، معنی کی گہرائی، انداز بیان کی دلکشی، اور نادر تشبیہات کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ اس کے موضوعات میں فلسفہ حیات و ممات اور حکمت و دانائی کا بیان بھی انوکھے انداز میں ملتا ہے، یہی وہ خصوصیات ہیں جو اسے دیگر معلقات کے شعراء سے ممتاز کرتی ہیں۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

ابو جہل

عہد حیات: 553ء۔ 623ء

مکہ کے اسلام مخالف گروہ کا سردار۔ عرب جاہلیت کی صدیوں سے چھائی تاریکی کو اپنی تعلیمات سے نابود کر دینے والے دین فطرت کا سب سے بڑا مخالف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن۔ اس کا غرور سے تنا ہوا سر دو نو عمر مجاہدوں نے اڑا دیا

ابو جہل 553ء میں پیدا ہوا۔ اسلامی تاریخی کتب کے مطابق اصل نام عمرو ابن ہشام ابن مغیرۃ مخزومی تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے اسلام، پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کی توہین کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ باپ دادا کے مذہب کا یہ رکھوالا اپنے حواریوں کی مدد سے ہر وقت اسلام دشمنی پر آمادہ رہتا تھا۔

دور جاہلیت میں اس کی کنیت ابوحکم تھی لیکن اس کی سیاہ کاریوں کے باعث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "ابو جہل" کہا، اور ایسا کہا کہ اس دن سے آج تک ساری دنیا کہتی آئی ہے۔

اس کے اکسانے پر کئی بار رسول اللہؐ اور صحابہ کرامؓ کو ظلم و ستم، طنز و استہزاء اور ناروا سلوک کا نشانہ بنایا گیا۔

یہ انتہا درجے کا ظالم اور سفاک اسلام دشمن 623ء میں معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ نامی دو نو عمر غازیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ حق کی مخالفت کرنے والے کا یہ عبرتناک انجام عموماً انسانی تاریخ اور خصوصاً اسلامی تاریخ کا موثر اور سبق آموز واقعہ ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

حملہ آور ہوا۔ حملہ کامیاب ثابت ہوا اور 589ء میں وہ پورے چین کا شہنشاہ بن گیا۔

اپنے دور اقتدار میں سوئی وین تی نے متحد سلطنت کے لئے ایک وسیع و عریض دارالخلافہ تعمیر کیا۔ اس نے ایک عظیم نہر کی تعمیر بھی شروع کروائی جو چین کو دو بڑے دریاؤں سے ملاتی تھی۔ وسطی چین میں دریائے یانگتزی اور شمالی چین میں دریائے ہوانگ ہو (یا زرد دریا) اسی ندی کے ذریعے باہم متعارف ہوئے۔ یہ نہر جو اس کے بیٹے کے دور میں مکمل ہوئی۔ بعد ازاں شمالی اور جنوبی چین کو متحد رکھنے میں نہایت ممد و معاون ثابت ہوئی۔

شہنشاہ کی اہم ترین اصلاحات میں سے ایک سرکاری اہل کاروں کے انتخاب کے لئے سرکاری نوکری کے امتحانات کا اجراء تھا۔ کئی صدیوں تک اس نظام نے چین کے ہر گوشے اور ہر طبقے سے ہونہار اور قابل لوگوں کو سرکاری ملازمت دے کر حکومت کو بہترین انتظامیہ مہیا کی۔

سوئی وان تی نے یہ ''قانون'' بھی عائد کیا کہ صوبائی گورنر ان صوبوں میں تعینات نہیں ہو سکتے جہاں وہ پیدا ہوئے ہوں۔ یہ ایک احتیاطی تدبیر تھی، اقرباء پروری کو روکنے اور ساتھ ہی اس امکان کو دور کرنے کے لئے کہ کوئی گورنر اپنے صوبے میں حمایت حاصل کر کے طاقت ور نہ ہو جائے۔

اپنے عہدے کے اعتبار سے سوئی وان تی کے پاس کسی بھی بڑے اقدام کے اختیار موجود تھے لیکن وہ عمومی طور پر ایک محتاط انسان تھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دیگر ایسے ہی کامیاب حکمرانوں اور فاتحین کی نسبت سوئی وان تی میں خود اعتمادی کا فقدان تھا۔ اگرچہ وہ لاکھوں لوگوں کا کامیاب فرمانروا تھا، تاہم اسکی قابل بیوی اس کی سب سے بڑی معاون اور مشیر تھی۔ اس کے اقتدار حاصل کرنے اور پھر دور حکمرانی میں بھی وہی اس کی غیر اعلانیہ صلاح کار رہی۔ سوئی وان تی 604ء میں تریسٹھ برس کی عمر میں فوت ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے ملکہ کے لاڈلے بیٹے نے موت کے گھاٹ اتارا جو وقت آنے سے پہلے ہی اقتدار حاصل کرنے کا خواہشمند تھا۔ ان روایات کی تصدیق یوں بھی ہوتی ہے کہ یانگ چین کے قتل کے بعد اس کا مذکورہ بالا بیٹا ہی تخت نشین ہوا لیکن نااہلی کے باعث ملک میں برپا ہوئی بغاوت کو کچلتے کچلتے خود قتل ہو گیا۔ 618ء میں پیش آنے والے اس واقعے نے سوئی خاندان کو تو فنا کے گھاٹ اتار دیا لیکن یانگ چین کا قائم کردہ متحدہ چین مسلسل ترقی کرتا ہوا دنیا کا عظیم ملک بن گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

کرنے سے پہلے بھی آپ نے بت پرستی کی نہ شراب چکھی۔ جوانی میں انہوں نے اہل قریش کی عام روش کے مطابق تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ اپنی دیانت اور صداقت کے باعث تجارت کے میدان میں غیر معمولی کامیابیاں حاصل کیں۔ نتیجہ کے طور پر مکے کے معاشرے میں اپنے خاندان کے دیگر لوگوں کی طرح ممتاز، معزز اور دولت مند تاجر کی حیثیت سے معروف ہوئے اور غنی کے لقب سے پکارے گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے آپ کے گہرے مراسم تھے۔ ان ہی کی تبلیغ و تحریک پر جب آپ نے اسلام قبول کیا تو معززین قریش میں سے ہونے کے باوجود آپ کو سخت ایذائیں دی گئیں۔ لیکن آپ کے قدم ڈگمگانے یا لڑکھڑانے کی بجائے صراط المستقیم پر آگے کی طرف بڑھتے گئے۔

بعثت نبویؑ کے پانچویں سال حبشہ کی طرف ہجرت کرنیوالوں میں آپ اور آپ کی اہلیہ دختر رسولؐ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ ہجرت ثانی انہوں نے مدینہ کی طرف کی۔ آپ بہت مالدار تاجر، حد درجہ سخی اور فیاض تھے۔ اپنی دولت اسلامی فلاحی کاموں پر ہمیشہ خرچ کرتے رہے۔ غزوات کے موقع پر ان کا مال ہمیشہ مسلمانوں کی مدد اور اخراجات کے لئے حاضر رہتا تھا۔

حضرت عثمانؓ بن عفان نے عہد نبویؑ کے تمام غزوات میں حصہ لیا۔ حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت محمدؐ نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثومؓ کا نکاح بھی منشائے الٰہی کے مطابق حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ اسی وجہ سے انہیں "ذوالنورین" کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئے تو آپ نے ان کی ہر موقع پر مدد کی اور تمام اہم معاملات میں مشاورت فراہم کرتے رہے۔ ایسا ہی قابل تحسین کردار خلافت عمرؓ میں بھی ادا کیا۔

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد اکثریت رائے سے آپ مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ منتخب کیے گئے۔ آپ نے وصال عمرؓ کے تین دن بعد 644ء، (محرم 24 ہجری) میں بیعت لی۔ خلافت عثمانؓ کی مدت لگ بھگ بارہ سال ہے۔ یہ عرصہ اسلامی فتوحات کا عہد زریں کہلاتا ہے۔ اس زمانے میں اسلام کی جغرافیائی حدیں سندھ سے اندلس تک وسعت پا گئیں۔ اسی دور میں پہلی بار اسلامی بحریہ منظم ہوئی، ایک عظیم بحری بیڑا قائم ہوا، قبرص اور روڈس جیسے جزیرے فتح کیے گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو بذریعہ کشتی 32ھ میں آبنائے باسفورس تک جا پہنچے۔ اس عہد میں دو طرح کی فتوحات حاصل ہوئیں۔ اول تو وہ ملک جو حضرت عمرؓ ہی

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

عثمانؓ بن عفان

ولادت: 576ء۔ شہادت: 655ء

دوران محاصرہ آپؓ نے فسادیوں سے کہا: "یاد رکھو! اگر تم مجھے قتل کرو گے تو گویا اپنی تلوار اپنی گردن پر رکھ لو گے۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے اختلاف کو دور نہ کرے گا"۔ تاریخ نے یہ قول سچ کر دکھایا

آپ کا نام عثمان، کنیت ابوعمرو اور لقب ذوالنورین ہے۔ قبول اسلام کے بعد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا عقد ہوا تو ان کے بطن اطہر سے عبداللہ بن عثمانؓ پیدا ہوئے۔ تب سے آپ ابوعبداللہ کی کنیت کے حامل ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کا نام عفان جبکہ والدہ کا اسم گرامی اروی بنت کریز بیان کیا جاتا ہے۔ قبائلی تعلق قریش کی مشہور شاخ بنوامیہ سے تھا، جو ایام جاہلیت میں دوران جنگ قریش کا قومی پرچم "عقاب" اپنے ہاتھ میں رکھتی تھی۔ عربوں میں یہ بہت اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی۔

محمد یامین قریشی سہارنپوری "تاریخ عثمانؓ" میں رقمطراز ہیں کہ یوں تو حضرت عثمانؓ کی تاریخ ولادت کے باب میں مورخین باہمی اختلاف رائے کا شکار ہیں لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ آپ عام الفیل کے چھٹے برس (576ء) میں پیدا ہوئے۔ جائے ولادت عرب کا مشہور شہر طائف خیال کیا جاتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کا شمار ان چند ایک لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ آپ بہت نیک فطرت تھے۔ اسلام سے پہلے کی زندگی میں بھی ان کا دامن تمام آلودگیوں سے محفوظ رہا۔ شرم و حیا ان کے اعلیٰ اخلاق کا امتیاز تھا۔ اسلام قبول

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

ہوئی۔ منیٰ میں پوری نماز کی ادائیگی بھی لوگوں کو ناگوار گزری کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور اس سے پہلے خود حضرت عثمانؓ نے برسوں قصر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں اور غلاموں پر زکوٰۃ معاف کر دی تھی لیکن آپ نے وصول کی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے چچا حکم ابن العاص اور ان کے متعلقین کو مدینہ واپس بلا لیا۔ یاد رہے کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مدینے سے باہر نکالا تھا اور قبل ازیں حضرت عثمانؓ کی طرف سے اسے واپس بلانے کی درخواست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ اپنے اپنے دور میں رد کر چکے تھے۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حکم کو مدینے بلوایا، جس کا لوگوں پر بہت برا اثر پڑا''۔ کچھ لوگ سخت فاروقی قواعد وضوابط کا دور گزرنے کے بعد حضرت عثمانؓ کے نرم اور رحمدلانہ مزاج کو بھی فسادیوں کے متحرک ہونے کی ایک وجہ بتاتے ہیں۔ لیکن اب ہم اس بحث کو یہیں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

وجوہات، اسباب، محرکات اور پس منظر جو بھی تھا۔ بہر حال جو نہیں ہونا چاہیے تھا وہ ہوا اور فسادی طبقہ حضرت عثمانؓ کے خلاف کھل کر منظر عام پر آ گیا۔ 35 ہجری کے اواخر میں باغیوں نے مدینے کا رخ کیا اور شہر میں پہنچ کر امیرالمومنین کا مسجد میں آنا جانا دشوار بنانے کے بعد ان کے مکان کا سخت محاصرہ کر لیا جو کم و بیش چالیس دن جاری رہا۔ اس دوران حضرت عثمانؓ نے فسادیوں کو متعدد بار سمجھایا، لیکن کوئی بھی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ امیرالمومنینؓ کی فسادیوں سے حفاظت کے لیے بعض اکابر صحابہؓ نے اپنے فرزندوں کو ان کے مکان کے باہر متعین کر دیا ان میں حضرت حسنؓ، حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ بے شمار دیگر خیر خواہ اور امن پسند بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے باغیوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت چاہی لیکن آپؓ نے فرمایا:

''جس پر میرا کچھ بھی حق ہے۔ میں اسے اللہ کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ وہ اپنا ہاتھ روکے اور اپنے گھر چلا جائے''۔ آخر نوبت بہ ایں جا رسید کہ خلیفہ سوم پر پتھراؤ ہوا، پانی اور غذا بند کر دی گئی اور گھر کو آگ لگائی گئی۔ حضرت عثمانؓ نے حیرت انگیز استقلال اور استقامت سے اس کڑی صورتحال کا سامنا کیا۔ اپنی حمایت میں آپ نے کسی کو جنگ کی اجازت نہ دی۔ آخر ... گھر میں داخل ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ ... شہادت کے وقت

کے دور میں فتح ہو گئے تھے لیکن بعد ازاں ایرانیوں اور رومیوں کی پشت پناہی سے بغاوت پر اتر آئے تھے، دوبارہ حلقہ اطاعت میں آئے اور دوم ایسے علاقے جو پہلے اسلامی فوجوں کے قدموں سے محروم تھے، وہ اسلامی مملکت کا حصہ بنے۔ اسلامی فوجوں نے اپنی جنگی حکمت عملی اور جذبہ ایمانی سے تونس، الجزائر، مراکش، طرابلس (لیبیا)، مشرقی افریقہ، اندلس، خراسان، طبرستان، جرجان، کابل، نیشاپور اور دیگر کئی علاقوں کو مفتوح و مطیع بنایا۔ عہد عثمانؓ میں فتوحات کے ساتھ ساتھ صنعت و حرفت، تجارت اور علوم وفنون میں بھی ترقی حاصل ہوئی۔ علاوہ ازیں فارغ البالی اور خوشحالی کا دور دورہ ہوا۔ ان تمام غیر معمولی واقعات کے باوجود دینی حوالے سے حضرت عثمانؓ کا سب سے بڑا کارنامہ تمام امت مسلمہ کو قرآن حکیم کی ایک قرات اور ایک مصحف پر متفق کرنا ہے۔ اسی تاریخی کارنامے کے باعث آپ کو ''جامع القرآن'' بھی کہا جاتا ہے۔

مورخین کا قریب قریب متفقہ بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال تو امن و عافیت سے گزرے لیکن دوسرے دور میں مشکلات سر اٹھانے لگیں۔ خلافت عثمانی کے دسویں سال کشیدگی پیدا ہوئی، جس میں بتدریج تیزی آئی اور پھر ایسا پرتشدد دور شروع ہوا جو ناگواری کے آخری مرحلے تک پہنچ گیا۔

''اسلامی تاریخ کے اہم موڑ'' میں مولف و مرتب یاسر جواد کہتے ہیں کہ مخالفت تو خلافت عثمانؓ کے پہلے ہی دن عبیداللہ ابن عمرؓ کے قضیے کی صورت میں وجود میں آ گئی تھی لیکن خطرناک مخالفت آخر کے دو سالوں میں ہوئی اور اسلامی تاریخ پر اپنے نہایت بھیانک، عبرتناک اور ناقابل فراموش نتائج مرتب کر گئی۔

خلافت عثمانؓ کے آخری سالوں کے مفصل حالات کے لئے اسلامی تاریخوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ یہاں ہم اجمالی طور پر محض یہ کہنے پر ہی اکتفا کریں گے کہ اس بگاڑ اور فساد میں بہت سے عناصر کا حصہ تھا۔ عرب قبائل کی باہمی چپقلش، غیر مسلم اقوام اور علاقوں کی دائرہ اسلام میں آمد، یہودیوں اور عیسائیوں کی سازشیں، عمال کی غیر ذمہ دارانہ روش اور بہت سے دوسرے عوامل اس فتنے کے ظہور کا باعث بنے۔ معروف محقق ڈاکٹر طٰہٰ حسین حالات بگڑنے کے بواعث گنواتے ہوئے حضرت عثمانؓ کے کچھ اقدامات کا بھی تذکرہ کرتے ہیں:

''حضرت عثمانؓ کے مخالف معترض تھے کہ انہوں نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی

ولادت: 583ء۔ شہادت: 644ء

زخمی خلیفہ بولے: دیکھو کس نے مجھے قتل کیا، لوگوں نے غلام کا نام بتایا تو فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ میرا قاتل کوئی مسلمان نہیں بلکہ ایک ایسا شخص ہے جس نے کبھی اللہ کو سجدہ نہیں کیا

جب انصاف کے پیکر اور محافظ اسلام حضرت عمر امت محمدی کے دوسرے خلیفہ قرار پائے تو اسلامی نظام حکومت اپنے بنیادی اور اولین خدوخال مرتب کر چکا تھا۔ سیدالمرسلین حضرت محمدؐ نے عربوں کی جہالت کے اندھیروں کو اسلام کے نور سے منور کیا۔ فتح مکہ کے نتیجہ میں اسلامی حکومت کے قیام کے کچھ ہی عرصہ بعد آپؐ وصال فرما گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منصب خلافت عطا ہوا۔ آپ کا دور زندگی سنہ پچاس قبل ہجری سے 636ء تک متعین کیا گیا ہے۔ محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور حکومت صرف ستائیس مہینے یعنی سوا دو سال پر محیط ہے۔ اس مختصر سے دور میں بہت کچھ ہوا۔ نبی کریمؐ کی وفات کے بعد ارتداد کا فتنہ اٹھا اور عرب قبائل نے شورشیں برپا کیں۔ قرآن حکیم کو یکجا کیا گیا۔ اسلامی افواج ایران، عراق اور شام کی حدود میں جا پہنچیں اور روم کے سرحدی حملوں کے خطرے کا سد باب ہوا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عربوں میں ایک سیاسی وحدت ہونے کا جو تصور پیدا کیا تھا اسے پختہ کرنے، عسکری فتوحات کے حصول اور اسلامی حکومت کے استحکام کے لئے آپ کے بعد بھی کسی غیر معمولی شخصیت کی قیادت کا اہتمام ضروری تھا۔ لہذا 634ء میں اپنی وفات سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ نامزد کیا۔

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

حضرت عثمانؓ کے قتل سے مسلمانوں میں انتشار

ہوا۔ "اقوال خلفائے راشدین" کے مولفین لکھتے ہیں کہ: باغی حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کر رہے تھے کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: "میں اپنے موقف پر قائم رہوں گا تا آنکہ اللہ نیک بندوں کو عزت عطا فرمائے اور بدبختوں کو ذلت بخشے"۔ منافقین اور شرپسندوں کو معلوم تھا کہ اگر انہوں نے فیصلہ کرنے میں تاخیر کی تو اسلامی نظام خلافت کے خیر خواہ متحد ہو کر خود ان کا قلع قمع کر دیں گے۔ لہٰذا ان بدبختوں نے حضرت عثمانؓ کے خون سے ناحق اپنے ہاتھ اور قرآن کے ورق رنگین کیے۔ دوران محاصرہ آپ نے فسادیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "یاد رکھو! اگر تم مجھے قتل کرو گے تو گویا اپنی تلوار اپنی گردن پر رکھ لو گے پھر اللہ تعالیٰ تم سے اختلاف کو دور نہ کرے گا"۔

تاریخ نے حضرت عثمانؓ کا ایک ایک لفظ سچ کر دکھایا۔ قتل عثمانؓ کی اطلاع پاتے ہی حضرت علیؓ نے فرمایا تھا: "جاؤ! اب ہمیشہ کے لیے تمہارے واسطے ہلاکت اور بربادی ہے"۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کا قتل مسلمانوں میں نفاق کا ایسا بیج بو گیا جس سے نشوونما پانے والے زہریلے پودوں کا مہلک پھل نہ جانے کتنی صدیوں اور کتنی نسلوں تک فرزندان توحید میں زہر بانٹتا رہے گا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

خسرو پرویز

عہد حکومت: 590ء ۔ 628ء

ساسانی خاندان کا عظیم شہنشاہ۔ شیریں اسی کی محبوبہ تھی اور یہی وہ سیاہ بخت اور سرکش حکمران تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دعوت اسلام ملنے پر ان کا مقدس مکتوب چاک کیا اور بعد ازاں عبرت ناک انجام سے دوچار ہوا

''ادب نامہ ایران'' کے مطابق ساسانی خاندان کے عظیم المرتبت حکمران نوشیروان کی وفات کے فوراً بعد اس کے بیٹوں میں اقتدار کی کشمکش اور لڑائیوں کے ایک خونریز سلسلے کا آغاز ہرمز چہارم کی تخت نشینی پر منتج ہوا۔ نااہل ہرمز اپنے ایک بہادر جرنیل بہرام چوبیں کی توہین کے باعث اس کے عتاب کا نشانہ بن کر مارا گیا تو 590ء میں خسرو پرویز تخت نشین ہوا۔ حکومت سنبھالتے ہی اس نے بہرام کو صلح کی پیش کش کی لیکن جواب یہ آیا کہ اب ہمارا فیصلہ صرف تلوار کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اسی صورتحال نے خسرو اور بہرام کو میدان جنگ میں لاکھڑا کیا اور ایک خونریز لڑائی کے بعد خسرو نے شکست کھا کر روم کے بادشاہ مارس کے ہاں پناہ لی۔ یہ واقعہ 591ء میں پیش آیا۔ اس سال خسرو رومی بادشاہ سے مدد حاصل کر کے ایران لوٹا۔ اب کی بار میدان اس کے ہاتھ رہا اور بہرام فرار ہوگیا۔ بعد ازاں خسرو نے 628ء تک حکومت کی لیکن ہمیشہ سازشوں اور بحرانوں کا شکار رہا۔ یہ ایرانی تاجدار اپنے بیش بہا خزانوں، اعلیٰ نسل کے لاتعداد گھوڑوں، فلک بوس محلات اور سب سے بڑھ کر اپنی محبوبہ شیریں کی وجہ سے مشہور ہوا۔

یہ وہی سیاہ بخت، سرکش اور گستاخ خسرو پرویز ہے جسے رسول اللہؐ نے دعوت حق پیش

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

لوگوں نے غلام کا نام بتایا تو فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ میرا قاتل کوئی مسلمان نہیں بلکہ ایک ایسا شخص ہے جس نے اللہ کو کبھی سجدہ نہیں کیا۔"

بعد از نماز آپ کو گھر لایا گیا۔ اجل کا گہن آفتاب خلافت کی روشنی کو آہستہ آہستہ نگل رہا تھا۔ فاروق اعظمؓ جانتے تھے کہ زخم مہلک ہیں۔ لہٰذا اپنے جانشین کی نامزدگی کے لئے انہوں نے عثمانؓ بن عفان، علیؓ بن ابی طالب، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، زبیرؓ بن العوام اور سعدؓ بن ابی وقاص کو طلب کیا۔ حضرت طلحہؓ مدینہ سے باہر تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان پانچوں صحابہ سے کہا:

"تین دن تک طلحہ رضی اللہ عنہ کا انتظار کرنا۔ آ جائیں تو بہت اچھا۔ ورنہ تم ہی باہم مشورے سے اپنے آپ میں سے کسی ایک کو امیر منتخب کر لینا"۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

> "جو شخص امیر بنایا جائے میں اسے وصیت کرتا ہوں کہ وہ انصار کے حقوق پوری طرح ادا کرے، وہ تمہارے محسن ہیں۔ مہاجرین کے حقوق کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، وہی اسلام کی اصل ہیں۔ ذمیوں کا بھی بخوبی پاس و لحاظ رکھنا چاہیے۔ ان کے ساتھ ایفائے عہد کیا جائے۔ ان کے مخالفین سے جنگ کی جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے"۔

آپ کو حجرۂ نبوی میں دفن ہونے کی بہت آرزو تھی۔ اس لئے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو حضرت عائشہؓ کے پاس اس کی اجازت حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "یہ جگہ میں نے اپنے لئے محفوظ رکھی تھی لیکن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دوں گی۔" عبداللہ یہ جواب لائے تو آپ بے حد خوش ہوئے۔

یکم محرم الحرام، 24 ہجری (644) کو شنبہ کے روز 63 سال کی عمر میں فاروق اعظمؓ نے انتقال فرمایا۔ حضرت صہیبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے لحد میں اتارا۔ آپ ساڑھے دس سال تک منصب خلافت پر فائز رہے۔ 13 ہجری سے 23 ہجری تک محیط اپنے دور خلافت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلامی نظام حکومت و ریاست کا مکمل عملی خاکہ تیار کیا۔ آپ کا عہد ترقی اور سماجی انصاف کا عہد تھا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

علی بن ابی طالب

عہد حیات: 599ء۔ 660ء

آنحضرت کے چچا زاد بھائی اور داماد۔ امام عالی مقام حضرت حسینؓ کے پدر محترم۔ رفیع الشان صحابی۔ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ۔ اس عظیم ہستی نے کعبہ میں ولادت پائی اور مسجد میں شہادت

حضرت علیؓ بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم ہجرت مدینہ سے 23 سال قبل 599ء کو ایک روایت کے مطابق خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ خاندان بنو ہاشم کے چشم و چراغ تھے جو تولیت کعبہ کا منصب دار ہونے کے باعث عرب بھر میں محترم اور مکرم سمجھا جاتا تھا۔ والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا اسم گرامی فاطمہ بنت اسد ہے۔

حضرت علیؓ کا عہد طفولیت نبی کریمؐ کی تربیت میں گزرا۔ نبیؐ کی گود میں پرورش پانے کا مبارک نتیجہ یہ ہوا کہ عہد جاہلیت میں بھی حضرت علیؓ بتوں کی پرستش سے دور رہے اور شرک و بدعت کی کسی بھی رسم بد سے اپنے دامن کو کبھی آلودہ نہ کیا۔ یہ بھی تربیت نبوی ہی کا اعجاز تھا کہ آپ گیارہ سال کی عمر میں پیغمبر آخرالزمانؐ پر ایمان لا کر کمسنوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا اعزاز پا گئے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ مواخات قائم کیا۔ اس موقع پر آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا۔

سنہ 2 ہجری (623ء) میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دختر عزیز خاتون جنت حضرت فاطمہؓ سے ان کا نکاح فرمایا۔ حضرت فاطمہؓ کے بطن اطہر سے حضرت علیؓ کے کئی بچے ہوئے جن میں امام حسنؓ اور امام عالی مقام حضرت حسینؓ ممتاز ہیں۔

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

کی لیکن اس نے ٹھکرا دی۔ مرزا مقبول بیگ بدخشانی کے بقول پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جو مکتوب ارسال فرمایا اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہؐ کی طرف سے۔۔۔ خسرو بن ہرمز کے نام

وہی خدا ہے، جس نے مجھے بچایا، جب کہ میں یتیم رہ گیا تھا۔ مجھے دولت و ثروت بخشی جب کہ میں مفلس تھا۔ مجھے راستہ دکھایا جب کہ مجھے راستہ معلوم نہ تھا۔ جس پیغام کے پہنچانے کے لئے مجھے مامور کیا گیا ہے، اس پیغام کو صرف وہی رد کرتا ہے جو عقل سے بیگانہ ہے اور جس کو مصیبت نے گھیرا ہوا ہے۔ خسرو! ایمان لے آؤ تو تم بچ جاؤ گے ورنہ اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ، جسے وہ بے بس نہیں رہنے دے گا۔ اللہ حافظ

روایت ہے کہ اس بدبخت حکمران نے اس مراسلہ مبارک کو طیش میں آ کر چاک کر ڈالا جس پر ایلچی چلا اٹھا: ”اے ناپاک بادشاہ! اسی طرح اللہ تمہاری سلطنت کے ٹکڑے کرے گا اور تمہارے لشکروں کو منتشر کر دے گا۔“

اور پھر واقعی یہ ہو کر رہا۔ 628ء میں شیریں کے بطن سے پیدا ہونے والے خسرو پرویز کے بیٹے شیرویہ نے علم بغاوت بلند کر کے اپنے باپ کو عبرتناک طریقے سے موت کے گھاٹ اتارا اور خود تخت نشین ہوا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

... ان کے خلاف دوسرے کو مدد

...ں۔ ان قراردادوں کے بعد امیر معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن العاصؓ اور حضرت علیؓ کی جانب سے ابو موسیٰ اشعریؓ نامزد کیے گئے۔ عمرو بن العاصؓ ذہین، فطین، معاملہ فہم اور حضرت معاویہؓ کے طرفدار تھے جبکہ ابو موسیٰ اشعریؓ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکمل اعتماد نہ تھا۔ مزید یہ کہ ابو موسیٰ اشعریؓ سادہ لوح اور سادہ دل تھے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ حضرت علیؓ کے حامیوں میں مسئلہ تحکیم پر ایک واضح تقسیم بھی موجود تھی بہرحال ان تمام رکاوٹوں کے باوجود دونوں طرف کے حِکم مل کر بیٹھے اور انہوں نے تمام مسائل پر تفصیلی گفتگو کی۔ ''تاریخ اسلام'' کے مؤلف معین الدین ندوی کے مطابق آخر کار اشعریؓ نے کہا: ''میری رائے تو یہ ہے کہ دونوں کو معزول کر کے مسلمانوں کو نئے سرے سے خلیفہ کے انتخاب کا حق دیا جائے۔''

عمرو بن العاصؓ نے کہا: ''مجھے اس سے اتفاق ہے، امت کی بھلائی اسی میں ہے۔''

اس متفقہ فیصلے پر پہنچنے کے بعد دونوں حِکم فیصلہ سنانے دومتہ الجندل آئے۔ یہ فیصلہ امت کی قسمت کا فیصلہ تھا اس لئے فریقین کے بہی خواہوں کے علاوہ عام مسلمان اور غیر جانبدار صحابہ کرام بھی بڑی تعداد میں فیصلہ سننے کے لئے گوش بر آواز تھے۔ بعض عاقبت اندیش اور سمجھدار اکابرین کو ابو موسیٰ اشعریؓ کی سادہ دلی اور عمرو بن العاصؓ کی ہوشمندی سے خطرہ تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ بن عباس نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اگر آپ دونوں کسی فیصلہ پر متفق ہو چکے ہیں تو اعلان میں خود پیش قدمی نہ کیجئے گا بلکہ عمرو بن العاصؓ سے اعلان کروایئے گا۔ وہ چالاک آدمی ہیں۔ مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے پہلے اعلان کیا تو عمرو بن العاصؓ دھوکا دے جائیں گے۔ اس پر ابو موسیٰ اشعریؓ بولے: ''یہ نہیں ہو سکتا، ہم دونوں ایک فیصلہ پر متفق ہو چکے ہیں۔''

غرض مقررہ وقت پر عمرو بن العاصؓ نے خدشات کے عین مطابق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو پہلے فیصلہ سنانے پر آمادہ کرلیا۔ چنانچہ انہوں نے مندرجہ ذیل اعلان کیا:

> ''اما بعد! لوگو! ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا، اس امت کے اتفاق و اتحاد اور اصلاح کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہ آئی کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے، تمام مسلمان جسے اہل سمجھیں اسے منتخب کرلیں، اس لئے میں علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرتا ہوں۔ آئندہ تم جسے پسند کرو اپنا خلیفہ بناؤ۔''

اس کے بعد عمرو بن العاصؓ نے اسی فیصلہ کو دوہرا کر اپنا اتفاق ظاہر کرنا تھا لیکن انہوں

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

اسلام کے دفاع میں دشمنوں کی جارحیت کا جواب دینے کے لئے جتنی جنگیں لڑی گئیں، حضرت علیؓ نے نہ صرف ان تمام میں شرکت کی بلکہ بہادری، شجاعت اور جنگی فہم و فراست کی ایسی درخشاں داستانیں رقم کیں جو تاریخ اسلام میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی، مدینہ میں شور قیامت بپا تھا، ہر طرف باغی چھائے ہوئے تھے، لیکن خلافت کا انتظام بہرحال ضروری تھا۔ اس وقت اکابر صحابہ میں ایک حضرت علیؓ ہی کی ذات ایسی تھی جس پر سب کا اتفاق ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مہاجرین اور انصار نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے۔ آپ پہلے تو رضامند نہ ہوئے لیکن آخرکار اہل مدینہ کے اصرار پر بامر مجبوری منصب خلافت سنبھالنے کے لئے تیار ہو گئے۔

معین الدین احمد ندوی کے مطابق بیعت کے بعد ذی الحجہ 35 ہجری (655ء) کو آپ نے مسند خلافت پر قدم رکھا۔ بیعت کے فوراً بعد حضرت علیؓ سے حضرت عثمانؓ کے قتل کا قصاص لینے کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ حالات کو معمول پر آنے دیا جائے تاکہ وہ بلوائیوں سے قصاص لے سکیں لیکن بعض نامور صحابہ کرام ابھی اور اسی وقت قصاص لینے کے حق میں تھے۔ ان حالات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نقل مکانی کر کے کوفہ چلے گئے۔ قاتلین عثمانؓ کی بلاتاخیر سرکوبی کا مطالبہ کرنے والی جماعت کی قیادت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کر رہی تھیں۔ بدقسمتی سے قاتل جس جماعت سے تعلق رکھتے تھے اس نے حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی تھی۔ اس لئے صحابہ کو اپنے طور پر جس میں قصاص لینے کا خیال پیدا ہو گیا۔ اسی باعث جنگ جمل کا افسوسناک واقعہ پیش آیا جس میں ایک طرف خلیفہ وقت حضرت علیؓ تھے اور دوسری طرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ یہ اسلامی تاریخ کی ایسی منحوس ساعت تھی جب مسلمانوں کی تلواریں پہلی بار ایک دوسرے پر تن گئیں۔ جنگ جمل اور اس کے بعد برپا ہونے والی جنگ صفین چونکہ ہمارا بنیادی موضوع نہیں ہیں لہٰذا محض یہ کہنے پر اکتفا کرتے ہوئے ہم آگے بڑھ جائیں گے کہ [illegible] فریقین کے درمیان خونریز تصادم کا سلسلہ کئی مہینے تک جاری رہا۔ کم و بیش نوے [illegible]

ملجم نے حضرت علیؓ کے قتل کی ذمہ داری قبول کی۔ عمرو بن بکر نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ختم کرنے کا عہد کیا اور برک نے کہا کہ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرے گا۔ اس موقع پر تینوں نے عہد کیا کہ یا تو ہم ماریں گے یا مر جائیں گے۔ حملہ کرنے کی تاریخ 15 رمضان 40 ہجری قرار پائی۔ شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں کہ تینوں نے مقررہ تاریخ کو تینوں بزرگوں پر حملہ کیا۔ اتفاق سے عمرو بن العاصؓ کی بجائے اس دن ایک اور شخص نماز پڑھانے کے لئے آیا اور دھوکے میں مارا گیا۔ امیر معاویہؓ پر اوچھا وار لگا اس لئے وہ علاج معالجہ کے بعد صحت مند ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ختم کرنے کے لئے ابن ملجم نے شبیب بن بجرہ اشجعی کو بھی اپنے راز میں شریک کیا اور دونوں حضرت علیؓ کی گزرگاہ میں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔

جیسے ہی خلیفہ چہارم حضرت علیؓ فجر کی نماز کے لئے نکلے، دونوں نے حملہ کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کاری زخم آیا، آپ نے آواز دی، لوگ دوڑ کر آئے، شبیب تو نکل گیا لیکن ابن ملجم گرفتار ہوا۔ نماز کے بعد قاتل حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس سے چند سوالات کرنے کے بعد آپ نے حکم دیا کہ اگر میں اس زخم کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکوں تو خدا کے حکم کے مطابق اس کو قصاص میں قتل کر دینا اور اگر بچ گیا تو اس کے معاملہ پر غور کروں گا۔ جیراج پوری لکھتے ہیں کہ حملہ کے بعد تیسرے دن یوم شنبہ 17 رمضان 40 ہجری (660ء) کو حضرت علیؓ رحلت فرما گئے۔ گرفتار قاتل ابن ملجم کو قید خانہ سے نکال کر امام حسنؓ نے جہنم رسید کر دیا۔ حضرت علیؓ کی آخری رسومات اور آخری آرام گاہ کے متعلق مورخین کی آراء میں بے شمار اختلافات ہیں۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث کے مطالعہ کے لئے ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی تصنیف ''حضرت علیؓ تاریخ کی روشنی میں'' ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

حضرت علیؓ کی شہادت سے خلافت راشدہ کا دور اپنے اختتام کو پہنچا۔ اس دور میں اسلامی نظام حکومت کا جو اعلیٰ ترین خاکہ تیار کیا گیا اس پر عمل پیرا ہونا ہر مسلمان احیاء پسند کا خواب ہے اور اس خواب کی تعبیر پانے کے لئے اسلامی دنیا کے کئی ممالک میں عملی سطح پر بھی جدوجہد جاری ہے اور فکری سطح پر بھی۔ حضرت علیؓ کی ذات بے شمار اوصاف حمیدہ سے عبارت تھی لیکن ایک منفرد وصف فصحائے عرب میں ان کا شمار ہے۔ شاعری کا ایک دیوان آپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن اس سے کئی مورخین اتفاق نہیں کرتے۔ ''نہج البلاغۃ'' میں حضرت علیؓ کے جو خطبات شامل ہیں ان میں سے بعض تو بقول جیراج پوری انسانی فضل و کمال، گویائی اور دانائی کی آخری حد کہے جا سکتے ہیں۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

نے جو کچھ کہا وہ بعض لوگوں کے لئے متوقع، اکثر کے لئے غیر متوقع اور مجموعی طور پر خاصا دھماکہ خیز تھا۔ وہ بولے:

> ''اما بعد! لوگو! ابو موسیٰ کا فیصلہ آپ نے سن لیا۔ انہوں نے اپنے آدمی کو معزول کر دیا۔ میں بھی اس کو معزول کرتا ہوں لیکن اپنے آدمی معاویہ کو برقرار رکھتا ہوں، وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں اس لئے ان کی قائم مقامی کے سبب سے زیادہ مستحق ہیں۔''

یہ فیصلہ سن کر ابو موسیٰ چلائے کہ یہ غداری ہے لیکن اب تیر کمان سے چھوٹ چکا تھا اور اس کی تلافی کی کوئی صورت نہ تھی۔ علامہ اسلم جیراج پوری ''تاریخ الامت'' میں لکھتے ہیں کہ عام مورخوں کا یہی بیان ہے، لیکن سعودی نے لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات نے زبانی اعلان نہیں کیا تھا بلکہ فیصلہ لکھا تھا جو مجمع میں سنایا گیا۔ اس میں حضرت علیؓ اور معاویہؓ دونوں کی معزولی تھی اور پنچوں میں باہم کوئی اختلاف واقع نہیں ہوا تھا۔ یہ روایت قرین قیاس ہے۔

شروع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تحکیم کی تجویز کے حق میں نہ تھے لیکن پھر اپنی فوج کے بڑے حصے کے اصرار پر اسے قبول کرنے پر مجبور ہو گئے لیکن تحکیم کی تجویز طے ہو جانے کے بعد آپ کے حامیوں کی ایک جماعت اس کے خلاف ہو گئی اور تحکیم کو کفر قرار دینے لگی۔ یہی جماعت بعد میں خوارج کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے موقف پر لانے میں ناکام ہو کر فوج سے نکل گئے اور جگہ جگہ فساد برپا کرنے لگے۔ حضرت علیؓ نے ان کے بعض گروہ منتشر کئے تو وہ نہروان میں جمع ہونے لگے۔ ان حالات میں حضرت علیؓ نے نہروان میں ان پر حملہ کیا اور دس ہزار کے قریب جمع شدہ خوارج میں سے بمشکل چند ہی زندہ بچ سکے۔ لیکن اس وقت تک یہ فتنہ چاروں طرف پھیل چکا تھا اور خوارج کو ایک ہی وقت میں کلی طور پر کچلنا ممکن نہ رہا تھا۔

نہروان کے قتل عام سے محفوظ خارجیوں کی بڑی تعداد اپنے ارادوں اور مقاصد میں حضرت علیؓ کے ساتھ ساتھ حضرت امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھی رکاوٹ سمجھتی تھی۔ اس سوچ نے عملی رخ یوں اختیار کیا کہ خوارج میں سے تین شخص عبدالرحمن بن ملجم، مرادی برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر تمیمی باہم مل کر بیٹھے اور مشورہ کرنے لگے کہ عالم اسلامی کے اضطراب کو ختم کرنے کی کیا صورت ہے۔ آخر کار انہوں نے طے کیا کہ حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ، یہ تینوں اگر قتل کر دیئے جائیں تو جھگڑا مٹ جائے گا۔ ابن

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

"قصائد سبعہ معلقات" کے مترجم امیر حسن نورانی لکھتے ہیں کہ ان دنوں قبیلہ طے کے کچھ لوگوں نے کسی تنازعہ کے باعث قبیلہ عبس پر حملہ کر دیا اور ان کے اونٹ، گھوڑے بمعہ قیمتی سامان لے کر فرار ہو گئے۔ بنو عبس نے ان کا پیچھا کیا لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔ یہ دیکھتے ہوئے عنترہ کے باپ شداد العبسی نے اس سے کہا: "عنترہ! تم حملہ کرو"۔ یہ سن کر عنترہ نے جواب دیا: غلام حملہ کرنا کیا جانے وہ تو دودھ دوہنا اور مویشی چرانا جانتا ہے۔ یہ جواب سن کر شداد اس کا مطلب سمجھ گیا اور عنترہ سے کہنے لگا: اچھا حملہ کرو، تم آزاد ہو۔ عنترہ یہ سنتے ہی دشمنوں پر ٹوٹ پڑا اور اس بہادری اور بے جگری سے لڑا کہ دشمنوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ اونٹ، گھوڑے وغیرہ چھوڑ کر جان بچانے کے لئے منتشر ہو گئے اور عنترہ اپنے قبیلے کے تمام جانور پہچان کر واپس لے آیا۔ یہ کارنامہ دیکھ کر شداد العبسی نے اسے باضابطہ طور پر اپنے نسب میں داخل کر لیا۔ یوں لونڈی زادی اور غلام عنترہ ۔۔۔ عنترہ بن شداد العبسی ہو گیا۔ اب وہ اپنے قبیلے کے دیگر لوگوں کے برابر تھا۔ آزادی نے اس کی صلاحیتوں کو مزید نکھارا اور وہ ترقی کر کے عرب قبائل میں قبیلہ عبس کے شہسوار اور سردار کی حیثیت سے شہرت پا گیا۔ وہ شداد کے نسب میں داخل ہونے کے بعد قبیلہ عبس کے تمام معرکوں خصوصاً داحس وغبرا کی لڑائیوں میں برابر شریک رہا۔ اپنی خدمات، بہادری، بے خوفی اور فن سپاہ گری میں مہارت کے سبب رفتہ رفتہ وہ تمام قبیلے کی آنکھ کا تارا بن گیا۔ لوگ اسے عزت، احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ اسے اپنی عزت و ناموس کا محافظ، جان و مال کے بچانے والا، شریف اور غیور سردار تصور کرتے تھے۔ ہوتے ہوتے اپنے کارناموں کی بدولت عنترہ بن شداد بہادری اور شجاعت میں سارے عرب میں ضرب المثل بن گیا۔

صاحب "تاریخ ادبیات عالم" کا کہنا ہے کہ وہ اپنے قبیلے کے ہر دلعزیز فرد کے طور پر شہرت رکھتا تھا۔ عنترہ اپنی ماں کی طرح کالا تھا اور اسے اپنے اس عیب کا خود بھی شدت سے احساس تھا۔ اس کمی کا ازالہ اس نے فن سپاہ گری میں طاق ہو کر کیا۔ اسے نوجوانی میں اپنی ... سے محبت ہو گئی تھی۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ عبلہ سے اس کی شادی ہو ... سے انکار کر دیا تھا کہ تب تک

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

عنترہ بن شداد

تاریخ وفات: 600ء یا 615ء

ایک سیاہ فام لونڈی کے بطن سے پیدا ہونے والا یہ عظیم عربی شاعر اپنے ہی باپ کا غلام تھا۔ آزادی نصیب ہوئی تو اس نے ایک ہاتھ میں تلوار تھام لی اور دوسرے میں قلم

عربی زبان و ادب کے اس محسن کا نام عنترہ اور کنیت ابوالمغلس تھی۔ وہ قبیلہ عبس کے ایک شخص شداد العبسی کا لونڈی زادہ تھا۔ اسی لئے اسے عنترہ بن شداد العبسی لکھا جاتا ہے۔ اس کی ماں کا نام زبیبہ تھا۔ یہ ایک حبشی لونڈی تھی جسے شداد نے کسی جنگ کے دوران گرفتار کر لیا تھا۔ بعد میں اس کے پیٹ سے عنترہ پیدا ہوا عربوں میں رواج تھا کہ لونڈی کے پیٹ سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی اسے بھی غلام بنا لیتے تھے۔ اس قاعدے کے مطابق عنترہ بھی اپنے باپ کے خاندان میں ایک اچھوت کی طرح رہتا تھا۔ "تاریخ عربی ادب" میں لکھا ہے کہ عنترہ دن بھر اپنے باپ کے جانور چراتا اور شام کو انہیں باڑے میں بند کر کے دودھ دوہتا۔ عنترہ کی رگوں میں بھی چونکہ خالص عربی خون دوڑ رہا تھا لہٰذا اسے یہ برتاؤ ایک آنکھ نہ بھاتا۔ لیکن قانون اور قاعدے کے بندھن اتنے سخت تھے کہ انہیں توڑنا کسی غلام کے بس کی بات نہ تھی۔ اپنے ساتھ روا رکھے جانے والے گھٹیا رویے کے باوجود اس نے اپنے آپ کو نہ کبھی دیگر غلاموں کی طرح پستی میں گرایا اور نہ ہی وہ غلامانہ ذہنیت اختیار کی جو عام طور سے ایسے حالات میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس نے اپنی عزت نفس، خودداری، انا اور وقار کو قائم رکھا۔ دیگر غلاموں کے برخلاف عنترہ نے شہسواری اور جملہ جنگی فنون میں زبردست مہارت پیدا کی۔ یہاں تک کہ قبیلہ میں ایک شہسوار، باعزم اور باہمت نوجوان کے طور پر اس کی دھاک بیٹھ گئی۔

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا

شہادت: تقریباً 615ء

یہ وہ عظیم خاتون ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کی بنیادوں کو اپنے پاکیزہ خون کا نذرانہ پیش کیا اور اسلامی تاریخ کی پہلی شہید بن گئیں

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا جوام عمار کے نام سے بھی جانی جاتی ہیں ابتداء میں اسلام کے بدترین دشمن ابوجہل کے چچا ابوحذیفہ مخزومی کی کنیز تھیں۔ بعد ازاں ان کا نکاح یاسر رضی اللہ عنہ سے کردیا گیا۔ عمارؓ پیدا ہوئے تو یاسرؓ نے ان کو آزاد کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خدا کا سچا پیغام دیا تو یہ اپنے شوہر اور فرزند ارجمند کے ساتھ ابتداء ہی میں مسلمان ہوگئیں۔ اس کے بعد قریشیوں نے آپ پر وہ مظالم ڈھائے کہ بیان سے باہر ہیں لیکن آپ نے انتہائی صبر اور استقامت کے ساتھ اس قیامت خیز دور کا سامنا کیا۔ ہجرت سے کم وبیش سات سال پہلے، تقریباً 615ء میں ابوجہل نے برچھی سے وار کر کے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو شہید کردیا۔

ابن اثیر کا قول ہے کہ حضرت سمیہؓ ام عمار اسلام کی سب سے پہلی شہید ہیں۔ اسلام میں شہادت کی روایت کے تسلسل پر غور کریں تو یہ قتل کربلا کی کتاب کا دیباچہ قرار پاتا ہے۔

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

عنترہ شداد العبسی کو ایک دفعہ اس کے قبیلے ہی کے ایک شخص نے اس کے کالے رنگ اور لونڈی کے بطن سے پیدا ہونے کے باعث ہدف تضحیک بنایا۔ اس نے جواب میں اپنے فضائل گنوائے۔ تب وہ شخص جو مضحکہ اڑا رہا تھا بولا کہ میں تم سے بہتر شاعر ہوں۔ اس پر عنترہ نے کہا کہ تم کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کون بہتر شاعر ہے۔ اسی رو میں اس نے اپنا مشہور زمانہ قصیدہ لکھا جسے سبعہ معلقات میں شمار ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ چند اشعار کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

☆ کیا ان شاعروں نے جو مجھ سے پہلے شعر و شاعری کے میدان میں اپنے کمالات اور فکر رسا کے جوہر دکھا گئے ہیں، کوئی کمی چھوڑی ہے (یعنی کیا انہوں نے مضامین میں کوئی چیز چھوڑ دی ہے جو میں پوری کروں) لیکن جب میں نے اپنی محبوبہ کے ویران مکان کے نشانات کو غور سے دیکھ کر پہچان لیا، تب میری آتش شوق اور جذبات محبت نے مجھے بے چین کر دیا ہے، اور اب طبیعت نے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے شعر گوئی پر آمادہ کیا ہے۔

☆ (شاعر پرانی یادیں تازہ کرتے ہوئے کہہ رہا ہے) اب تم اس زمانہ کو یاد کرو، جب عبلہ تم کو اپنے چمک دار تیز اور باریک دانت دکھا کر اسیر محبت کرتی تھی اور اس کی بوسہ گاہ شیریں اور لذیذ تھی۔

☆ اور اس کے پیار کرنے کے لئے جب تم اپنا منہ اس کے لب شیریں کی طرف بڑھاؤ گے، تو بوسہ لینے سے قبل ہی اس کے منہ سے خوشبو کی لپٹ نکلے گی جو تمہیں مست و مدہوش کر دے گی۔

اس معلقہ میں اس نے اپنی زبان دانی، ہمت و شجاعت، محاسن اخلاق اور اپنی قوم کی بڑائی کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس تخلیقی شاہکار کے الفاظ شگفتہ اور انداز بیان نہایت دلکش ہے۔ یہ نظم فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ قرار دی جاتی ہے۔

روایت ہے کہ عنترہ نے بہت لمبی عمر پائی۔ اس کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں، نہ ہی یہ علم ہے کہ وہ کتنے برس جیا۔ مورخین کے مطابق قبیلہ طے کے ساتھ ایک جھڑپ کے دوران گرفتار کر لیا گیا۔ دشمنوں نے اسے 600ء میں قتل کر دیا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے اس عظیم المرتبہ عربی شاعر اور افسانوی شہرت پانے والے جنگجو کے قتل کا سال 615ء قرار دیا ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

حجاج بن یوسف کی انتہا پسندانہ طبیعت کے باعث ممتاز مسلمان بزرگوں کو کیسے کیسے تکلیف دہ مرحلوں سے گزرنا پڑا!

حجاج: تیرا نام کیا ہے؟

سعید: سعید بن جبیر۔

حجاج: نہیں، شقی بن کسیر۔

سعید: میری ماں میرے نام کو تیری نسبت بہتر جانتی تھی۔

حجاج: تیری ماں اور تو دونوں شقی ہو۔

سعید: غیب کی عالم اور ہی ذات ہے، تو نہیں۔

حجاج: دیکھ، دنیا سے نکال کر میں تجھے اب بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالتا ہوں۔

سعید: اگر میں یقیناً سمجھ لوں کہ تجھے اتنی قدرت ہے تو میں تجھے اپنا معبود ہی بنا لوں۔

حجاج: تو محمدؐ کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

سعید: آپ نبیؐ الرحمتہ اور امام الھدیٰ ہیں۔

حجاج: تو علیؓ کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ وہ بہشت میں ہیں یا دوزخ میں۔

سعید: مجھے بہشت یا دوزخ میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا کہ وہاں والوں کو پہچان لیتا۔

حجاج: تو خلفاء کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

سعید: میں ان کا وکیل نہیں ہوں۔

حجاج: تجھے خلفاء میں سے کون زیادہ پسند ہے۔

سعید: جو مالک کی رضا کا زیادہ خواہشمند تھا۔

حجاج: ایسا کون تھا؟

سعید: یہ تو وہ بتا سکتا ہے جس کو ان کے باطن و ظاہر کا علم ہو۔

حجاج: تو میری تصدیق کو پسند کرتا ہے۔

سعید: اگر میں پسند کرتا تو تجھے نہ جھٹلاتا۔

حجاج: کم بخت تو ہنستا کیوں نہیں؟

سعید: جو مٹی سے بنا ہے وہ کیونکر ہنس سکتا ہے کیونکہ مٹی کو آگ نے کھا لینا ہے۔

حجاج: سعید! تجھے ہلاکت نصیب ہو۔

سعید: جو دوزخ سے بچ گیا اسے ہلاکت نہ آئے گی۔

حجاج: اچھا تو پسند کر لے کہ تجھے کس طرح قتل کروں۔

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

حضرت سعید بن جبیرؒ

عہد حیات: 622ء۔713ء

آپ علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے باعث تابعین کی صف میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ حجاج بن یوسف کا آخری نشانہ بنے۔ آپ کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد وہ خود بھی جلد ہی مر گیا

حضرت سعید بن جبیر سنہ ایک ہجری بہ مطابق 622ء کو پیدا ہوئے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری ''تاریخ المشاہیر'' میں ان کی شہادت کا سال 95 ہجری (713ء) لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر 94 سال تھی، اس حساب سے ان کی پیدائش کا سال سنہ ایک ہجری ہی قرار پاتا ہے۔

آپ علم و فضل میں یکتا اور زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ تابعین میں سے مسائل طلاق، حج، حرام اور تفسیر پر آپ کو خوب دسترس حاصل تھی۔

محمد بن حبیب کہتے ہیں کہ ابن جبیر اصبہان میں آئے۔ لوگ حدیث پوچھتے تھے مگر یہ سناتے نہ تھے۔ پھر کوفہ میں آئے اور حدیث بیان کی۔ لوگوں نے اصبہان میں حدیث نہ سنانے کا سبب دریافت کیا تو بولے: جوہر شناس لوگوں کے سامنے ہی جوہر دکھلانا چاہیے۔

کہتے ہیں کہ جب عبدالرحمن بن محمد نے عبدالملک بن مروان پر خروج کیا تو ابن جبیر اس کے ساتھیوں میں تھے۔ جب عبدالرحمن قتل ہوگیا تو یہ بھاگ کر مکہ میں آ گئے۔ یہاں خالد بن عبداللہ مکہ کا والی تھا۔ اس نے ان کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا۔ اس موقع پر حجاج اور ابن جبیر کے درمیان جو مکالمہ ہوا اسے منصور پوری نے ''تاریخ المشاہیر'' میں تفصیل سے لکھا ہے۔ ہم فریقین کے چند جملے یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین کو اندازہ ہو جائے کہ

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

امام حسنؓ بن علیؓ

ولادت: 625ء۔ شہادت: 671ء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے نواسے، حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے پہلے صاحبزادے۔ آپ کے ایک فیصلے سے امت میں موجود نفاق ختم، اور اتحاد قائم ہوا

حضرت امام حسینؓ یکم اپریل 625ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت علیؓ نے حرب نام رکھا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر حسنؓ رکھا۔ ان کی کنیت ابو محمد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمائی، لیکن اس نام کا ان کا کوئی فرزند نہ تھا۔

ابتدائی زندگی بابرکت نانا اور والدین کے سایہ عاطفت میں اطمینان سے گزری۔ عہد صدیق رضی اللہ عنہ میں حضرت حسنؓ کی صغرسنی کا زمانہ تھا اور ان کے بارے میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا طرز عمل ان کے ارشادات سے واضح ہے۔ ان کا عام ارشاد یہ تھا کہ اہل بیت کے معاملے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال کرو۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب دیوان اور بیت المال قائم کیا اور مسلمانوں کے لئے حسب مراتب سالانہ وظیفے مقرر ہوئے تو سب سے زیادہ رقم ان بزرگوں کے لئے تجویز ہوئی جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ حضرت حسنؓ اور حسینؓ اگرچہ غزوۂ بدر کے وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے، تاہم حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وہ دونوں بھی اتنا ہی (یعنی پانچ پانچ ہزار درہم) وظیفہ پاتے تھے جو غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کو ملتا تھا۔ حضرت علیؓ اور خود امیر المومنین کا وظیفہ بھی اتنا ہی تھا۔

حضرت عثمانؓ کا برتاؤ بھی حضرت حسنؓ کے ساتھ شفقت آمیز تھا۔ ان کے عہد خلافت

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

سعید: بخدا! جس طرح تو مجھے قتل کرے گا۔ اسی طرح آخرت میں خدا تجھ کو قتل کرے گا۔

حجاج: کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے معاف کر دیا جائے۔

سعید: اگر عفو ہے تو اللہ کی طرف سے ہے۔ مگر تیرے لئے برأت و عذر کچھ باقی نہیں۔

حجاج: لے جاؤ قتل کر ڈالو۔ اس کے منہ کا رخ قبلہ کی طرف سے پھیر دو۔ پیشانی زمین پر رکھ دو اور اسے ذبح کر دو۔

سعید: میں تجھے "کلمہ شہادت" کا گواہ بناتا ہوں۔ اس شہادت کو اپنے پاس رکھنا۔ قیامت کو ادا کرنا ہوگی۔ اس کے بعد حضرت سعید بن جبیر نے دعا کی کہ اے خداوند کریم میرے بعد حجاج کو ایسا تسلط نہ دینا کہ یہ کسی کو قتل کر سکے۔

سعید بن جبیر شعبان 95 ہجری (713ء) کو 94 برس کی عمر میں قتل کئے گئے۔ زندگی کے آخری لمحات میں انہوں نے جو دعا مانگی تھی، پوری ہوئی اور حجاج اسی سال رمضان میں بیمار ہو کر مر گیا اور ان کے بعد کسی کو قتل نہ کر سکا۔

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ جب حجاج نے ابن جبیر کو قتل کیا تو اس وقت روئے زمین [illegible] کوئی ایسا نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ تھا۔ جب حسن بصریؒ نے سنا کہ حجاج نے سعید بن جبیر کو قتل کر دیا ہے تو دعا کی کہ بار الٰہا! اس فاسق (حجاج) کو سنبھال۔ پھر کہا: بخدا! اگر مشرق و [illegible] کے کل باشندے بھی ابن جبیرؒ کے قتل میں شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ سب کو ہی دوزخ [illegible]

سعید بن جبیرؒ کے قتل کے بعد حجاج بیمار پڑ گیا۔ بار بار غشی کا دورہ پڑتا اور جب ہوش [illegible] پکارتا کہ ابن جبیر میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ جب آنکھ لگتی ہے، تب ہی آ موجود ہوتا ہے [illegible] کہ اے دشمن خدا تم نے کس جرم میں مجھے قتل کیا؟ جب بھی ایسا ہوتا حجاج ڈر کر چیخ [illegible] تھا جسے خود معلوم نہ تھا کہ اس کی زبان کے احکام اور تلوار کے وار کتنے بے [illegible] لے چکے ہیں۔

[illegible] حجاج کو اس کی وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تیرا کیا [illegible] نے جواب دیا: جتنے لوگ میں نے قتل کئے تھے سب کے عوض ایک ایک دفعہ [illegible] ابن جبیر کے عوض مجھے ستر دفعہ قتل کیا گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

ں کرائے گا۔ یہ سال مسلمانوں میں "عام الجماعۃ" کے نام سے مشہور ہوا، اس لیے کہ ان کا تفرقہ مٹ گیا تھا اور وہ متحد ہو کر ایک جماعت بن گئے تھے۔

مدت خلافت کے متعلق روایتوں میں اختلاف ہے۔ بعض میں چار ماہ کی مدت بتائی گئی ہے اور بعض میں آٹھ ماہ سے کچھ اوپر۔ صحیح یہ ہے کہ آپ کی بیعت 20 رمضان 40ھ کو ہوئی اور 15 جمادی الاول 41ھ کو آپ دست بردار ہو گئے۔ اس طرح کل مدت سات ماہ اور چھبیس دن ہوتی ہے۔

صلح کے بعد حضرت حسنؓ مدینہ منورہ چلے گئے اور باقی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں گزار دی۔ وقت کا بڑا حصہ عبادت الٰہی میں صرف ہوتا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کیے تو اس نے کہا: فجر کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک جائے نماز پر رہتے ہیں۔ پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور آنے جانے والوں سے ملتے ہیں۔ دن چڑھے چاشت کی نماز ادا کر کے امہات المومنین کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ مکہ معظمہ میں ہوتے تو معمول تھا کہ عصر کی نماز حرم پاک میں ادا کر کے طواف میں مشغول ہو جاتے۔

وفات ربیع الاول 50ھ (671ء) میں بہ مقام مدینہ منورہ ہوئی۔ متعدد کتب میں مذکور ہے کہ آپ کی وفات زہر سے ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق امام حسینؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ کو زہر کس نے پلایا، فرمایا: پوچھ کر کیا کرو گے؟ جس کی نسبت میرا گمان ہے اگر دراصل ایسا ہی ہے تو خدا اس سے بدلہ لے گا، اگر وہ نہیں تو اپنے بدلے کسی بے گناہ کا مارا جانا مجھے پسند نہیں۔ اس ضمن میں کئی روایات ہیں کہ آپ کی زوجہ جعدۃ بنت اشعث نے آپ کو زہر دیا جو وفات کا باعث بنا۔ نماز جنازہ مدینہ منورہ میں سعید بن العاصؓ نے پڑھائی۔ امام حسینؓ نے خود انہیں آگے کیا اور فرمایا کہ سنت یہی ہے کہ امیر شہر نماز پڑھائے۔

آپ نے چند حدیثیں بھی روایت کیں، فتوے بھی دیتے تھے۔ علاوہ ازیں جو تقریریں آپ سے منقول ہیں ان سے واضح ہے کہ جوہر خطابت میں بھی آپ باکمال اور معروف تھے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

میں وہ جوان ہو چکے تھے، اس لئے مجاہدات میں بھی شریک ہوئے، چنانچہ 30ھ میں سعید بن العاصؓ کی ماتحتی میں طبرستان پر فوج کشی ہوئی تو حضرت حسنؓ نے بھی اس میں حصہ لیا۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنے کا طوفان اٹھا اور باغیوں نے مدینہ منورہ میں ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو حضرت علیؓ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا۔ اس مدافعت میں حضرت حسنؓ زخمی بھی ہوئے، سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا لیکن باغی اس دروازے سے داخل نہ ہو سکے جہاں حضرت حسنؓ کا پہرہ تھا، تاہم وہ ایک دوسری دیوار پھاند کر اندر پہنچ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

حضرت علیؓ کی بیعت کے بعد جنگ جمل پیش آئی۔ جب یہ اطلاع مدینہ منورہ میں پہنچی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جماعت جس میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، مکہ معظمہ سے عراق کی طرف روانہ ہو گئی ہے تو حضرت علیؓ بھی عراق کے قصد سے روانہ ہوئے اور حضرت حسنؓ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پہلے ہی کوفے بھیج دیا۔ صحیح بخاری سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ مسجد کوفہ میں منبر کے سب سے اونچے مقام پر تھے اور حضرت عمارؓ ان سے نیچے کھڑے تھے اور انہوں نے تقریر کی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ اہل کوفہ کو حضرت علیؓ کی امداد کے لئے آمادہ کریں۔ جنگ جمل میں شرکت کے ذکر کے سوا حضرت حسنؓ کے متعلق مستند روایات میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

اس کے بعد 37ھ میں جنگ صفین پیش آئی۔ اس میں بھی بجز شرکت کے کوئی خاص عملی حصہ مستند روایات سے ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ التوائے جنگ کے لئے عہد نامہ لکھا گیا تو اس کے ایک شاہد حضرت حسنؓ بھی تھے۔

رمضان 40ھ میں ابن ملجم نے حضرت علیؓ پر مہلک وار کیا، آپ زخمی ہونے کے بعد تین دن زندہ رہے۔ اس دوران حضرت حسنؓ کی جانشینی کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: ''نہ میں حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں''۔ حضرت علیؓ کی تجہیز و تدفین سے فراغت کے بعد کوفے کی مسجد جامع میں حضرت حسنؓ کے لئے بیعت خلافت ہوئی بیعت کرنے والوں کی تعداد بیس ہزار سے اوپر تھی۔ بیعت سے چار ماہ بعد حضرت حسنؓ اہل عراق کو ساتھ لے کر اور حضرت معاویہؓ اہل شام کو ساتھ لے کر جنگ کے لئے نکلے۔ دونوں لشکر بمقام مسکن آمنے سامنے ہوئے۔ اس وقت حضرت حسنؓ نے اندازہ فرما لیا کہ دونوں میں سے کسی فریق کی شکست اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دوسرا فریق برباد نہ ہو جائے۔ یہی امر صلح کا محرک ہوا اور حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صلح کے لئے لکھا۔ حضرت معاویہ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

کہ ''حسین مجھ سے ہے، میں حسین سے ہوں جو حسین سے محبت کرے اللہ اس سے محبت
کرے حسین میری اولاد کی اولاد ہے''۔(ترمذی)

رسول اللہؐ اور حضرت فاطمہؓ زہرا کی رحلت ہجرت کے گیارھویں سال ہوئی۔ یہ
حادثے اہل بیت کے لئے انتہائی سخت تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد
خلافت میں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کے لئے پانچ پانچ ہزار درہم کا وظیفہ مقرر
کیا۔ فتح ایران کے بعد یزدجرد کی لڑکیاں مدینے آئیں۔ جن میں سے ایک کو جناب امام
حسینؓ سے منسوب کیا گیا اور دوسری محمد بن ابی بکر کو مرحمت فرمائی۔ امام حسینؓ کی زوجہ
ہوئیں جن کے بطن سے 658ء میں امام زین العابدین پیدا ہوئے۔

655ء میں حضرت علیؓ کی بیعت عام ہوئی۔ 657ء میں آپ بصرہ آئے، کوفے کو
دارالخلافہ بنانے کے بعد امام حسینؓ بھی مدینے سے وہاں تشریف لے گئے۔ بعد ازاں جنگ
جمل، جنگ صفین، مسئلہ تحکیم اور معرکہ خوارج میں اپنے عظیم باپ کے ہم قدم رہے۔

40 ہجری کو حضرت علیؓ دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو گئے تو امام حسینؓ کوفے
میں موجود تھے۔ اس کے بعد امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ کی کشمکش کا نتیجہ آخرکار صلح کی صورت
میں برآمد ہوا تو تمام اہل بیت کوفے سے مدینے تشریف لے آئے۔ مدینے میں امام [illegible] کے
بھائی کے زمانے میں خاموشی کے ساتھ دینی خدمات بجالاتے رہے۔ آپ قرآن کے
مطالب اور احادیث بیان فرماتے۔ حسب و نسب کی کرامت و شرافت اور بلندی کے باوجود
آپ میں حد درجے کا انکسار پایا جاتا تھا۔ غلاموں کی لغزشوں کو معاف کرنا، غرباء کے گھروں
پر کھانا پہنچانا، قرض داروں کے قرضوں کی ادائی آپ کے معمولات تھے۔ فصاحت و بلاغت
اور علم و حکمت آپ کی خانہ زاد تھی۔ آپ کے مکتوبات، خطبات اور ملفوظات کے مجموعے اس
امر کی کھلی شہادت ہیں۔

امام حسینؓ کا وہ کارنامہ جس نے عالمگیر شہرت حاصل کی عاشورۂ 61 ہجری کی قربانی
ہے۔ آئیے! اسلامی تاریخ اس اہم ترین واقعہ کے پس منظر اور منظر کی طرف چلتے ہیں۔

پروفیسر محمد علی شاہین لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا یزید، جسے
وہ ولی عہد قرار دے چکے تھے، 680ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں تین بڑے
واقعات وقوع پذیر ہوئے۔ سانحہ کربلا، واقعہ حرہ اور محاصرہ مکہ۔

سانحہ کربلا کے حوالے سے مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں: ''جس واقعہ نے [illegible]
دینی سیاسی اور اجتماعی تاریخ پر سب سے گہرا اثر ڈالا ہے، وہ واقعہ کربلا ہے...

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

حسینؓ بن علیؓ

عہد حیات: 626ء۔ 681ء

کوفہ سے آئے خط میں لکھا تھا: زمین سرسبز ہو چکی ہے۔ پھل پک چکے ہیں۔ آپ کی مدد کے لئے لشکر تیار ہے۔ تشریف لے آئیں... اور آپ روانہ ہو گئے

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

امام عالی مقام، شہید اعظم، سید الشہداء حضرت حسین بن علی بن ابی طالب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند۔ آپ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت عام شہرت کی بنا پر 3 شعبان 4 ہجری (جنوری 626ء) تسلیم کی جاتی ہے۔ ولادت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ دائرہ معارف اسلامیہ میں "الحسینؓ" کے مقالہ نگار مرتضیٰ حسین لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن حضرت حسینؓ کی پہلی غذا تھا۔ نانا نے حسین نام رکھا، ساتویں دن عقیقہ کیا، سر کے بال اتروائے اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی۔

حضرت امام حسینؓ اپنے بھائی حضرت امام حسنؓ سے کچھ ہی چھوٹے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سے یکساں محبت فرماتے۔ دونوں بھائی نانا کی تصویر تھے۔ امام حسنؓ سر سے سینہ تک اور امام حسینؓ سینہ سے قدم تک۔

امام حسینؓ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اکثر کتب حدیث میں آیا ہے

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

کے اس دشمن کو موت کی نیند سلا دیا ہے جو انتہائی سرکش اور ظالم تھا، جس نے امت کا نظام درہم برہم کر دیا اور لوگوں کی مرضی کے خلاف ان پر حکومت کی۔ امت کے نیک لوگوں کو شہید کیا اور شرپسندوں کو ساتھی بنایا۔ اللہ کا مال ساتھیوں اور رشتہ داروں میں بے دریغ لٹایا۔ ہم بغیر امام کے ہیں۔ آپ تشریف لائیں تاکہ آپ کی مدد سے ہم حق پر جمع ہو جائیں۔ امیر کوفہ نعمان بن بشیر سرکاری محل میں ہے۔ اس کے پیچھے نہ ہم جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں نہ عید کی۔ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو ہم اسے شام کی حدود میں دھکیل دیں گے۔۔۔"

یہ خط بھیجنے کے دو روز بعد اہل کوفہ نے مختلف معززین کے اکٹھے ڈیڑھ سو خطوط آپ کے نام روانہ کئے۔۔۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل مضمون کا ایک اور خط روانہ کیا گیا:

"حسینؓ بن علیؓ کے نام۔ آپ کے مومن مددگاروں اور حامیوں کی طرف سے۔ لوگ آپ کا انتظار بے چینی سے کر رہے ہیں۔ وہ آپ کے سوا کسی کی حکومت قبول نہیں کر سکتے۔ آپ جس قدر جلد ممکن ہو یہاں تشریف لے آئیں، والسلام"۔

اہل کوفہ حالت اضطراب میں مسلسل حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے قلمی رابطہ رکھے ہوئے تھے اور خط پر خط بھیج رہے تھے۔ ہر خط پہلے سے زیادہ پراصرار ہوتا تھا، مثال ملاحظہ ہو:

"زمین سرسبز ہو گئی ہے۔ پھل پک چکے ہیں۔ آپ کی مدد کے لئے لشکر تیار ہے، آپ تشریف لے آئیں۔"

عمر ابوالنصر کے بعد اب اس داستان کا کچھ حصہ "تاریخ الامت" کے مولف علامہ اسلم جیراج پوری کی زبانی:

علامہ صاحب لکھتے ہیں کہ اہل کوفہ کے خطوط کے جواب میں امام حسینؓ نے انہیں ...

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

کے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے کسی المناک سانحہ پر نسل انسانی کے اس قدر آنسو نہ بہے ہوں گے جس قدر اس حادثہ پر بہہ چکے ہیں۔ امام حسینؓ کے جسم خونچکاں سے دشت کربلا میں جس قدر خون بہا تھا، اس کے ایک ایک قطرے کے بدلے دنیا اشک ہائے ماتم والم کا ایک ایک سیلاب بہا چکی ہے۔ بایں ہمہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اتنا مشہور اور عظیم تاثیر رکھنے والا واقعہ بھی تاریخ سے کہیں زیادہ افسانہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔۔۔ اگر آج جستجو کی جائے کہ دنیا کی کسی زبان میں بھی کوئی ایسی کتاب موجود ہے جو حادثہ کربلا کی "تاریخ" ہو تو واقعہ یہ ہے کہ ایک بھی نہیں!"

اس کے بعد مولانا آزاد سانحہ کربلا کی داستان ان لفظوں سے آغاز کرتے ہیں کہ اہل بیت شروع سے ہی خود کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کی وفات کے بعد تخت خالی ہوا۔ یزید بن معاویہ پہلے سے ولی عہد مقرر ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور حضرت حسینؓ سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا۔ امیر المومنین حضرت علیؓ نے کوفہ کو دارالخلافہ قرار دیا تھا اس لئے وہاں اہل بیت کے طرفداروں کی تعداد زیادہ تھی انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

قارئین! اس مرحلے پر ہم یہ جاننے کے لیے کہ اہل کوفہ نے امام عالی مقام کو کیا لکھا، کیسے لکھا اور کیوں لکھا، عمر ابوالنصر سے رجوع کرتے ہیں۔ کیونکہ ابوالنصر نے کوفہ سے آنے والے خطوط پر سیر حاصل بحث کی ہے اگرچہ یہ بحث ہمارے موضوع سے براہ راست تعلق نہیں رکھتی لیکن ایک سرسری نظر دوڑا لینے میں کچھ مضائقہ بھی نہیں۔

عمر ابوالنصر لکھتے ہیں کہ "حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو عراق میں بڑی تائید حاصل تھی۔ عراق میں آپ کے حامی وقتاً فوقتاً آپ کو لکھتے رہتے تھے کہ آپ یہاں تشریف لائیں ہم آپ کی پوری حمایت کریں گے اور امیر معاویہؓ کے خلاف آپ کی ہر طرح مدد کریں گے۔ ان خطوط اور قاصدین کا سلسلہ حضرت حسنؓ ہی کے زمانے سے شروع ہو چکا تھا۔۔۔ کوفہ کے ... حضرت حسینؓ کی جو خط و کتابت رہتی تھی امیر معاویہؓ کے عمال اور جاسوس اس کی ... کو پہنچاتے رہتے تھے۔۔۔ اہل کوفہ حضرت حسین رضی اللہ ... کے خلاف بغاوت کے لئے سب ... حضرت

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

زندگی کس کام کی، غرض سفر جاری رہا۔ اس واقعہ کے بعد آپ کے ساتھ صرف وہی جانثار رہ گئے جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے۔

آگے چل کر مقام ذی حسم میں حر بن یزید تمیمی ایک ہزار سپاہ کے ساتھ جسے ابن زیاد نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو گھر لانے کے لئے بھیجا تھا ملا، اس سے آپ نے فرمایا کہ، میں خود سے نہیں آیا ہوں، بلکہ تم لوگوں کے خطوط اور آدمی آئے تھے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ آپ آ کر ہماری رہنمائی کیجئے، اگر تم لوگ اس بیان پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر چلوں، ورنہ یہیں سے لوٹ جاؤں۔ حر اور اس کے ساتھیوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، آپ نے کوفیوں کے تمام خطوط حر کے سامنے ڈھیر کر دیئے۔ اس نے کہا: ہم کو اس سے بحث نہیں ہے۔ ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ جہاں کہیں مل جائیں آپ کو لے جا کر ابن زیادہ کے پاس پہنچا دیں۔

نینویٰ میں حر کو ابن زیاد کا حکم ملا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو ایسے چٹیل میدان میں اتارو جہاں کوئی اوٹ اور پانی وغیرہ نہ ہو، حر نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہ حکم سنا دیا، لیکن اس نے تعمیل پر کوئی اصرار نہیں کیا اور 2 محرم 61ھ کو حضرت حسینؓ نے کربلا میں قافلہ اتارا۔ تیسری محرم کو عمر بن سعد چار ہزار فوج لے کر کربلا پہنچا۔ یہ حضرت حسینؓ کا قریبی عزیز تھا۔ بڑی کشمکش کے بعد حکومت کی طمع میں اس نے یہ مہم اپنے سر لی تھی۔ لیکن اس کا ضمیر برابر ملامت کر رہا تھا۔ اس نے کربلا آنے کے بعد مفاہمت کی بڑی کوشش کی۔ حضرت امام حسینؓ سے پوچھا کہ آپ کیوں آئے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں کوفیوں کے بلاوے پر آیا تھا۔ اب واپس جانے کے لئے تیار ہوں، لیکن وہاں سے حکم آیا کہ پہلے ان سے بیعت لے لو۔ اس کے بعد غور کیا جائے گا۔ بعدازاں دوسرا حکم پانی بند کر دینے کا پہنچا۔

اس حکم کے بعد سعد نے 7 محرم 61ھ سے فرات پر پہرہ بٹھا دیا۔ حضرت امام حسینؓ کے سوتیلے بھائی عباس بن علیؓ بڑے بہادر تھے یہ چند آدمیوں کو لے کر زبردستی پانی لے آئے۔

عمر بن سعد حکومت کی طمع میں حضرت امام حسینؓ سے مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

اللہ پر عمل کرے اور سنت پر قائم رہے۔''
پھر مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔ مسلم جب کوفہ میں پہنچے تو کوفی ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ یہاں سب لوگ آپ کی امامت کے خواہشمند ہیں آپ تشریف لایئے۔ نعمان بن بشیر اس زمانہ میں کوفہ کے والی تھے۔ ان کو جب یہ اطلاع ہوئی کہ اہل کوفہ مسلم کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں تو انہوں نے کہا: ''اس کا نتیجہ تباہی و بربادی ہے۔۔۔ جب تک لوگ لڑنے کے لئے نہیں نکلیں گے میں خود پیش قدمی نہیں کروں گا۔''
یہ واقعات ایک شخص نے یزید کو لکھے اور کہا کہ نعمان سے کچھ نہیں ہو سکے گا۔ اس پر یزید نے نعمان کو معزول کر کے ابن زیاد کو بصرہ کے ساتھ ساتھ کوفہ کا بھی والی کر دیا۔ اس نے نئے والی کو مسلم کے قتل یا علاقہ بدری کا حکم بھی دے دیا۔ ابن زیاد نے اس کی تعمیل کی اور مسلم بن عقیل کو شہید کر دیا۔
دوسری طرف امام حسین رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں جب مسلم کا خط ملا تو وہ کوفہ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ پھر کیا ہوا؟ اس سوال کا جواب شاہ معین الدین احمد ندوی کچھ یوں دیتے ہیں:
''مسلم نے حضرت امام حسین کو کوفہ کے حالات کی اطلاع دے کر آپ کو بلا بھیجا تھا۔ اس اطلاع پر آپ نے روانگی کی تیاریاں شروع کر دیں۔۔۔ اہل مکہ اور حضرت امام حسینؓ کے اعزہ کوفیوں کی غداری سے پوری طرح واقف تھے۔ اس لئے جب انہیں آپ کی تیاریوں کی خبر ملی تو تمام ہواخواہوں نے روکا۔۔۔ لیکن مشیت کچھ اور تھی اس لئے خیر خواہوں کی ساری کوششیں بیکار ہو گئیں اور حضرت امام حسینؓ ذی الحجہ 60ھ کو مع اہل و عیال مکہ سے کوفہ روانہ ہو گئے۔ مکہ سے نکلنے کے بعد فرزوق شاعر جو کوفہ سے آ رہا تھا ملا، اس نے بتایا کہ کوفیوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں، لیکن تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔
شامی حکومت کو آپ کی روانگی کی خبر مل چکی تھی، اس نے آپ کی اطلاع اور آپ کے اور اہل کوفہ کے درمیان نامہ و پیام کا سلسلہ منقطع کرنے کے لئے تمام راستوں پر پہرہ بٹھا دیا۔ لیکن اس کے باوجود آپ کو کوفہ کے ایک مسافر سے مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی، یہ خبر سننے کے بعد آپ کے ارادہ میں کچھ تغیر ہوا، ہوا خواہوں نے بھی واپسی کے لئے اصرار کیا، لیکن اب مسلم کے بھائیوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم یا تو مسلم کے خون کا بدلہ لیں گے یا خود لڑ کر جان دے دیں گے۔ ان کے اصرار پر آپ نے فرمایا کہ جب تم ہی لوگ نہ رہے تو میری

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

چلے۔ مگر دشمن کب جانے دیتا تھا؟ اچانک ایک تیر آیا اور آپؓ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ آپؓ نے تیر کھینچ لیا پھر اپنے ہاتھ منہ کی طرف اٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے۔ آپؓ نے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا: ''الٰہی میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ دیکھ تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے سے کیا برتاؤ ہو رہا ہے!''

اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ دشمن اگر چاہتا تو آپ کو بہت پہلے قتل کر ڈالتا۔ مگر یہ گناہ کوئی بھی اپنے سر لینا نہیں چاہتا تھا۔ آخر شمر بن ذی الجوشن چلایا: ''تمہارا برا ہو! کیا انتظار کر رہے ہو؟ کیوں کام تمام نہیں کرتے''؟ اب ہر طرف سے پھر نرغہ ہوا آپؓ نے پکار کر کہا: ''کیا میرے قتل پر ایک دوسرے کو ابھارتے ہو، واللہ میرے بعد کسی بندے کے قتل پر بھی خدا اتنا ناخوش نہیں ہوگا جتنا میرے قتل پر ناخوش ہوگا''۔

مگر اب وقت آ چکا تھا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپؓ کے بائیں ہاتھ کو زخمی کیا۔ پھر شانے پر تلوار ماری۔ آپ کمزوری سے لڑکھڑائے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹے۔ مگر سنان بن انس نے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپؓ زمین پر گر پڑے۔ اس نے ایک شخص سے کہا: سر کاٹ لے۔'' وہ سر کاٹنے کے لئے لپکا مگر جرأت نہ ہوئی۔ سنان بن انس نے دانت پیس کر کہا'' خدا تیرے ہاتھ شل کر ڈالے!'' پھر جوش سے اترا۔ آپ کو ذبح کیا اور سر تن سے جدا کر لیا۔

بد بخت قاتل سید الشہداء کا سر کاٹ کر عمر بن سعد کے پاس دوڑا گیا اور خیمہ کے سامنے کھڑا ہو کر چلایا:

''مجھے چاندی سونے سے لاد دو، میں نے بڑا بادشاہ مارا ہے! میں نے
اسے قتل کیا ہے جس کے ماں باپ سب سے افضل ہیں اور جو اپنے
نسب میں سب سے اچھا ہے۔''

شاہ معین الدین احمد ندوی ''تاریخ اسلام'' میں رقمطراز ہیں کہ انسانیت کے محسنوں کی یہ لازوال قربانی، یہ المناک حادثہ اور اندوہناک سانحہ 10 محرم ...
اس دن سے آج تک ...

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

فوج ذی الجوشن کے حوالے کر دو۔ ابن سعد پر یہ حکم بہت گراں گزرا، لیکن رے کی حکومت کا چھوڑنا اس سے زیادہ دشوار تھا، اس لیے بادل ناخواستہ اس کی تعمیل کے لیے تیار ہو گیا اور محرم کی نویں تاریخ کو خود حضرت امام حسینؓ سے مل کر ان سے آخری گفتگو کی، لیکن مصالحت کی کوئی صورت تھی ہی نہیں، حضرت امام حسینؓ بیعت نہیں کر سکتے تھے اور شام کی حکومت بغیر بیعت لئے ہوئے ان کو چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ اس لیے آخری گفتگو بھی ناکام رہی۔

اس کے بعد حر بن تمیمی یزیدی لشکر کا ساتھ چھوڑ کر آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے اور جنگ شروع ہو گئی، پہلے ایک ایک آدمی میدان میں آیا اور حسینی فوج کے چند آدمی شہید ہو گئے۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی، دونوں لشکروں کی قوت میں تناسب نہ تھا، ایک طرف چار ہزار مسلح سپاہ تھی، دوسری طرف کل 72 آدمی، تاہم یہ مٹھی بھر آدمی بڑی شجاعت سے لڑے لیکن دوپہر تک حضرت حسینؓ کے بہت سے آدمی کام آ گئے۔

ان کے بعد باری باری سے حضرت علی اکبر، عبداللہ بن مسلم، جعفر طیار کے پوتے عدی عقیل کے فرزند عبدالرحمن، ان کے بھائی، حضرت حسنؓ کے صاحبزادے قاسم اور ابوبکر وغیرہ میدان میں آئے اور شہید ہوئے، ان کے بعد حضرت امام حسینؓ نکلے، عراقیوں نے ہر طرف سے یورش کر دی، آپ کے بھائی عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان آپ کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور چاروں نے شہادت حاصل کی۔ اب حسینؓ کی باری تھی۔

ابوالکلام آزاد انسانی تاریخ کے ان المناک ترین لمحوں کی روداد اشک نما لفظوں میں کچھ اس طرح رقم کرتے ہیں:

آپؓ پر ہر طرف سے نرغہ شروع ہوا۔ آپؓ نے بھی تلوار چلانا شروع کی۔ پیدل فوج پر ٹوٹ پڑے اور تن تنہا اس کے قدم اکھاڑ دیئے، عبداللہ بن عمار، جو خود اس جنگ میں شریک تھا، روایت کرتا ہے کہ میں نے نیزے سے حضرت حسینؓ پر حملہ کیا اور ان کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اگر میں چاہتا تو قتل کر سکتا تھا مگر یہ خیال کر کے ہٹ گیا کہ یہ عظیم گناہ اپنے سر کیوں لوں۔ میں نے دیکھا دائیں بائیں ہر طرف سے ان پر حملے ہو رہے تھے، لیکن وہ جس طرف مڑ جاتے دشمن کو بھگا دیتے تھے۔ وہ اس وقت کرتہ پہنے اور عمامہ باندھے تھے واللہ میں نے کبھی کسی شکستہ دل کو جس کا گھر کا گھر خود اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہو گیا ہو، ایسا شجاع ثابت قدم، مطمئن، اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے جس طرح شیر کو دیکھ کر بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔

لڑائی کے دوران میں آپ کو بہت سخت پیاس لگی۔ آپؓ پانی پینے فرات کی طرف

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

"مجھے وہ وقت یاد ہے، جب مجھے زہر دیا گیا۔" پھر ایک غلام کو بلا کر پوچھا:
"تم مجھے زہر دینے پر کیوں آمادہ ہوئے؟" اس نے کہا:
"مجھے ایک ہزار دینار دے کر آزاد کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔"

717ء میں خلافت سنبھالنے والے یہ مثالی خلیفہ آخر کار بیس دن کی علالت کے بعد 720ء میں انتقال فرما گئے۔ اس وقت آپ کی عمر 39 سال تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو تین سال سے بھی کم مدت تک خلافت کا منصب سنبھالنے کا موقع ملا لیکن اس انتہائی مختصر وقت میں بھی انہوں نے خلافت راشدہ کے نظام کو دوبارہ رائج کرنے کی بھرپور اور لائق صد تحسین کوشش کی۔ بلاشبہ یہ اپنی جگہ ایک بہت بڑا فکری اور عملی کارنامہ ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز

عہد حیات: 681ء۔ 720ء

یہ وہ وقت تھا جب خلافت پوری طرح بادشاہت میں تبدیل ہو چکی تھی لیکن آپ نے اپنے مختصر سے دور میں خلفائے راشدینؓ کا نظام ازسرنو اپنا کر دکھایا

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز 681ء میں مدینے میں پیدا ہوئے۔ آپ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بھتیجے اور داماد تھے۔ آپ کے والد برسوں مصر کے حاکم رہے۔ آپ کا نکاح خلیفہ عبدالملک کی بیٹی فاطمہ سے ہوا لیکن شہزادی ہونے کے باوجود انہوں نے آپ کی درویش صفت طبیعت کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا اور سادگی و ناداری میں عمر بسر کر دی۔

عمرؒ بن عبدالعزیز مصر میں جوان ہوئے۔ جب مدینہ کے گورنر بنے تو مسجد نبوی اور روضہ پاک کی از سرنو تعمیر کرائی۔ جب خلیفہ سلیمان نے وصیت کی کہ میرے بعد عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنایا جائے تو آپ نے صاف کہہ دیا کہ مجھے اس عہدے کی بالکل خواہش نہیں ہے، مسلمان جس کو چاہیں خلیفہ بنا لیں لیکن مسلمانوں نے اصرار کیا اور آپ کو مسند خلافت پر متمکن ہونا پڑا۔

خلیفہ بننے کے بعد آپ نے اپنی اور تمام اہل خاندان کی جاگیریں منسوخ کر دیں۔ آپ کی بیوی فاطمہ کے پاس ایک ہیرا تھا اسے بیت المال میں جمع کرا دیا اور وہاں سے صرف دو درم روزانہ وصول پانے لگے۔ سادہ کھانا کھاتے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے، قرآن حکیم کی تلاوت اور عبادت میں دن رات مشغول رہتے اور مستحق لوگوں کی بساط بھر امداد کرتے۔ آپ کی امانت و دیانت کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔

روایت ہے کہ آپ کو زہر دے کر شہید کیا گیا۔ ابوالکلام آزاد کے مطابق انہوں نے کہا

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

فتنہ مٹا کر اسلامی حکومت کے مغربی حصے میں امن و امان قائم کرے۔
عقبہ نے سب سے پہلے تونس میں ایک مناسب مقام تجویز کر کے فوجی چھاؤنی قائم کر دی۔ بعد میں وہاں وہ شہر آباد ہوا، جس نے قیرواں کے نام سے عالمگیر شہرت پائی۔ عقبہ نے اس نئے فوجی مرکز سے پیش قدمی شروع کی تو بربر کہیں مقابلہ نہ کر سکے۔ عقبہ شہروں پر شہر فتح کرتا ہوا شمالی افریقہ کی آخری حد تک پہنچ گیا۔ وہیں اس نے وہ الفاظ کہے تھے جو آپ گزشتہ سطور میں پڑھ آئے ہیں اور جن سے تاریخ کا ایوان ہمیشہ گونجتا رہے گا۔ علامہ اقبالؒ نے ''شکوہ'' میں اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

دشت تو دشت ہیں، صحرا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

683ء میں بربریوں کے ایک سردار نے جو بظاہر مسلمان ہو چکا تھا، دھوکے سے عقبہ کو الجزائر کے مشہور مقام بسکرہ میں شہید کرا دیا، مگر اس بہادر جرنیل نے نوک شمشیر سے جن خطوں پر نقش کھینچے تھے، وہ ہمیشہ کے لیے دنیائے اسلام کے اجزا بن گئے۔ عقبہ کا مشہد ابھی تک شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی قومی زیارت گاہ ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

عقبہ بن نافع

شہادت: 683ء

اسلام کے ابتدائی دور کا نامور فاتح اور باتدبیر سپہ سالار جو شمالی و مغربی افریقہ کو فتح کرتا ہوا اوقیانوس کے کنارے جا پہنچا اور بے اختیار گھوڑا سمندر میں ڈال دیا۔ اقبال کا ایک شعری اشارہ اسی واقعے کی یاد دلاتا ہے:"بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے"

اس عظیم اسلامی سپہ سالار کا پورا نام تاریخ دانوں نے ''عقبہ بن نافع بن عبد قیس، قرشی، فہری'' لکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ملاقات ثابت نہیں لیکن حضرت عمرؓ کے دور میں فتح مصر کی مہم میں حصہ لینے کا واقعہ تاریخوں میں ضرور رقم ہے۔ یہی وہ عقبہ ہے جس نے کہا:

''اے خدا! اگر سمندر بیچ میں نہ آ جاتا اور زمین ختم نہ ہو جاتی تو میں برابر فتح کے پھریرے اڑاتا اور تیری توحید کے نعرے بلند کرتا چلا جاتا۔'' یہ الفاظ عقبہ بن نافع نے اس وقت کہے جب وہ شمالی و مغربی افریقہ کو فتح کرتا ہوا اوقیانوس کے کنارے پر جا پہنچا اور اس نے بے اختیار گھوڑا سمندر میں ڈال دیا، لیکن موجوں نے آگے نہ بڑھنے دیا۔ یہی وہ سمندر تھا جسے پرانے زمانے میں غالباً اس لیے بحر ظلمات کہا جاتا تھا کہ کوئی نہ جانتا تھا کہ اس سمندر کے آگے کیا ہے۔ عقبہ بن نافع اسلام کے ابتدائی دور کا نامور فاتح اور باتدبیر سپہ سالار تھا۔

شمالی افریقہ میں مصر حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں فتح ہو چکا تھا۔ اس کے بعد عربوں نے لیبیا پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے آگے بربر آباد تھے جن کے ساتھ سخت لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے خلافت کی باگ دوڑ سنبھالی تو عقبہ کو منتخب کیا کہ وہ بربروں کا

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

بھیج دیا۔ جب یہ جہاز دیبل کی بندرگاہ کے قریب پہنچا تو سندھ کے بحری لٹیروں نے حملہ کر کے مال و اسباب لوٹ لیا اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ کہتے ہیں کہ گرفتاری کے وقت ایک عورت کے منہ سے بے اختیار نکلا: ''فریاد اے حجاج، فریاد اے حجاج۔'' حجاج کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آنکھوں میں خون اتر آیا اور انہوں نے سندھ کے راجہ داہر کو لکھا کہ ڈاکوؤں کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دو اور نقصان کی تلافی کر کے مسلمان عورتوں اور بچوں کو واپس کر دو۔ راجہ داہر نے جواب دیا کہ سمندری قزاق میرے قابو سے باہر ہیں۔ اس لئے آپ کے حکم کی تعمیل سے قاصر ہوں۔ آپ خود آ کر ان سے نپٹ لیں۔ اس واقعہ سے پہلے بھی داہر نے مکران کے گورنر سعید بن اسلم کے قبائلیوں کو پناہ دے کر عرب حکومت سے رنجش پیدا کر رکھی تھی۔

اس پر حجاج نے ولید سے اجازت لے کر عبداللہ اسلمی کو چھ ہزار سپاہ کے ساتھ دیبل روانہ کیا۔ مگر راجہ داہر کی فوجوں نے اسے شکست دی اور قتل کر دیا۔ اس کے بعد ایک دوسری مہم سندھ روانہ کی گئی لیکن وہ بھی ناکام رہی۔

ان حملوں کی ناکامی سے حجاج کو اندازہ ہو گیا کہ داہر کو شکست دینا آسان نہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم کو حکم دیا کہ وہ سندھ پر لشکر کشی کریں اور انکی مدد کے لئے چھ ہزار شامیوں کی ایک فوج بھی بھیج دی۔ محمد بن قاسم کی عمر اس وقت صرف سترہ برس تھی لیکن وہ اپنی شجاعت، دلاوری اور بہادری کے باعث تمام اسلامی دنیا میں مشہور تھے اور ان کا شمار نامور جرنیلوں میں ہوتا تھا۔

محمد بن قاسم نے اپنی فوج کے دو حصے کئے ایک حصہ جس میں توپخانہ اور پیدل فوج تھی سمندر کی راہ سے روانہ کیا اور سوار دستوں پر مشتمل یونٹ کو اپنے ہمراہ لے کر چل پڑے۔ سب سے پہلا حملہ 711ء میں دیبل کی بندرگاہ پر ہوا جو موجودہ کراچی سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھی۔ مقامی آبادی سامنے آنے کی ہمت کرنے کی بجائے قلعہ میں محصور ہو گئی۔ محمد بن قاسم نے قلعہ شکن توپوں سے پتھر برسانے شروع کر دیئے لیکن اہل شہر دلیری سے مدافعت کرتے رہے۔ محاصرہ مسلسل ایک ماہ تک جاری رہا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر کار جاسوسوں نے خبر دی کہ جب تک شہر کے مندر کا جھنڈا اپنی جگہ قائم ہے اس وقت تک ہندو ہار نہیں مانیں گے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ جھنڈے کے نیچے بیٹھا ہوا دیوتا برابر ان کی حفاظت کر رہا ہے۔

محمد بن قاسم نے حکم دیا کہ سنگ باری کر کے جھنڈے کو گرا دیا جائے۔ جھنڈے کا گرنا

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

محمد بن قاسم

عہد حیات: 694ء۔ 716ء

اسلام کے وہ عظیم سپہ سالار اور فاتح جن کی ہندوستان میں آمد سے مقامی لوگوں کی گردنیں لاکھوں دیوی دیوتائوں کے بوجھ سے آزاد ہوگئیں اور سر خدائے واحد و برحق کے حضور جھک گئے

محمد بن قاسم کی پیدائش طائف میں ہوئی اور بچپن بھی اسی شہر میں گزرا لیکن بنیادی تعلیم و تربیت بصرہ میں ملی۔ حجاج بن یوسف ان کے چچا تھے اور خوب جانتے تھے کہ یہ گوہر آگے چل کر کیا جوہر دکھانے والا ہے۔ انہوں نے محمد بن قاسم کو بہت جلد عملی میدان میں لا کھڑا کیا اور صرف پندرہ برس کی عمر میں ایران میں کردوں کی بغاوت کو دبانے کے لئے بھیجا۔ 90ھ (708ء) میں پیش آنے والا یہ واقعہ اس لحاظ سے یادگار رہا ہے اور رہے گا کہ کمسن سپہ سالار نے باغیوں پر وہ دباؤ ڈالا کہ سارے کس بل نکال دیئے۔ کم عمری کے باوجود محمد بن قاسم کا کردوں کو مغلوب کر لینا ان کے شاندار اور پروقار مستقبل کا دیباچہ تھا۔ حجاج بن یوسف نے بعد ازاں کارکردگی کی بناء پر انہیں ایران کے شہر ''رے'' پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ وہ اس حملے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ ہدف بدل گیا اور سندھ کی طرف عازم سفر ہونے کی ہدایت ہوئی۔ اس سے پہلے امیر معاویہؓ کے زمانے میں مسلمان فوجوں نے سندھ کے متصلہ علاقے مکران پر قبضہ کر لیا تھا اور بوقان اور قیقان کے سرحدی علاقے بھی فتح ہو چکے تھے۔ محمد بن قاسم کی سندھ کو روانگی کی کہانی ڈاکٹر حمید الدین ''تاریخ اسلام'' کے صفحات میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

اس زمانہ میں کچھ مسلمان تاجر جزائر لنکا میں آباد ہو گئے تھے۔ ان میں سے جب ایک

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

محاصرہ کر کے پانی کے چشمے پر قبضہ کرلیا۔ مجبور ہو کر حریف مقابلے پر تو آیا لیکن ناکام و نامراد ہوا۔ ملتان کی فتح سے بے شمار زر و جواہر بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔

اس فتح کے بعد محمد بن قاسم پنجاب کے دیگر شہروں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں تسخیر کرتے ہوئے کشمیر کی سرحد تک پہنچ گئے لیکن اسی دوران خلیفہ ولید کی وفات اور سلیمان کی تخت نشینی کی اطلاع ملی جس پر وہ ملتان میں اپنا نائب مقرر کر کے اروڑ واپس چلے آئے۔

نیا خلیفہ سلیمان، حجاج اور اس کے متعلقین کا جانی دشمن تھا کیونکہ حجاج نے اس کی تخت نشینی کی مخالفت کی تھی۔ حجاج تو ولید ہی کے عہد میں انتقال کر چکا تھا لہٰذا جو قیامت ٹوٹنا تھی اس کے عزیز و اقارب پر ٹوٹی جن میں محمد بن قاسم بھی شامل تھے۔ سلیمان نے محمد بن قاسم کو سندھ کی امارت سے معزول کر کے اس کی جگہ یزید بن ابی کبشہ کو حاکم بنا کر بھیج دیا۔ یزید نے محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے عراق کے نئے حاکم صالح کے پاس بھیج دیا۔ حجاج نے صالح کے بھائی کو قتل کرا دیا تھا۔ صالح نے بھائی کا انتقام محمد بن قاسم سے لینے کی ٹھانی اور دنیائے اسلام کے اس مایہ ناز جرنیل کو قید خانہ میں طرح طرح کی تکالیف اور اذیتیں دے کر مروا ڈالا۔

ایک بہادر اور غیر معمولی سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ محمد بن قاسم جہانبانی کی صفات سے بھی مالا مال تھے۔ اپنی مذہبی رواداری اور عادلانہ حکومت کے باعث انہوں نے اہل سندھ کے دل جیت لئے۔ وہ انہیں رحمت کا فرشتہ سمجھتے اور ان کی تصویریں بنا بنا کر اپنے پاس رکھتے تھے۔ جب محمد بن قاسم کے قتل کی اطلاع سندھ پہنچی تو چاروں طرف رنج و الم اور سوگ کا ماحول پیدا ہو گیا۔

ایک مسلمان حکمران کے ہاتھوں امت مسلمہ کے عظیم محسن محمد بن قاسم کا قتل اسلامی تاریخ کا ناقابل فراموش المیہ ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

تھا کہ ہندوؤں نے حوصلے ہار دیئے اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔
دیبل کی فتح کے بعد اسلامی لشکر حیدر آباد کی طرف بڑھا مگر وہاں کے باشندوں نے لڑے بغیر صلح کر لی۔ ان کی دیکھا دیکھی گردونواح کے دوسرے رئیسوں نے بھی جزیہ ادا کرنے کے وعدے پر اطاعت قبول کر لی۔ بعد ازاں سہوان کو بزور شمشیر فتح کر لیا گیا۔
اسی اثناء میں خبر ملی کہ راجہ داہر پچاس ہزار کا لشکر جرار لے کر دریائے سندھ کے کنارے پہنچ گیا ہے۔ محمد بن قاسم نے بھی ادھر کا رخ کیا اور دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے بڑی کوشش کی کہ کشتیوں کا پل بنا کر دریا کو پار کر کے دشمنوں پر جا پڑیں لیکن راجہ کے تیر انداز مزاحم ہوئے۔ آخر کار رات کی تاریکی میں اسلامی فوج نے دریا عبور کر لیا اور صبح ہوتے ہی اسلام کے مجاہد ہندوؤں پر پل پڑے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ دونوں طرف کے بہادروں نے خوب داد شجاعت دی۔ راجہ داہر بھی بہت بہادری سے لڑا اور اس وقت تک لڑتا رہا جب تک کہ ایک عرب نے آگے بڑھ کر اس کا کام تمام نہ کر دیا۔
راجہ کی موت پر اس کی فوج کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور وہ میدان چھوڑ کر برہمن آباد کی طرف بھاگ گئی۔ محمد بن قاسم اس کے تعاقب میں وہاں پہنچے اور ایک خونریز جنگ کے بعد برہمن آباد پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس معرکہ میں راجہ داہر کی ایک رانی جس کا نام لاڈی تھا، گرفتار ہوئی۔ محمد بن قاسم نے خلیفہ سے اجازت لے کر اسے اپنے حرم میں داخل کر لیا۔
اس کے بعد مسلمان اروڑ کی جانب بڑھے۔ یہاں راجہ داہر کا بیٹا گوپی مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے زبردست تیاریاں کر رہا تھا۔ اس نے مشہور کر رکھا تھا کہ راجہ داہر مرا نہیں بلکہ فوج فراہم کرنے کے لئے ہندوستان گیا ہوا ہے۔ اس افواہ پر یقین کر کے آس پاس کے تمام رئیسوں نے گوپی کی امداد کی اور اروڑ میں ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے بڑھ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ شہر والے مدافعت کرتے رہے کیونکہ انہیں راجہ داہر کے لوٹ آنے کی امید دلائی گئی تھی۔ محمد بن قاسم کو اس افواہ کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے رانی کی وساطت سے شہر والوں کو پیغام دیا کہ راجہ داہر قتل ہو چکا ہے۔ اس کی امداد کے خیال سے تم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس پر اہل شہر نے اطاعت قبول کر لی اور گوپی سر پر پاؤں رکھ کر فرار ہو گیا۔
اروڑ پر تسلط ہو جانے کے بعد اسلامی لشکر

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

عہد حیات: 745ء۔ 799ء

ائمہ اثنائے عشرہ میں آپ ساتویں امام ہیں۔ پہلے تو بغداد کے خلیفہ مہدی نے حبس کی سزا دی اور بعد میں ہارون رشید نے قید کر دیا۔ اسی قید کے دوران آپ زندگی سے آزاد ہو گئے

امام موسیٰ کاظم مدینہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت 128 ہجری بیان کی جاتی ہے۔

آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب کاظم ہے۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ امام موسیٰ عبد صالح کہہ کر پکارے جاتے تھے۔ نہایت سخی اور دردمند تھے۔ جب کبھی سن لیتے کہ فلاں شخص تنگدست ہے تو اشرفیوں کی ایک تھیلی اس کے پاس بھیج دیتے۔ عموماً یہ عادت تھی کہ دوسو، تین سو اور چار سو اشرفیوں کی تھیلیاں بنا لیتے اور مدینہ منورہ کے غرباء میں بانٹ دیتے۔

اس وقت بھی مدینہ میں ہی قیام تھا جب بغداد کے خلیفہ مہدی نے بلا کر حبس میں بھیج دیا۔

روایت ہے کہ ایک رات امیر المومنین حضرت علیؓ خلیفہ مہدی کو خواب میں نظر آئے۔ کہہ رہے تھے:

''کیا تم اگر والی بن جاؤ تو قریب ہو اس امر کے کہ زمین میں فساد کرنے لگو اور رشتوں کو قطع کر دو۔''

مہدی کا وزیر ربیع کہتا ہے کہ رات کو ہی میرے پاس آدمی پہنچا کہ خلیفہ بلاتے ہیں۔ میں ڈر گیا۔ وہاں پہنچا تو خلیفہ نے مجھے دیکھتے ہی کہا: موسیٰ بن جعفر کو بلاؤ۔ میں ان کو مجلس میں لے آیا۔ مہدی نے معانقہ کیا اور انہیں اپنے برابر جگہ دی۔ پھر استفسار کیا: کیا آپ مجھے اطمینان دلا سکتے ہیں کہ آپ یا آپ کی کوئی اولاد مجھ پر خروج نہ کرے گی۔ امام موسیٰ کاظم نے

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

آخری اموی خلیفہ جو میدان جنگ سے بھاگا اور مفروری کی حالت میں موت کے گھاٹ اترا۔ اس کے قتل کے ساتھ ہی بنو امیہ کے نوے سالہ دور اقتدار کا خاتمہ ہوا

یہ آخری اموی خلیفہ مروان دوم کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ خلافت کے عہدۂ جلیلہ پر متمکن ہونے سے پہلے آرمینیا اور آذر بائیجان کا گورنر رہا۔ مورخین اسے بیدار مغز، بہادر اور تجربہ کار حکمران کے خطابات دیتے ہیں۔ مروان بن محمد یزید ثالث کی وفات کے بعد خلیفہ بنا تو اس کے دور حکومت میں شام کے لوگوں نے بغاوت کر کے دمشق پر حملہ کر دیا۔ اس نے یہ نازک صورتحال بہت صبر و تحمل اور تدبر سے سنبھال کر باغیوں کی سرکوبی کی کامیاب کوشش کی۔ بعد ازاں خارجیوں کی بغاوت کی صورت میں اسے ایک اور بحران کا سامنا کرنا پڑا جسے اس کے فرزند عبداللہ نے ختم کیا اور اس دوران خارجی سردار ضحاک بن قیس مارا گیا۔

بنو عباس سے کشمکش چلی تو عباسی سردار عبداللہ بن علی نے دریائے ذاب کے کنارے مروان بن محمد کو فیصلہ کن شکست سے دوچار کیا۔ ''مسلمانوں کی سیاسی تاریخ'' (عہد بنو امیہ) کے مولف زاہد چوہدری لکھتے ہیں کہ اس معرکے کے بعد ''مروان فرار ہو کر دمشق اور پھر وہاں سے فلسطین چلا گیا۔ عبداللہ بن علی نے دمشق پر قبضہ مستحکم کر کے اپنے بھائی صالح بن علی کو مروان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ مروان فلسطین سے براستہ سمندر فرار ہو کر مصر کی جانب نکل گیا۔ صالح بن علی کے دستوں نے دریائے نیل کے کنارے اسے جا لیا۔ مروان نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حملہ آوروں کا مقابلہ کیا لیکن مارا گیا۔ اس کا سر کاٹ کر بنو عباس کے سردار ابوالعباس کے پاس بھیج دیا گیا۔ یوں بنو امیہ کا 90 سالہ دور اقتدار ختم ہو گیا''۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

حسینؒ بن منصور حلاج

ولادت: 858ء۔ شہادت: 922ء

پھانسی گھاٹ کی طرف جاتے ہوئے آپ نے ابوبکر شبلیؒ سے کہا: "جو آپ اب اس وقت دیکھ رہے ہیں اس کا باطن عام انسانوں سے مخفی ہے۔ اس کی ابتداء آج ہے اور اس کی انتہا آپ کل دیکھ لیں گے"

آپ کا پورا نام ابوالمغیث الحسین بن منصور حلاج ہے۔ 858ھ میں پیدا ہوئے۔ جائے پیدائش البیضا (فارس) کے شمال مشرق میں واقع الطور نامی قصبہ ہے۔ آپ کے والد منصور دھنیئے تھے، اسی نسبت سے حلاج کہلوائے۔

عمر کا ابتدائی حصہ عراق کے شہر واسط میں گزارا۔ پہلے سہل بن عبداللہ اور بعد میں عمرو مکی سے بصرہ میں تصوف کے حوالے سے استفادہ کیا۔ 264ھ میں بغداد آکر حضرت جنید بغدادیؒ کے حلقہ تلمذ میں شریک ہوئے۔ بعدازاں آپ نے فریضہ حج ادا کیا اور دوبارہ مریدوں کے ہمراہ بغداد آ گئے۔ لیکن اب کی مرتبہ بغداد کی فضا پہلے جیسی نہیں تھی۔ آپ کے عقائد سرکاری مولویوں کی نیندیں حرام کر رہے تھے۔ آپ ذات الٰہی کے ذات بشری میں حصول اور توحید ادیان کے قائل تھے۔ ہمہ اوست یا اتحاد ذات الٰہی کے اس پرچارک کو انہی عقائد کی بناء پر معتوب ٹھہرایا گیا۔ ابن داؤد الاصفہانی کے فتوے کی بناء پر گرفتار ہوئے۔ 301ھ میں دوسری مرتبہ گرفتار ہوئے اور آٹھ سال تک اسیر رہے۔ 309ھ میں مقدمے کا فیصلہ ہوا اور انہیں سولی دے دی گئی۔ وفات کے بعد سرکاری ملاؤں کے گروہ نے انہیں کافر کے روپ میں پیش کیا لیکن دوسری طرف رومی اور عطار جیسے عظیم صوفیوں اور ان کے ہم خیال علماء نے منصور کو ولی اور شہید کہا۔

منصور بن حلاج کو سولی دیئے جانے اور اس کے فوراً بعد کی صورتحال پر حیدر جاوید سید لکھتے ہیں:

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

فرمایا: بخدا! میں نے پہلے کبھی اس کا ارادہ نہیں کیا اور نہ میری یہ شان ہے کہ میں خروج کروں۔ خلیفہ نے کہا: آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر وزیر کو حکم ملا کہ تین ہزار اشرفیوں سمیت آپ کو اہل و عیال کے پاس مدینہ بھیج دیا جائے۔ ربیع نے اگلی صبح ان کے سفر کی تیاری کرنی چاہی لیکن معلوم ہوا کہ آپ پہلے ہی رخصت ہو چکے ہیں۔

مدینہ منورہ میں آپ ہارون رشید کے عہد تک امن و امان سے رہے۔ جب ہارون رشید 179 ہجری (795ء) میں عمرہ کی ادائیگی کے بعد واپس بغداد آنے لگا تو آپ کو بھی ساتھ لیتا آیا۔ بغداد پہنچ کر اس نے بھی مہدی کی طرح آپ کو حبس کی سزا دی۔ روایات کے مطابق اب کی بار بھی ویسا ہی واقعہ ہوا جیسا مہدی کے معاملہ میں پیش آیا تھا۔

مسعودی مروج الذہب میں لکھتا ہے کہ عبداللہ خزاعی ہارون رشید کا کوتوال تھا۔ اس کا بیان ہے کہ ہارون الرشید کا آدمی رات کو ایسے وقت میرے پاس آیا کہ کبھی نہ آیا تھا۔ مجھے دوسرے کپڑے پہننے تک کی مہلت نہ دی اور ساتھ ہی لے لیا۔ مجھے نہایت خوف محسوس ہوا۔ جب محل کے قریب پہنچا تو ایک خادم نے دوڑ کر میرے آنے کی اطلاع کی۔ اجازت ہوئی، میں اندر گیا تو دیکھا کہ ہارون رشید بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے سلام کیا۔ ایک گھڑی تک کچھ جواب نہ ملا۔ اس پر تو میرے ہوش ہی جاتے رہے اور بہت گھبراہٹ ہوئی کہ شاید خلیفہ مجھ سے ناراض ہوں۔ لیکن کچھ دیر بعد خلیفہ بولا: عبداللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے تجھے کیوں طلب کیا ہے۔ میں نے عرض کی: نہیں اے امیرالمومنین۔ کہا: میں نے ایک حبشی کو خواب میں دیکھا، جس کے ہاتھ میں برہنہ تلوار ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ اسی وقت موسیٰ کاظم کو چھوڑ دے ورنہ تجھے ابھی اسی تلوار کے ساتھ قتل کرتا ہوں۔ بس تو جا اور موسیٰ کو چھوڑ دے۔ میں نے کہا: کیا آپ یہ حکم دیتے ہیں کہ موسیٰ کو چھوڑ دوں۔ کہا: ہاں۔ میں نے تین دفعہ اسی طرح کہلوایا۔ تیسری بار ہارون الرشید نے مزید یہ کہا کہ رہائی کے بعد ان کو 30 ہزار درہم بھی دے اور میری طرف سے کہہ دے کہ اگر آپ یہاں ٹھہرنا پسند کریں تو ضرور ٹھہریں، میں جملہ مصارف خود اٹھاؤں گا اور اگر مدینہ جانا چاہیں تو وہاں تشریف لے جائیں۔

کہتے ہیں کہ کم و بیش انہی ایام میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کو زہر دیا گیا جس کے باعث آپ 183 ہجری بہ مطابق 799ء رحلت فرما گئے۔ یہ بات قرین قیاس ہے کیونکہ جو حکمران آپ سے ہر وقت خائف رہتے تھے کہ حکومت کا دعویٰ نہ کر دیں، ان کی طرف سے آپ کو زہر دلوا کر قتل کروا دینا بعید از فہم ہرگز نہیں ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

امام حسن عسکریؒ

عہد حیات: 847ء۔ 874ء

گیارہویں امام جو الصامت، الزکی، الخالص، التقی اور الھادی کے القاب سے معروف ہیں۔ ان کی زندگی بتاتی ہے کہ حکمرانان وقت کو فاتح خیبر علیؓ کے گھرانے کا ہر فرد اپنے اقتدار کی موت دکھائی دیتا تھا

امام حسن عسکری مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ کب پیدا ہوئے؟ اس سوال کا جواب اختلافی ہے۔ بعض کے نزدیک ان کی تاریخ ولادت ربیع الاول 230 ہجری ہے اور بعض کے نزدیک 231 ہجری۔ لیکن اکثر نے ربیع الآخر 232 ہجری (اپریل 847ء) لکھی ہے۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام حُدیث تھا۔ (اس پر بھی مورخین باہم متفق نہیں) امام حسن عسکری اپنے والد گرامی کے ساتھ 848ء یا 849ء میں سامرا آئے اور وہیں رہنے لگے۔ ان تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ ایک یا دو سال کے تھے۔

ہوش سنبھالنے کے بعد اگرچہ آپ نے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کی لیکن اپنی امامت کے چھ برسوں کے دوران میں مسلسل حکومت کی نگرانی میں رہے بلکہ ایک مرتبہ تو معتمد نے کچھ عرصے کے لئے قید بھی کر دیا تھا۔

اثنا عشری شیعی روایات کے مطابق ان کے والد امام ابوالحسن علی العسکری نے پہلے اپنے بیٹے ابو جعفر محمد کو امام نامزد کیا لیکن وہ وفات پا گئے۔ اس پر انہوں نے اپنی وفات سے چند ماہ پہلے حسن کو امام نامزد کر دیا۔ والد کی زندگی ہی میں محمد ابو جعفر کی وفات فرقہ وارانہ اختلاف کا باعث بنی کیونکہ ایک گروہ کا خیال تھا کہ ابوالحسن علی العسکری کے بعد امامت کے حامل محمد ابو جعفر ہی ہیں اور وہ درحقیقت زندہ ہیں۔ دوسرا گروہ جو اکثریت پر مشتمل

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

''پھانسی گھاٹ پر بغداد کے ہر طبقہ فکر کے لوگ موجود تھے: علماء، فضلاء، دانشور، فقہاء، مجدد، حکومتی اہلکار، اور دربار خلافت کے نمک خوار۔ حق کو حق کہنے کے ناقابل معافی گناہ کا مرتکب ہونے والے ہوشمند دیوانے کو اس دن سے آٹھ سال اور کچھ دن پہلے بھی سولی پر لٹکایا گیا تھا۔ مسلسل چار دن تک سولی پر لٹکائے جانے کے باوجود وہ زندہ بچ گیا۔۔۔ زندگی اور موت کے درمیان قائم سانسوں کی ڈور ٹوٹنے کا سچا فیصلہ ابھی صادر نہیں ہوا تھا۔ ابھی اس کا وقت آخر نہیں آیا تھا۔ سو فیصلہ کرنے والے حاکم، منصف اور حاسد لاکھ کوششوں اور اسے سولی پر لٹکانے کے باوجود زمین کا رزق نہ بنا سکے۔۔۔ چار دن بعد ہوش مند دیوانے کو سولی سے اتار کر خلیفہ کی ذاتی جیل میں قید کر دیا گیا۔ اس قید خانے میں وہ آٹھ سال سات مہینے اور آٹھ دن رہا اور پھر پیر 26 مارچ 922ء کی شام دریائے دجلہ کے مغربی ساحل کے قریب دربار خلافت کے حکم سے پھانسی گھاٹ تیار کیا گیا۔ نقارچیوں نے شہر بھر میں منادی کر دی تھی۔ لوگ دیوانہ وار پھانسی گھاٹ کی طرف جا رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ پندرہ لاکھ انسانوں کے شہر بغداد کا ہر راستہ دجلہ کے مغربی ساحل پر بنائے گئے پھانسی گھاٹ پر ختم ہوتا ہے۔۔۔ درباری کارندے پریشان تھے کہ اتنے بڑے مجمع کو کیسے قابو میں رکھیں گے۔۔۔ منصور کو۔۔۔ جب دوبارہ سولی پر لٹکانے کے لئے دجلہ کے مغربی ساحل پر باب خراسان کے قریب پھانسی گھاٹ پر لایا گیا تو اس نے اپنے دوست ابوبکر شبلی رحمتہ اللہ علیہ کو مسکراتے ہوئے کہا: ''جو آپ اب اس وقت دیکھ رہے ہیں اس کا باطن عام انسانوں سے مخفی ہے۔ اس کی ابتداء آج ہے اور اس کی انتہاء آپ کل دیکھ لیں گے''۔ آخر کار منصور کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ ایک شمع اور بجھا دی گئی۔ سچ کا ایک اور متلاشی قتل کر دیا گیا۔ اندھیرا کچھ مزید بڑھ گیا، جھوٹ کو عارضی فتح مل گئی۔ لیکن بعد میں کیا ہوا؟ یہ تاریخ کا بہت بڑا سبق ہے کیونکہ منصور بن حلاج کے قتل کا فتویٰ جاری کرنے والوں کو نہ تو تاریخ نے معروف کیا اور نہ ہی وہ اجتماعی عوامی یادداشت کا حصہ بن سکے لیکن منصور تو آج بھی زندہ ہے۔ لوگوں کے دلوں کی دھڑکنوں میں جاگ رہا ہے۔ حق پرستوں کی آتی جاتی سانسوں کا ورد بن گیا ہے۔ منصور آج بھی حریت فکر پر یقین رکھنے والے ہر دیوانے کا رہنما ہے۔ منصور کے اپنی فکر اور نظریات کے حوالے سے زندہ رہنے اور زندہ ہونے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو گی کہ جہاں کہیں بھی حق شناس اور سچ پرست موجود ہیں، جناب روحی کنجاہی کے لفظوں میں ان کا یہی نعرہ اور عزم ہے کہ:

ہم سنتِ منصور کی تجدید کریں گے

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

راجہ ادت پلاپیڈ

عہد حکومت: 870ء۔ 872ء

کشمیر کے حکمران خاندان کارکوٹ بنسی کا آخری بادشاہ۔ اس کی موت کے ساتھ ہی اس کے آباؤ اجداد کی عظمت بھی خاک میں ملک کر خاک ہو گئی

راجہ ادت پلاپیڈ کا تعلق ''خاندان راجگان کارکوٹ بنسی'' سے بتایا جاتا ہے۔ اس خاندان کے حکمرانوں نے کشمیر پر ڈھائی سو سال سے بھی زیادہ عرصہ تک حکمرانی کی۔ محمد الدین فوق نے کشمیر پر اس خاندان کی حکومت کا عرصہ 617ء سے 872ء تک متعین کیا ہے۔ کشمیر کی حکومت اس خاندان میں آنے سے قبل متعدد حکمران خاندان وادیٔ فردوس نما کی فرمانروائی کا مزہ چکھ چکے تھے ان میں خاندان پانڈواں، خاندان راجگان مالوہ، خاندان راجگان اوک نند اور خاندان راجگان جموں نمایاں مقام اور اہمیت رکھتے ہیں۔

''خاندان راجگان کارکوٹ بنسی'' کا پہلا حکمران راجہ درلب دروان تھا۔ اس کے بعد راجہ پرتاب پیڈ، راجہ چندراپیڈ، راجہ تاراپیڈ، راجہ للتادت، راجہ کولیا پیڈ، راجہ بجرادت، راجہ پرتھواپیڈ، راجہ سنگرام پیڈ، راجہ جیاپیڈ، راجہ للتاپیڈ اور راجہ انگا پیڈ وغیرہ نے حکومت کی۔ اس خاندان کی شہرت کا اصل سبب راجہ للتادت کا عہد حکمرانی ہے۔ یہ حکمران بہت نیک نام، انصاف پسند اور عوام کی فلاح و بہبود کا خواہاں تھا۔ اس کا نمایاں ترین کارنامہ یہ ہے کہ اس نے کچھ ایسے سیاسی اصول اور قوانین وضع کیے جن کا مقابلہ دنیا کے کسی بھی سیاسی ضابطہ سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ اصول وضوابط للتاپیڈ کی غیر معمولی دانشورانہ صلاحیت کی عکاسی کرتے ہیں۔

للتادت جیسے نامور سپوت پیدا کرنے والے ''خاندان کارکوٹ بنسی'' میں حکمرانی کی روایت چلتے چلتے راجہ ادت پلاپیڈ تک پہنچی۔ 870ء میں یہ حکمران تخت نشین ہوا۔ اس راجہ کے

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

تھا، حسن العسکری ؒ کی امامت کا قائل تھا۔
گیارہویں امام حسن العسکری ؒ یکم ربیع الاول 260ھ (25دسمبر 873ء) کو بیمار پڑ گئے۔ دور آخر کی اکثر شیعی کتب میں مصنفین بہت وثوق سے لکھتے ہیں کہ امام حسن عسکری کو زہر دلوایا گیا تھا۔ روایت ہے کہ آپ نے بیماری شروع ہونے کے سات دن بعد وفات پائی۔ اور بعد از وفات اپنے ہی گھر میں اپنے والد علی العسکری کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ بیماری کی مذکورہ بالا تاریخ اور سات دن بعد وصال کا پہلو پیش نظر رکھیں تو تاریخ وصال یکم جنوری 874ء قرار پاتی ہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کے مسئلے پر شیعوں میں مزید اختلاف پیدا ہوا اور امت مسلمہ کا یہ بڑا فکری گروہ مختلف روایات کے مطابق بارہ، چودہ یا بیس فرقوں میں تقسیم ہوگیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

اسے حراست میں لے کر سینٹ ہیلینا لے جایا گیا۔ یہاں وہ قیدی بھی تھا اور جلاوطن بھی۔ اسی قید کے دوران 5 مئی 1821ء میں وہ انتہائی پراسرار طریقے سے دن بہ دن کمزور ہو کر وفات پا گیا۔ کہا یہ گیا کہ نپولین سرطان کے باعث مرا لیکن معاملہ مشکوک تھا۔ تحقیقات جاری رہیں اور آخر یہ کھلا کہ اسے زہر دیا گیا تھا۔ بین ویڈر اور ڈیوڈ ہیپ گڈ نے اپنی کتاب ''نپولین کا قتل'' میں اس معاملے پر انتہائی دلچسپ اور تحقیقی انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

انسداد کے لئے اپنی ابتدائی کارروائیوں میں آسٹرویوں کو شکست دی۔

1802ء میں نپولین کو تاحیات قونصل منتخب کیا گیا۔ 1803ء میں انگلستان نے دوبارہ فرانس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ 1804ء میں نپولین نے شہنشاہ فرانس اور 1805ء میں اپنے مفتوحہ علاقے اٹلی کا شاہ ہونے کا اعلان کیا۔ اس ضمن میں 2 دسمبر 1804ء کو اس کی رسم تاجپوشی ادا کی گئی۔ بعدازاں اس نے اپنی عسکری مہموں اور توسیع پسندانہ عزائم سے انگلستان، پرشیا، آسٹریا، سویڈن اور انگریزوں کے دیگر حامی ملکوں کا ایسا قافیہ تنگ کیا کہ براعظم یورپ کے نئے نقشے کی تمام لکیریں اس کے فتح مند عساکر کے رستے معلوم ہونے لگیں۔ کامیابیوں کے اس سنہری دور نے اسے نہ صرف فرانس بلکہ عالمی تاریخ کا ایک افسانوی کردار بنا دیا۔ لیکن اس افسانوی کردار کو ابھی ایک فیصلہ کن فتح اور درکار تھی اور وہ اسے روس کے خلاف حاصل کرنی تھی کیونکہ روس بھی گذشتہ کئی سالوں سے انگلستان کا حلیف رہا تھا اور ہنوز نپولین اسے نقصان نہیں پہنچا سکا تھا۔

1810ء میں اس نے آسٹریا کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کر لی اور دو سال بعد روس کی مہم شروع کی لیکن موسم سرما کی سختیوں کے باعث ماسکو سے پسپا ہونے پر مجبور ہوا۔ اس پسپائی کے دوران وہ بھگدڑ مچی کی نپولین کی فوج کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا۔ نئی فوجی بھرتی کا اہتمام کرنے کے لئے وہ پیرس لوٹا اور تازہ دم جمعیت بہم پہنچا کر دوبارہ میدان جنگ کو گیا۔ اسی دوران پرشیا، روس، سویڈن، انگلستان اور آسٹریا نے کسی نہ کسی طرح اپنے اختلافات ختم کر کے دوبارہ جنگی اتحاد بنا لیا۔ اس اتحاد نے لائپسگ کے مقام پر نپولین کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا۔ اس کے بعد 12 اپریل 1814ء کو وہ تخت سے دستبردار ہو گیا۔ اتحادیوں نے آلیا نامی جزیرہ جو اٹلی کے نواح میں تھا، ایک خود مختار ریاست کے طور پر اس کے سپرد کر کے اسے وہیں جلاوطن رہنے کا حکم دیا۔ لیکن پارہ صفت نپولین کو قرار کہاں۔ ابھی فاتحین ویانا کی کانگریس میں نئے حالات پر سوچ بچار ہی کر رہے تھے کہ وہ مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ فرار ہو کر یکم مارچ 1815ء کو فرانس پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ دیکھ کر اہل فرانس پھر اس کے گرد پروانہ وار اکٹھے ہو گئے۔ نپولین کے اس دوسرے دور اقتدار کا حسرتناک خاتمہ معرکہ واٹرلو میں انتہائی عبرتناک طریقے سے ہوا۔ یوں ایک بار پھر اسے تاج و تخت سے دستبرداری کا اعلان کرنا پڑا۔

انگلستان میں پناہ ملنے کی امید پر اس نخوت کو ایک برطانوی جہاز کے حوالے کر دیا لیکن

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

بلند تھا لیکن نکتہ رسی اور دقت طبع کا یہ عالم تھا کہ اس کے اکثر استفسارات معلمین کے سر سے گزر جاتے۔ ''ایک اداس کتاب'' میں امرتا لکھتی ہیں کہ یہاں اس نے چھوٹی سی عمر میں ہی دینیات کے استادوں، اخلاق کے معلموں اور سرکاری عہدیداروں کو اپنی خداداد ذہانت اور لیاقت سے ناکوں چنے چبوا دیئے۔ وہ دوسروں کو حیران کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا، تعلیمی میدان میں بھی، عملی میدان میں بھی اور ادبی میدان میں بھی۔

1817ء میں سینٹ پیٹرز برگ میں پشکن کو دفتر خارجہ میں ایک اچھا عہدہ ملا۔ اس شہر کی ادبی تنظیم گرین لیمپ میں اس کی شمولیت نے اسے ادبی حلقوں میں متحرک کیا۔ اس کی سیاسی تخلیقات اگرچہ اس کی زندگی میں بہت مقبول ہوئیں لیکن طباعت سے آراستہ نہ ہو سکیں۔ البتہ غیر سیاسی نظمیں 1820ء میں طبع ہو چکی تھیں، چونکہ ان نظموں پر لوک کہانیوں کی گہری چھاپ تھی، لہٰذا نقادوں کو ایک آنکھ نہ بھائیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جب ارباب تنقید اس کی مخالفت کے لئے حرکت میں آئے اور نتیجے کے طور پر پشکن کی شہرت جنگل کی آگ کی طرح روس بھر میں پھیل گئی۔

مئی 1920ء میں اسے کچھ سیاسی نظمیں کہنے کی پاداش میں جبراً مولداویا کے جنوب میں بھیج دیا گیا۔ پشکن کے اس زمانے کے خط بہت اداس تحریری فضا کے حامل ہیں۔ اپنوں سے دوری کا دکھ ان کی ہر سطر سے عیاں ہے۔ یہ خط اس کے دوستوں کے پاس محفوظ رہے، بعد ازاں جب ان کی اشاعت کی نوبت آئی تو اہل نظر نے انہیں روسی نثر کا اعلیٰ نمونہ تسلیم کیا۔

جب دسمبر 1825ء میں شاہی جانشینی کے اختلاف کو بنیاد بنا کر باغیوں نے دارالحکومت کی سڑکوں پر زار کے خلاف جلوس نکالا اور حکومت نے ان کی سرکوبی کی تو گرفتار شدگان کی جیبوں اور تھیلوں سے پشکن کے خط اور نظمیں برآمد ہوئیں۔ یہ باغی یا تو سولی پر چڑھا دیئے گئے یا جلاوطن کئے گئے۔

ان دنوں پشکن اپنی آبائی جاگیر میں نظر بند تھا۔ دارالحکومت میں پیش آنے والے واقعات کے نتیجے میں اس کی نگرانی سخت کر دی گئی۔ اخلاقی اور مذہبی معلموں کے بقول تو وہ پہلے ہی ''بے راہ روی'' کا شکار ہو چکا تھا، اب ارباب حکومت کی نظروں میں اس کا سیاسی چال چلن اور عوامی زندگی بھی ''مشکوک'' قرار پائی۔ لیکن عوام میں وہ دن بدن پہلے سے زیادہ مقبول ہوتا چلا جا رہا تھا۔

1825ء کی بغاوت کو دبانے کے بعد نئے زار روس نکولس اول نے پشکن کی ہمہ گیر عوامی شہرت کے پیش نظر اس کے ماسکو آنے پر پابندی ختم کر دی اور اس کی تخلیقات کو ''سنسر''

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

الیگزانڈر پشکن

عہد حیات: 1799ء۔ 1837ء

امرتا پریتم لکھتی ہیں کہ وہ جدید روسی ادب کا بانی ہے۔ ڈکشنری آف لٹریچر کے مطابق وہ روس کا عظیم ترین شاعر ہے۔ احمدسلیم اسے دوستوفسکی کا ممدوح اور ایلن بلیک ووڈ روسی زبان و ادب کا محسن قرار دیتے ہیں... یہ خراج تحسین کے مختلف انداز ہیں لیکن کہنا سب یہی چاہتے ہیں کہ وہ عظیم تھا، ہے اور رہے گا

الیگزانڈر پشکن 6 جون 1799ء کو پیدا ہوا۔ انیسویں صدی کے امیر روسی گھرانے فرانسیسی تہذیب کے دلدادہ تھے۔ ایلن بلیک ووڈ کے مطابق اس زمانہ کے روسی تعلیم یافتہ خاندان جرمن یا فرانسیسی زبان میں ہی باہم گفتگو کیا کرتے تھے اور اپنی زبان روسی کو درخور اعتناء نہ سمجھتے تھے۔ پشکن کا خاندان بھی انہی تقلیدی رجحانات پر فریفتہ تھا لہٰذا اس کی ابتدائی تعلیم و تربیت بھی فرانسیسی تہذیب کے طے کردہ طریق حیات کے عین مطابق ہوئی۔ والدین نے اسے فرانسیسی میں طاق کیا اور دادی نے لوک کہانیاں ازبر کرائیں۔

1811ء میں اسے سینٹ پیٹرز برگ کے ایک بورڈنگ اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ یہاں امراء کے چشم و چراغ ہی داخلہ پاتے تھے۔ یہ امیر زادے شہنشاہ روس کے گرمائی محل کے سائے میں قائم اس درس گاہ کے اعلیٰ درجہ کے مقامی وغیر مقامی اساتذہ کی زیرنگرانی تعلیمی و تربیتی مراحل طے کیا کرتے۔ گھر میں اپنی شرارتوں سے سب کا ناک میں دم کر دینے والا پشکن یہاں آیا اور چھے سال تک حیرت انگیز سنجیدگی سے تاریخ، ادب، سیاست، معاشیات اور فلسفے کے علاوہ دیگر جدید مضامین کی تعلیم پاتا رہا۔ یوں تو وہ اساتذہ کے گھٹنوں سے کچھ ہی

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

روح میں ہے غم ایام بھی، صہبا کی نظیر
جس قدر روکیے بڑھتی ہے نشے کی تاثیر
راہ دشوار ہے میری، غم و محنت کا عمل
اک پر آشوب سمندر ہے، مچی ہے ہلچل

☆☆☆

موت کیا چاہوں کہ جینے کے ہیں ارمان مجھے
ربط ہے فکر سے بھی، غم کا بھی عرفان مجھے
اپنے افکار میں دنیا کے ستم سہنے میں
زیست کا لطف رہے، شعلہ بجاں رہنے میں
کبھی آواز کی لہروں میں ملے دل کو سرور
اور کبھی یوں ہی کسی بات پہ اشکوں کا وفور
کیا خبر جب ہو میری عمر کی ڈھلتی ہوئی شام
عشق دے جائے تبسم کا چھلکتا ہوا جام

جب اس کی موت کا اعلان ہوا تو سوگواروں کا ہجوم اس قدر غضبناک تھا کہ بت کو پوشیدہ طور پر شہر سے باہر لے جا کر دفن کرنا پڑا۔ یہ عظیم شاعر اپنی موت کے وقت بھی ایک نزاعی مسئلہ بن چکا تھا لوگ اس کی موت کو ایک ہیرو کی موت سمجھ رہے تھے جبکہ حکمران خیال کرتے تھے کہ ان کی حاکیت کی فصیلوں میں کسی بھی وقت پڑنے والی دراڑ کا خدشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ لیکن ابھی وہ وقت دور تھا جب اس کے قدر دان کھلے عام یہ بلند آہنگ اعلان کرتے کہ الیگزانڈر پشکن روس کی عظمت کا نشان ہے کیونکہ ایسی ہی ایک کوشش میتائل پر متنوف نے ''شاعر کی موت'' نامی نظم لکھ کر کی تو اسے بلا تاخیر جلاوطن کر دیا گیا۔ البتہ بعد میں روس کے جن مشاہیر ادباء نے کھل کر پشکن کی عظمت کا اعتراف کیا ان میں دوستوفسکی کا نام سرفہرست ہے۔ ایلن بلیک ووڈ کے بقول پشکن نے روسی زبان کو ادبی زبان بنایا اور یہ روسی ادب پر اس کا احسان ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

کرنے کے معاملہ پر طویل بحث کے بعد وعدہ کیا کہ وہ پشکن کی تحریریں خود دیکھا کرے گا اور سنسر کا حق اپنے سوا کسی اور کو استعمال نہیں کرنے دے گا۔

پشکن کو مذکورہ بالا بغاوت کی ناکامی کا باطنی دکھ ہر وقت گھلاتا رہتا تھا۔ جن باغیوں کو تہ تیغ کر دیا گیا، پھانسی پر چڑھایا گیا یا جبراً سائبیریا منتقل کر دیا گیا اس کی تمام تر ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ وہ اکیلا لڑ کے بے وقت نہیں مرنا چاہتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ زارشاہی کا حصہ بن کر کچھ مثبت تبدیلیاں لائی جا سکتی ہیں۔ لیکن سر دست ان حالات میں وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھا۔ کیونکہ پولیس چیف کو اس کی براہ راست نگرانی کا حکم تھا۔

1831ء میں شادی کے بعد پشکن مستقل طور پر سینٹ پیٹرز برگ منتقل ہو گیا اور سرکاری نوکری کر کے پیٹر اعظم کی تاریخ لکھنے لگا۔ اسی دوران اس نے اپنا ادبی شاہکار ''کپتان کی بیٹی'' لکھا۔

زار روس کو پشکن کی بیوی نتالیا پسند تھی اور نتالیا کو درباری زندگی سے بہت پیار تھا۔ لیکن پشکن کو یہ پنجرہ بھر آزادی قطعاً قبول نہ تھی۔ اس صورتحال کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی کے آخری سال اس عظیم شاعر پر بہت بھاری گزرے۔ شہنشاہ روس سے تعلقات مخالفت، مخاصمت اور دشمنی کی حد تک خراب ہو گئے۔ سینٹ پیٹرز برگ کے روایتی درباری پہلے ہی اس کی جان کے درپے تھے۔ سرکاری نگرانی کی کوفت، قرضوں کا دباؤ، بیوی کی بیوفائی کے طعنے اور اس کی لاپرواہی کی سینہ جلا دینے والی روش نے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا۔ چنانچہ اس نے زار کی نوکری سے استعفیٰ دے دیا جو قبول نہ کیا گیا۔ یہ بھی اذیت ہی کی ایک شکل تھی۔ کچھ لوگ اسے ذہنی تشدد کا نشانہ بنا کر مار دینا چاہتے تھے۔ لیکن وہ زندگی سے چمٹا رہا۔ مگر ایسا کب تک ممکن تھا۔ آخر کار 8 فروری 1837ء کو اسے زبردستی ایک ڈوئیل میں پھنسایا گیا۔ یہ اس کے بااثر دشمنوں کی ایک گھناؤنی اور قابل نفریں چال تھی۔ اس ڈوئیل میں الیگزانڈر پشکن شدید زخمی ہوا اور انہی زخموں کے باعث دو روز بعد 10 فروری 1837ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہوا۔

احمد سلیم نے پشکن کی ایک نظم ''شام زندگی'' اس مختصر تبصرے کے ساتھ نقل کی ہے کہ اس نظم میں شاعر زندگی اور موت کے بارے میں اپنے بنیادی باطنی رویئے کا اظہار کرتا ہے۔

''اب نہ وہ دور جنوں ہے، نہ وہ محفل کی بہار
بوجھ سینے پہ ہے میرے، شب رفتہ کا خمار

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

ہونے کی وجہ سے ابراہام کو والد نے اپنے ساتھ کام پر لگا لیا۔ دیہی علاقوں میں بسنے والے دیگر غریب گھرانوں کی طرح ان کے ہاں بھی تعلیم کا کوئی رجحان نہیں تھا مگر ابراہام کو فطری طور پر کتابوں سے بہت دلچسپی تھی۔ لیکن انہیں سارا دن والد کے ساتھ کھیتی باڑی کرنا اور لکڑی کی کشتیاں بنانا ہوتی تھیں تب انہوں نے والد کے ساتھ طے کیا کہ وہ بارہ گھنٹوں کا کام آٹھ گھنٹوں میں کر لیں گے اور باقی چار گھنٹے پڑھائی کریں گے۔ یوں انہوں نے اپنے طور پر ہی علم حاصل کرنے کے بعد قانون کے شعبے کا انتخاب کیا۔

1832ء میں الینوائس ایوان نمائندگان کے انتخابات میں حصہ لیا مگر ناکام ہوئے۔ 1833ء میں انہیں علاقے کا پوسٹ ماسٹر جنرل بنا دیا گیا۔ 1834ء میں وہگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے اور 1842ء تک ایوان زیریں میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ 1837ء میں باقاعدہ طور پر قانون کے شعبے میں شمولیت اختیار کر لی اور سپرنگ فیلڈ لاء آفس میں پارٹنر بن گئے۔ جلد ہی انہیں ایک قابل اور ماہر قانون دان تسلیم کیا جانے لگا۔

4 نومبر 1842ء کو سپرنگ فیلڈ میں 33 سال کی عمر میں بینکر اور تاجر رابرٹ سمتھ ٹوڈ کی 23 سالہ صاحبزادی میری ٹوڈ سے شادی کر کے ازدواجی زندگی میں داخل ہوئے۔

4 مارچ 1847ء کو ایوان نمائندگان کے رکن منتخب ہوئے۔ انہوں نے مختلف معاملات میں اپنے اصولی اور واضح موقف کو عمدگی اور برجستگی سے پیش کر کے سب کی توجہ حاصل کر لی۔ 3 مارچ 1849ء تک وہ اسی عہدے پر رہے۔ اس دوران غلامی کے خلاف ان کی مدلل اور پر مغز تقاریر نے انہیں نمایاں حیثیت دے دی۔

غلامی کی مخالفت تو کافی عرصے سے جاری تھی۔ لیکن اس نوعیت کی ابتدائی تحریک کو، جو امریکی انقلاب ہی کا ایک حصہ تھی 1808ء میں آخری کامیابی حاصل ہوئی تھی جب کانگریس نے افریقہ کے ساتھ غلاموں کی تجارت کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اس کے بعد صرف مذہب پسند آباد کاروں کی طرف سے اس کی برائے نام مخالفت باقی رہ گئی اور وہ بھی غیر موثر احتجاجوں تک محدود تھی۔ 1820ء کے بعد احتجاج کا ایک نیا دور شروع ہوا جو تمام طبقوں کے لئے سماجی انصاف کے نئے تصور اور جمہوری نظریے کا مرہون منت تھا۔ امریکہ میں غلامی کو ختم کر دینے کا مطالبہ اب ایک بھرپور اور غیر لچکدار تحریک کی صورت اختیار کر گیا۔ غلامی کے خلاف تحریک کے پہلے مرحلے میں غلاموں کو شمال کے محفوظ علاقوں میں یا سرحد پار کینیڈا میں بھاگ جانے اور وہاں پناہ لینے میں مدد دینے کا اعلان کیا گیا۔ 1830ء کے بعد کے سالوں میں غلامی کے مخالف سوسائٹیوں کی تعداد تیزی سے بڑھنے لگی۔ 1845ء میں ٹیکساس کے

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

ابراہام لنکن

عہد حیات: 1809ء۔1865ء

اس عظیم قانون دان اور سیاسی رہنماء نے امریکہ سے غلامی کی مکروہ روایت ختم کی۔ جارج واشنگٹن کے بعد امریکی قوم کا دوسرا بڑا نجات دہندہ جو جھونپڑی میں پیدا ہو کر وائٹ ہاؤس تک پہنچا

ایک سو بانوے برس پہلے امریکہ کے الزبتھ ٹاؤن نامی علاقے کے نواح میں بہت بڑا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ اس جنگل کے کنارے ایک چھوٹا سا جھونپڑا تھا جس کی چھت اور دیواریں لکڑی کے ناہموار تختوں سے بنائی گئی تھیں۔ چھت اور دیواروں میں موجود درجنوں چھوٹے بڑے سوراخوں کو گھاس پھونس ٹھونس کر بند کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ تھامس نامی ایک محنت کش کا گھر تھا جس نے ایم ایم بارنس کے بقول 28 سال کی عمر میں نینسی ہینکس نامی لڑکی سے شادی کر کے اسے بھی اس ''شاندار گھر'' کا مکین بنا لیا۔ اس وقت کون جانتا تھا کہ اسی گھر میں مستقبل کا عظیم سربراہ مملکت پیدا ہو گا۔

سولھویں امریکی صدر ابراہام لنکن 12 فروری 1809ء کو ہارڈن کاؤنٹی کینٹکی میں پیدا ہوئے۔ تھامس نے نومولود کا نام اپنے مقتول باپ ابراہام لنکن کے نام پر رکھا۔ تھامس لنکن بڑھئی بھی تھا اور کسان بھی۔ دو پیشے اپنانے کی وجہ شوق نہیں بلکہ غربت تھی۔

دادا کا نام پا کر پروان چڑھ رہے ابراہام لنکن کی عمر سات برس ہوئی تو 1816ء میں یہ خاندان سپنسر کاؤنٹی انڈیانا میں آ گیا۔ کچھ عرصہ بعد نینسی لنکن چل بسی تو 1819ء میں تھامس لنکن نے ایک بیوہ سارہ بش سے شادی کر لی۔ پہلے سے چار بچوں کی ماں ہونے کے باوجود سارہ بش نے عام سوتیلی ماؤں سے مختلف انداز میں تھامس کے بچوں کی پرورش کی۔ بڑا بیٹا

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

رشتوں کو جوڑنے کی اپیل کی مگر جنوب والوں نے اس کی قطعاً پروانہیں کی اور 12 اپریل کو جنوبی کیرولینا کی توپوں نے چارلسٹن میں واقع قلعہ سمٹر پر گولہ باری شروع کر دی۔ ایسے میں شمال والوں کے دلوں سے تمام خوش فہمیاں دور ہو گئیں اور یونین سے الگ ہونے والی ریاستوں اور یونین کی وفادار ریاستوں کے درمیان خانہ جنگی کا آغاز ہوا۔ اس جنگ سے ہونے والا جانی نقصان بہت خوفناک تھا۔ یکم جنوری 1863ء کو صدر لنکن نے ایک فرمان کے ذریعے باغی ریاستوں کے غلاموں کو آزاد کر کے دعوت دی کہ وہ شمال کی مسلح افواج کے ساتھ آ ملیں۔ اس فرمان کے ذریعے غلامی کا خاتمہ کر دیا گیا۔ جو جنگ کا ایک بڑا مقصد تھا دوسرا مقصد یونین کو انتشار اور تباہی سے بچانا تھا۔ اپریل 1865ء میں باغی ریاستوں کو شکست ہوئی اور ''جنرل لی'' نے جنرل گرانٹ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اس جنگ نے قوم کو جو ہیرو دیا وہ ابراہام لنکن تھا، بلا شبہ وہ اس جنگ کا فاتح تھا۔

غلامی کا خاتمہ کرنے والے اس صدر کو امریکی تاریخ میں نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ غلامی کے خاتمے کے لئے ان کی جدوجہد کو امریکی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی اور نہ ان کا احسان اتارا جا سکتا ہے۔ کانگریس نے 31 جنوری 1863ء کو آئین میں تیرہویں ترمیم کے ذریعے غلامی کے مکمل خاتمے کی منظوری دے کر صدارتی حکم کی حتمی توثیق کر دی۔ جس کا باقاعدہ اعلان 18 دسمبر 1865ء کو کیا گیا۔

8 نومبر 1864ء کو ابراہام لنکن ایک بار پھر صدر منتخب ہوئے۔ 4 مارچ 1865ء کو انہوں نے صدارتی عہدے کا حلف اٹھایا۔ امریکی تاریخ میں کسی صدر کی حلف برداری کی یہ پہلی تقریب تھی جس میں سیاہ فام امریکیوں نے بھی شرکت کی۔ لنکن کا حفاظتی دستہ بھی سیاہ فام سپاہیوں پر مشتمل تھا۔

جان کیٹنگ لکھتے ہیں کہ:

جمعہ 14 اپریل 1865ء کو جنگ جیتے ہوئے چھ دن ہو چکے تھے۔ یہ وہ جنگ تھی جو امریکہ نے امریکہ سے جیتی تھی۔ لنکن کے ساتھی خوشیاں منانے میں مصروف تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ مستقل امن قائم کرنے کے لئے ابھی انہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ آج وہ اپنی بیوی اور دو مہمانوں کے ساتھ تھیٹر دیکھنے جا رہے تھے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ اس کی چمکتی دھوپ کی جگہ مایوس کن دھند نے لے لی تھی۔ سردی بڑھ چکی تھی۔ جب لنکن کی کوچ فورڈز تھیٹر کے باہر کھڑی ہوئی تو یہاں لارا کین ''آور امریکن کزن'' پرفارم کر رہا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ وہ دیر سے پہنچے تھے۔ جب وہ تھیٹر میں داخل

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

حصول اور اس کے فوراً بعد میکسیکو کی جنگ کے نتیجے میں جنوب مغرب میں وسیع علاقے کے الحاق کے بعد غلامی کے اخلاقی مسئلے نے ایک اہم ترین سیاسی مسئلے کی حیثیت اختیار کر لی۔ اہل جنوب کی رائے تھی کہ غلامی کو تمام علاقوں میں مروج رہنا چاہیے جبکہ شمال والے کہتے تھے کہ کسی بھی علاقے میں اس کے وجود کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ وِگ پارٹی جس نے غلامی کی توسیع کے حق میں نعرہ لگایا تھا ختم ہو گئی اور اس کی خاک سے ایک نئی تنظیم کا خمیر اٹھا جو ری پبلکن پارٹی کہلائی اس جماعت کا اولین مطالبہ تھا کہ غلامی کو تمام باقاعدہ علاقوں سے ختم کیا جانا چاہیے۔

1856ء میں تشکیل پانے والی اس نئی پارٹی نے نہایت قلیل مدت میں بے پناہ مقبولیت حاصل کر لی۔ ابراہام لنکن اس پارٹی میں نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔ 1858ء میں ری پبلکنز کی طرف سے ڈیموکریٹ سیاستدان سٹیفن اے ڈگلس کے مقابلے میں انہیں سینٹ کا امیدوار نامزد کیا گیا انتخابی مہم کے دوران لنکن اور ڈگلس کے درمیان سات مناظرے ہوئے۔ اپنی پرمغز تقاریر کی وجہ سے قومی سطح پر لنکن کو بے پناہ شہرت حاصل ہوئی۔ گو کہ انتخابات میں انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی مگر وہ غلامی کے خاتمے کی تحریک کو ایک نیا موڑ دینے میں ضرور کامیاب و کامران رہے۔ انہوں نے اپنی تقریروں میں واضح الفاظ میں کہا کہ یہ حکومت جو آدھی آزاد اور آدھی غلام ہے مستقل طور پر قائم نہیں رہ سکتی۔ اب یہی جملہ عوام کے لبوں پر نعرے کی شکل میں تھا۔

18 مئی 1860ء کو انہیں ری پبلکنز کی طرف سے صدارتی امیدوار نامزد کیا گیا۔ لنکن کا مقابلہ ڈیموکریٹس کے سٹیفن ڈگلس کر رہے تھے۔ ابراہام لنکن کو شاندار فتح حاصل ہوئی اور وہ ری پبلکن پارٹی سے تعلق رکھنے والے پہلے امریکی صدر بن گئے۔

جنوبی کیرولینا اس بات کے انتظار میں تھی کہ لنکن صدر منتخب ہوں تو وہ یونین سے علیحدہ ہو جائے تاکہ جنوبی ریاستوں کو غلامی کی مخالف طاقتوں کے مقابلے میں متحد و منظم کر سکے۔ انتخابات کے حتمی نتائج سامنے آ جانے کے بعد جنوبی کیرولینا کا کنونشن طلب کیا گیا جس نے یہ اعلان کیا کہ اس وقت جو یونین جنوبی کیرولینا اور دیگر ریاستوں پر مشتمل ہے وہ توڑ دی جائے۔ جنوب کی دیگر ریاستوں نے فوری طور پر اس کی تقلید کی اور 8 فروری 1861ء کو انہوں نے لنکن کے حلف اٹھانے سے پہلے امریکہ کی نیم خود مختار ریاستوں کی کنفیڈریشن کے قیام کا اعلان کر دیا۔ صدر لنکن نے اپنے عہدے کا حلف اٹھانے کے بعد جنوبی کیرولینا کی علیحدگی کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے اسے غیر قانونی قرار دیا اور یونین کے ٹوٹے ہوئے

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

شخصیت ہونے کے اعتبار سے لنکن کو ویسی ہی دائمی زندگی عطا ہو چکی ہے جیسی جولیس سیزر کو اپنے عہد میں حاصل ہوئی تھی۔ اہل الرائے لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ سیزر کے قتل نے سیزر کے عہد پر اتنا اثر نہ ڈالا تھا جتنا لنکن کی ناگہانی موت نے اس کے عہد پر ڈالا۔ اس نے سیاست میں الجھ کر بھی اپنے عظیم تر مقاصد کی پاکیزگی برقرار رکھی اور انہی مقاصد کی خاطر جدوجہد کرتا ہوا جان کی بازی ہار گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

ہوئے تو کھیل رک گیا۔ لوگ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انہیں جھنڈے والے کیبن میں لے جایا گیا۔ دونوں مہمانوں میجر راتھبون اور مس ہیرس کو اگلی سیٹوں پر بٹھایا گیا۔ مسز لنکن ان کے پیچھے بیٹھیں۔ لنکن جو اتنے تھکے ہوئے تھے کہ لوگوں کے نعروں کے جواب میں بمشکل مسکرا رہے تھے، کرسی میں دھنس گئے۔

تیسرے ایکٹ سے انہیں ڈرامے میں مزا آنے لگا۔ ان کی تھکن اتر چکی تھی۔ اب وہ زیادہ بہتر طریقے سے ڈرامہ دیکھنے کے لئے آگے جھکے ہوئے تھے۔

اسی دوران ایک آدمی باکس کی طرف جانے والی راہداری میں داخل ہوا۔ دروازہ کھلا تھا۔ وہ صدر اور اس کے ساتھیوں کے پیچھے پہنچ گیا۔

اچانک گولی کی آواز آئی۔ باکس میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ ڈرامہ روک دیا گیا۔ ایک وحشی آنکھوں والا شخص بڑا سا چاقو لہراتا ہوا باکس کی چھت سے کودا۔ اس چاقو سے اس نے میجر راتھبون کو زخمی کیا تھا جس نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔ لوگ چیخنے لگے۔ فرار ہورہے آدمی کے ٹخنے پر زخم آیا تھا۔ لمحہ بھر کو رک کر اس نے اپنا ٹخنہ سہلایا، چیخ کر کچھ کہا اور بھاگ گیا۔

صدر کو سر کے پیچھے سے گولی ماری گئی جو ان کے دماغ میں گھس گئی تھی۔ بہت کم خون بہا۔ وہ ابھی زندہ تھے۔ انہیں تھیٹر سے باہر لے جایا گیا۔ سڑک کے دوسرے کنارے ایک درزی کا گھر تھا جہاں انہیں ایک بستر پر لٹا دیا گیا۔ ہنگامی طور پر طلب کئے گئے ڈاکٹر تیزی سے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ مسز لنکن سامنے والے کمرے میں بیٹھی رو رہی تھیں۔ کیبنٹ کے ممبران اندر آئے۔ انہوں نے دہشت اور افسوس سے اپنے سر ہلائے اور چلے گئے۔

حملے کے بعد چند گھنٹے موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد 15 اپریل 1865ء کی صبح سات بجے ابراہام لنکن وفات پا گئے۔

جون ولکس بوتھ ایک نیم پاگل ایکٹر تھا، جس نے خود کو کانفیڈریسی کا انتقام لینے کے لیے چنا تھا۔ وہ کامیابی کا بھوکا ایک خبطی انسان تھا۔ اسے اپنی شکل وصورت، آواز اور دوڑنے کی صلاحیت پر اعتماد تھا۔ بارہ دن بعد جب وہ ایک کھلیان میں چھپا ہوا تھا، اسے دیکھ لیا گیا اور جب امریکی صدر کے اس قاتل نے بھاگنے کی کوشش کی تو اسے گولی ماردی گئی۔

ہمو لیم اے ڈیوٹ ”سو تاریخی واقعات“ میں رقمطراز ہیں کہ لنکن کے قتل کا نتیجہ یہ نکلا کہ شکست خوردہ جنوبی ریاستوں کی از سرِ نو تعمیر کا دور مشکلات سے لبریز ہو گیا۔ آج تک تاریخی

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

شہرت ہوئی کہ تذکروں اور تاریخوں میں وہ اب تک اسی نام سے یاد کی جاتی ہے۔

قرۃ العین ایک مشہور عالم دین حاجی ملا صالح کی بیٹی تھی۔ اس کا چچا، جس کے بیٹے ملا محمد سے وہ بیاہی تھی، ایران کا ایک مجتہد تھا۔ ان کا خاندان کئی پشتوں سے علم و فضل کی وجہ سے مشہور چلا آ تا تھا۔ زرین تاج کو حدیث، تفسیر اور وفقہ کے علاوہ الٰہیات و فلسفہ کی بھی تعلیم دلائی گئی تھی۔ اس کے حسن و جمال پر علم و فضل کے اضافے نے گویا سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس نے کھلم کھلا بابی مذہب کی تبلیغ شروع کی تو ایک دنیا اس کی جادو بھری تقریروں پر شیدا تھی کیونکہ دوران تقریر پل بھر کے لئے رخ سے نقاب الٹنا اس کی عادت تھی اور یہ عادت سامعین کے لئے قیامت تھی۔ جو بھی اس کے رخ روشن کی ایک جھلک دیکھتا ہمیشہ کے لئے اس کا دیوانہ ہو جاتا۔

زرین تاج کی اعلیٰ تعلیم نے اسے آزادی نسواں کا خیال دلایا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اسلام نے جو حقوق عورتوں کو دے رکھے ہیں، علمائے اسلام ان سے چھین لینا چاہتے ہیں چنانچہ اس نے معاشرے کے نام نہاد ٹھیکیداروں کے خلاف پورے زور سے آواز اٹھائی۔ اس سلسلے میں اس کی پہلی ٹکر خود اپنے ہی گھرانے کے افراد سے ہوئی، جس کے تمام فرد اسلامی شعائر پر بڑے تعصب سے کاربند تھے۔ شوہر نے اسے سمجھایا، خسر نے اپنے علم و فضل سے اسے لاجواب کرنا چاہا لیکن وہ ضمیر کی آواز کو دباتا تو گویا جانتی ہی نہ تھی۔ اسی اثنا میں اس نے سید علی محمد کے امام مہدی ہونے کا جھوٹا دعویٰ سنا تو پوشیدہ طور پر اسے خط لکھا، اپنے بعض شبہات کا ذکر کیا اور حقوق نسواں کے متعلق اس کی رائے پوچھی۔ باب نے حقوق نسواں کے متعلق بالکل انہیں خیالات کا اظہار کیا جو زرین تاج کے دل کی گہرائیوں میں موجود تھے۔ باب کا یہ پہلا خط ہی کام کر گیا اور وہ اس کی جھوٹی مہدویت کی پرستار بن گئی۔ خط و کتابت کا سلسلہ متواتر جاری رہا۔ باب نے دیکھا کہ وہ دھن کی پکی ہے اور اس کے انداز بیان میں جادو ہے تو اس نے اسے اختیار دیا کہ وہ بابیت کی تبلیغ کرے۔ سب سے پہلے اس نے بابیت کی تبلیغ گھر ہی سے شروع کی، گھر میں اس کی بات کوئی کیا سنتا، الٹا اس پر طرح طرح سے دباؤ ڈالا گیا کہ وہ گمراہی سے باز آئے، بالآخر اس پر سختیاں شروع ہوئیں، لیکن ۔۔۔ "بڑھتا ہے جرم عشق یہاں ہر سزا کے بعد۔"

قرۃ العین ہر جگہ اور ہر وقت نئے مذہب پر تبادلہ خیالات کرتی تھی۔ بعض لوگ محض اس کی عالمانہ گفتگو کو سننے کے لئے اس کی دعوت تبلیغ میں شامل ہوتے اور گرویدہ ہو کر واپس جاتے۔ شوہر اور خسر نے یوں بے آبروئی ہوتی دیکھی تو اسے سختی سے روکنا چاہا لیکن زرین

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

قرۃ العین طاہرہ

عہد حیات 1817ء۔ 1852ء

اس کے مذہبی نظریات کی کج روی کے باوجود کہا جاتا ہے کہ تاریخ نے قزوین کی اس شاعرہ جیسی کوئی اور باکمال اور باجمال عورت پیدا نہیں کی۔ اس کی ذہانت نے عقائد کی دنیا میں ہلچل مچا دی۔ جس نے ایک بار اس کے فتنہ پرور حسن کی جھلک دیکھ لی، وہ تمام عمر اسی کا دم بھرتا رہا۔ اس کی زندگی سے لگتا ہے کہ دامن سے حشر باندھے پھرتی تھی

قرۃ العین طاہرہ کی سوانح نگار مارتھا روٹ لکھتی ہیں: ''تمام مورخ۔۔۔ اس بات پر متفق ہیں کہ آپ 1817ء اور 1820ء کے درمیان پیدا ہوئی تھیں۔'' ڈاکٹر ساجد امجد 1817ء کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی وہ سنہ ہے جو اکثریت نے اختیار کیا ہے۔

ایران کے مشہور شہر قزوین میں پیدا ہونے والی قرۃ العین وہ حسین اور ذہین شاعرہ ہے جو آسمان ادب پر ایک ٹوٹنے والے تارے کی مانند چکا چوند پیدا کر کے آن کی آن میں صفحہ ہستی سے محو ہوگئی۔

قرۃ العین کا اصل نام فاطمہ زرین تاج ہے۔ مگر دنیا اسے قرۃ العین کے نام سے ہی جانتی ہے۔ وہ بابی مذہب کا پروانہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ سید کاظم رشتی جب زرین تاج کے نام خط لکھتا، تو اسے قرۃ العین کہہ کر خطاب کرتا تھا۔ سید باب نے اسے طاہرہ کا لقب دیا۔ دنیا اس کے اصل نام کو بھول گئی اور دوسرے لقب جو اس کے حسن و جمال اور فکر و خیال کی تابناکیوں کی وجہ سے اسے ملے، وہ حافظوں سے اتر گئے، لیکن قرۃ العین کے نام سے ایسی

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

لئے مناسب ہے، اور اگر یہ بری ہے، تو میں اس کی مستحق ہوں۔"
"ہم اور میں" کے مقام سے گزر جا اور ملک فنا کو وطن بنا لے، جس
وقت تو نے ایسا کر لیا تو اپنے مقصد کو پہنچ جائے گا۔"

بدخشانی کی رائے میں قرۃ العین کے اشعار فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان میں بلند خیالی ہے۔ شوکت الفاظ ہے۔ وحدت و فنا کا متصوفانہ رنگ جھلکتا ہے۔ لفظ لفظ، حرف حرف، کلمہ کلمہ جذبات کی حدت کا پتا دیتا ہے۔ اس کے ہر شعر میں ذاتیت اور داخلیت نظر آتی ہے۔ اس کے پرخلوص اشعار کا جواب مشکل ہی سے ملے گا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

تاج اپنے عقیدے پر اتنی راسخ ہو چکی تھی کہ اسے روکنا مشکل تھا۔
قرۃ العین سفر کربلا سے واپس آ کر اپنے والد کے پاس مقیم تھی کہ انہیں دنوں میں ایک شخص نے ملا محمد تقی عم طاہرہ کو قتل کر دیا اور خود کو حکومت کے سپرد کر دیا اور کہا کہ ملا تقی میرے مرشد اور بزرگ شیخ احمد حسائی کو گالیاں دیتے تھے۔ اس لیے میں نے انہیں قتل کر دیا۔ بابیوں کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر مسلمانوں نے سنا تو مسلح ہو کر بابیوں کے خلاف امڈ پڑے اور ''جہاد، جہاد'' کے نعرے بلند ہوئے۔ قرۃ العین نے صورت حال بگڑتی دیکھی تو قزوین سے تہران چلی گئی اور وہاں بدشت کانفرنس میں شریک ہوئی جہاں سید باب کے مستقل ظہور کی نسبت اعلان ہونے لگے تھے۔
بابیت کی کھلم کھلا تبلیغ سے اہل اسلام سخت برہم ہوئے۔ مجتہد العصر ملا تقی اور ناصر الدین قاچار پر قاتلانہ حملے کی وجہ سے عام مسلمانوں کے دلوں میں انتقام کی آگ پہلے ہی سے جل رہی تھی۔ آخر ناصر الدین کے حکم سے بابیوں کا قتل عام ہوا۔
قرۃ العین بھی اس ہنگامے میں اسیر ہوئی اور بادشاہ کے سامنے لائی گئی، تو ہر چند کہ وہ حکومت ایران کی شدید مخالف تھی لیکن اس پری پیکر کو دیکھ کر بادشاہ کے منہ سے نکلا: جانے دو! کہ رخ زیبا رکھتی ہے۔ لیکن وہ اس پر بھی بچ نہ سکی اور مشتعل مسلمانوں نے گلا گھونٹ کر اس مہ جبیں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ واقعہ اگست 1852ء کا ہے۔
قرۃ العین ایک خوش فکر شاعرہ تھی لیکن چند غزلیات کے سوا اس کی اور کوئی یادگار باقی نہیں۔ ذیل میں چند اشعار کا اردو ترجمہ پیش ہے:

''تیرے شوق کی کشتیوں نے غم والم کی زنجیروں کی لگام چڑھا دی ہے
تا کہ سارے شکستہ دل عاشق، محبت کی راہ میں جان دے دیں۔''

''اگر وہ محبوب مجھ بے گناہ کے قتل کرنے کو تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہوا ہے
تو جو اس کی منشا ہو، میں راضی ہوں۔''

''ایک صبح کو میرے ظالم محبوب نے میرے بستر پر قدم رکھا، اور جیسے
ہی میں نے اس کا جلوہ دیکھا، تو یہ معلوم ہوا جیسے صبح روشن ہو گئی۔''

''نہ اس کی عطر بار زلف کا سا کوئی نافہ سارے ختن میں ہے، نہ اس کی
فتنہ شعار آنکھوں کا سا کوئی کافر تمام خطا میں موجود ہے۔''

''ایک تو ہے کہ تیرے لئے سکندر کی جاہ وحشمت ہے۔ ایک میں ہوں
کہ میرے لئے قلندرانہ رسم و راہ ہے، اگر وہ اچھی ہے تو وہ تیرے

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

بین الاقوامی سطح پر مقبول بنانے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ جس کے نتیجہ میں اس کی شاعری کو بنی نوع انسان سے محبت کی شاعری قرار دیا گیا۔

''پتوفی کی نظمیں، گیت اور تحریریں'' کے مرتب جورجی راڈو لکھتے ہیں کہ سانڈور پتوفی کی پیدائش یکم جنوری 1823ء کو ہوئی۔ وہ ایک دیہاتی قصاب اور سرائے کے مالک کا فرزند تھا۔ امرتا نے اس کی پیدائش کا سال 1833ء لکھا ہے جو یقیناً درست نہیں کیونکہ امرتا ہی کے مضمون کا آخری حصہ خود اس کی نفی کرتا ہے جہاں وہ لکھتی ہیں کہ ''1849ء کو ۔۔۔ اس کی عمر چھبیس سال تھی۔'' میں بطور مداح امرتا جی سے ایسی سنگین غلطی کی توقع نہیں کرتا لہٰذا ممکن ہے یہ سہو ہو۔ یہاں اس غلطی کی طرف اشارہ کرنا مطلوب تھا، سو کر دیا۔ اب دوبارہ پتوفی کا ذکر کرتے ہیں جو اپنے والد کے دیوالیہ ہو جانے کے باعث تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکا اور بے زری کی حالت میں مدت تک برف سے ڈھکی سڑکوں کو روندتا پھرا۔ یہ اس کے مطالعاتی شوق کی شدت اور انتہا تھی کہ اس عالم میں بھی اس نے یورپ کے جدید ادب سے گہری واقفیت حاصل کر لی۔ وہ انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں پر عبور رکھتا تھا اور قدرے اطالوی سے بھی واقف تھا۔ ان زبانوں میں اس نے اتنی مہارت پیدا کر لی کہ ایک سے دوسری زبان میں تخلیقی ترجمے کرنے پر قادر ہو گیا۔ اس کی زندگی کا ہر سال نشیب و فراز سے عبارت ہے۔
ابتداء میں وہ گاؤں گاؤں گھوم کر لوگوں کا دل لبھانے والے تھیٹروں کا اداکار بنا، پھر فوج میں شمولیت اختیار کی اور کچھ عرصہ بعد ایک اخبار کے نائب مدیر کا منصب سنبھال کر صحافت کے میدان میں آیا۔ درحقیقت یہی وہ دن تھے جب اس نے خود کو ہنگرین ادب کے قریب تر محسوس کیا۔ اپنے مخصوص ادبی نظریات کے باعث جلد ہی پتوفی بیک وقت پرجوش حمایت کا حقدار اور شدید مخالفت کا نشانہ بن گیا۔ اس نے ہنگری کے ادب کو نئے تصورات، نئی صورتوں اور عوامی رجحانات سے آشنا کر کے اس روش کو کمال تک پہنچایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر نقاد اس کے مداح بن گئے لیکن کچھ ''ادبی بنیاد پرست'' مسلسل مطعون بھی کرتے رہے کہ نئی سوچوں سے سمجھوتہ ان کی قدامت پسندی کو گوارا نہ تھا۔ ان دنوں اس کی شہرت ہنگری بھر میں پھیل کر، اب باقی دنیا کو بھی متاثر کر رہی تھی۔ ہزاروں لوگ اسے ہنگری کے فطری مناظر کا پرشوق نقاش اور ولولہ انگیز محبت کا اظہار کرنے والا حساس شاعر سمجھ کر اس کے متعلق جاننے کے خواہشمند تھے چنانچہ پہلی مرتبہ اس کی چند نظموں کا ویانا میں ترجمہ کیا گیا۔

1944ء میں اس نے دور کے مستقبل کی تصویر کے متعلق اپنے خیالات ایک نظم ''آزادی اور عشق'' میں پیش کیے۔ 1947ء میں اس کا مجموعہ کلام چھپا تو اس کی پیشانی پر

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

سانڈور پتوفی

عہد حیات: 1823ء۔ 1849ء

عظیم انگریز مورخ کارلائل اس کی نظموں سے چھلکنے والی انسان دوستی کو سراہتے ہوئے اسے جرمن شاعر گوئٹے کا ہم پلہ قرار دیتا ہے۔ تھامس مان کے بقول وہ دنیا کے عظیم ترین غنائی شعراء میں سے ایک ہے

پتوفی ہنگری کا سب سے مقبول شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ امرتا لکھتی ہیں کہ ہنگرین عوام اپنے اس شاعر کو زندگی کے حقیقی چہرے والے ادب کا سب سے بڑا شاعر مانتے ہیں۔ اس کے کلام کے اولین انگریزی مترجم سر جان بورنگ نے ایک نظم لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کیا اور خوب کیا:

"وہ شہاب ثاقب نہیں تھا کیونکہ شہاب ثاقب تو
قابل فخر سنہری سطریں دور سے نہیں پڑھ سکتا ہے
بلکہ وہ آسمانوں کی روشنی میں ایک ابدی روشنی
اور مرکزی ستاروں کی کہکشاں کا مرکزی ستارہ تھا"

اٹلی کے معروف شاعر کارڈوسی نے سانڈور پتوفی کی موت پر لکھا تھا: "وہ یونان کے حسین دیوتا کی طرح غائب ہو گیا ہے۔" یہ داد و تحسین کے مختلف انداز ہیں جن کا سلسلہ بہت طویل ہے۔ ممکن تھا کہ سانڈور کو بہت زیادہ شہرت نہ ملتی لیکن کرولی کرٹ بینی نے اسے مشہور و متعارف کرنے میں بہت تگ و دو کی۔ اس پرجوش ادب نواز کی سعی و کوشش نے سانڈور کو

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

،،پتوفی کے لئے آزادی اور قوم کا مفہوم ایک ہی تھا کیونکہ وہ ان دونوں لفظوں کو مترادف سمجھتا تھا۔ جب وہ آزادی کی بات کرتا تھا تو صرف اپنی قوم اور ملک ہی اس کے پیش نظر نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ ساری دنیا کے لئے آزادی کا مطالبہ کرتا تھا۔ وہ عام لوگوں کی بھلائی کو دنیا کی بھلائی سے الگ نہیں سمجھتا تھا کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ کائنات بھر کی سچائی ہی عوام کی سچائی ہے۔ انسانی سطح پر دوسروں کے کرب و اندوہ کو محسوس کرنے والا، دن بدن گزرتی زندگی کی الجھنوں اور مشکلات سے آگاہ اور بے طاقت عوام کی نمائندگی کرنے والا یہ شاعر اگر ایک طرف آزادی کا مطالبہ کرتا تھا تو دوسری طرف جاگیرداری نظام کے خلاف بولتا تھا۔ 1844ء کے بعد تو اس کی سوچ کا دھارا یکسر بدل گیا اور وہ عوام کی خاطر سب کچھ کر گزرنے پر آمادہ ہو گیا۔،، (پنجابی سے ترجمہ)

31 جولائی 1849ء کو روس نے آسٹریا کی مدد کے لئے اپنی فوجیں ٹرانسلوینیا کی طرف روانہ کیں۔ انہیں روکنے کے لئے ہنگری کی جنگ آزادی کے سپہ سالار آگے بڑھے۔ پتوفی پولینڈ کے سپہ سالار بیم (BEM) کے ماتحت اس کے مددگاروں میں سے ایک تھا۔ آزادی کے متوالے آسٹریا کے شہنشاہ کی فوجوں کے سامنے آ گئے جنہیں زار روس نکولس اول کی پوری یہ فوجی امداد حاصل تھی۔ پتوفی نے جب اپنے افسروں اور ساتھیوں سمیت خود کو ایک زبردست قوت کے مقابل پایا تو اپنی آخری نظم تخلیق کی، بیوی کے نام آخری خط لکھا اور پھر جنگ کے لئے آمادہ ہو گیا۔ یہ جنگ اسے انسانیت کے لئے اپنی جان قربان کرنے کا موقع دینے والی تھی اور یہی وہ موقع تھا جسے پانے کی خواہش ساری زندگی پتوفی کے دل میں مچلتی رہی تھی۔ امرتا پریتم کا لکھنا ہے کہ 31 جولائی 1849ء کو سانڈور پتوفی آزادی دشمن فوج کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس وقت اس کی عمر چھبیس سال تھی۔

ثروت محی الدین کے مطابق پتوفی کی موت کی تصدیق نہ ہونے کے باعث لوگ بہت دیر تک امید لگائے بیٹھے رہے کہ وہ سائبیریا میں کہیں ہو گا اور عنقریب وطن آ جائے گا۔ کبھی کبھی یہ افواہ بھی گرم ہو جاتی کہ اسے فلاں جگہ پر دیکھا گیا ہے۔ لیکن آنے والے برسوں نے یہ بات ثابت کر دی کہ مذکورہ بالا جنگ کے بعد پتوفی کا کچھ پتہ نہیں چلا اور نہ ہی یہ بات سامنے آئی کہ آخر اس پر کیا گزری۔ چند برس بعد ہونے والی تحقیقات کی روشنی میں یہی کہا جاتا ہے کہ وہ سیوسگار کے قریب برپا ہونے والے معرکے میں اپنے آٹھ سو بہادر ساتھیوں کے ساتھ ہی کہیں دفن ہو گیا ہو گا۔

پتوفی تو شاید دفن ہو گیا لیکن اس کی شاعری دلوں میں کاشت ہو کر دماغوں میں پھلی

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

''آزادی اور عشق'' کی منتخب سطور بھی شائع کی گئیں جو بعد ازاں انتہائی مشہور ہوئیں۔

1847ء پتوفی کی والہانہ محبت کی تکمیل اور 1848ء ہنگری کی تاریخ کو ایک انتہائی اہم موڑ دینے والا سال ہے۔ اس دور میں سانڈور نے جو نظمیں لکھیں ان کے دو ہی رخ ہیں: ایک جولیا، اور دوسرا انقلاب۔ جولیا زینڈ رے کے ساتھ پتوفی کی ملاقات ستمبر 1846ء میں ہوئی۔ وہ ایک متمول گھرانے سے تعلق رکھتی تھی لہٰذا جب اس کے اہل خانہ کو پتوفی میں اس کی دلچسپی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے کہا کہ اس غریب شاعر کے پلے بندھ کر تمہیں کیا ملے گا، بہتر یہی ہے کہ اسے ذہن سے جھٹک کر آگے کی طرف دیکھو۔ لیکن جولیا نے ان کی ایک نہ مانی اور پتوفی سے شادی کر کے اس کی کئی نظموں کا موضوع بنی۔ اب اس کے وہی مضمون جو پہلے ایک سادہ لوح عاشق، فطرت کی تصویر کشی اور زندگی کی مسرت پر مشتمل تھے نہایت کڑے اور تیکھے انداز میں تیور بدل کر سامنے آئے۔ اور شاید یہی تبدیلی پتوفی کو فکری دنیا سے عملی دنیا میں لے گئی۔

1842ء کے آغاز میں اس نے ایک نظم ''خونی ایام کا خواب'' لکھی تھی، یوں تو بہت سے شعراء نے ایسی نظمیں لکھی ہیں لیکن اس نظم کی عظمت اس لئے بھی مسلمہ ہے کہ اس کے تخلیق کار نے خونی ایام کا صرف خواب ہی نہیں دیکھا بلکہ انہیں بسر بھی کیا۔ 1849ء میں اس نے جو نظمیں لکھیں وہ کہیں فتح کے نشے میں سرشار اور کہیں شکست پر مغموم سپاہی کی داستان حیات ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہنگری کی قومی جنگ، آزادی کی ایک تحریک سے بہت بلند ہو کر دنیا بھر میں آزادی کے حامیوں اور مخالفوں کے درمیان فیصلہ کن تصادم کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ اس جنگ میں پتوفی بھی پوری طرح مسلح ہو کر شریک تھا۔ اس کی شرکت کا یہ گہرا رنگ اسی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

''میں میدان جنگ میں کھڑا ہوں
تمہارے ساتھ، میری کمپنی کے ساتھیو!
اپنی نظموں کے ذریعے لڑ رہا ہوں
ہر نظم ۔۔۔ جنگجو نوجوان کی طرح میرے ساتھ کھڑی ہے''

ثروت محی الدین اپنے ایک مضمون ''سانڈور پتوفی'' میں لکھتی ہیں:

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

اور یہ میری ہڈیاں، ان کی ہڈیوں کے ساتھ، قبروں میں ہوں
اے کل عالم کی آزادی! جو تیرے لئے مرے ہیں۔۔۔"

سانڈور پتوفی اپنے بارے میں اپنی زبان سے یوں بیان کرتا ہے: "میں لکھوں گا۔۔۔ صاف صاف (اگرچہ) یہ راست گوئی اس مکر و فریب سے بھری ہوئی دنیا کے بہت سے لوگوں کو ناراض کر دے گی۔ مگر مجھے اس کی پرواہ نہیں۔۔۔ مجھے راست گوئی اور سچائی کا بڑا احترام ہے۔۔۔ اور میں اسے کفن کے طور پر اپنے ساتھ آخری منزل تک لے جاؤں گا۔۔۔ میری تخلیقات کے متعلق جس قدر رائیں موجود ہیں کسی دوسرے مصنف کی تخلیقات کے متعلق نہیں ملتیں۔ عوام کی عظیم اکثریت قطعی طور پر میری موضوع ہے اور بہت سے لوگ اسی شدت سے میرے خلاف ہیں۔۔۔ میری نظمیں۔۔۔ اگر حسدوں کو چھالکھی نظر آتی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں شعر و سخن کو طبقہ امراء کے دیوان خانوں کی زینت نہیں سمجھتا۔"

آج سانڈور پتوفی کی کوئی قبر ہے نہ کتبہ۔ اور نہ ہی کوئی ایسی یادگار جہاں جا کر اسے یاد کیا جائے لیکن یہ تمام کام اس کی شاعری نے سنبھالے ہوئے ہیں جب تک ایک بھی آزادی پسند زندہ ہے۔ اس کی شاعری زندہ رہے گی۔۔۔ اور سانڈور پتوفی بھی۔

○○○○

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

پھولی اور ہمیشہ دھرتی کے سینے پر، آزادی پسندوں کی زبانوں پر اور انقلابیوں کے نعروں میں سانسیں لیتی رہی۔ آپ خود سوچیں، کیا ایسی نظمیں مر سکتی ہیں!

"ایک خیال اکثر مجھے پریشان کرتا ہے
کہ میں کہیں تکیے پر سر رکھے ہی نہ مر جاؤں
یا بہت آہستہ سے ایک پھول کی طرح یوں مرجھاؤں
کہ بینہ کیڑے مکوڑے چاٹ لیں
اور میں پتی پتی ٹہنی سے گر جاؤں۔۔۔
یا ایک سنسان کمرے کی روشنی
جو اندھیرے میں سسکیاں بھرے۔۔۔
یا خدا! کوئی یوں نہ مرے
میں چاہتا ہوں۔ ایک درخت بن جاؤں
اور آسمانوں کی بجلی مجھ پر آن گرے
یا ایک بھاری چٹان ہو جاؤں
جو پہاڑ سے دھاڑتی ہوئی، وادی میں جا گرے
اور زنجیروں میں جکڑی ہر قوم، جب میدان جنگ میں اترے
اور اس کے چہرے پر ایک لالی سی دمک اٹھے
اور ہاتھوں کا پرچم ہوا میں لہرائے
"ہمیں آزاد ہونا چاہیے"
اور یہی آواز شمال سے جنوب تک پھیل جائے۔۔۔
اس وقت میں خوشی سے بھرا، میدان میں موجود ہوں
اور میرے خون کا۔۔۔ آخری قطرہ۔۔۔ اس زمین پر گرے
اور میری آخری آواز، لوہے کی آواز میں ڈوب جائے
پھر میری لاش پر سے
فتح کی فوجوں کے گھوڑے دوڑ کر گزریں
اور ان بہادروں کی یاد میں ایک جلوس ہو
جو تیرے لئے جیے ہیں

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

حاصل کی۔ 61-1857ء تک ہرام کالج (سابقہ ویسٹرن ریزرو الیکلک انسٹیٹیوٹ) کے تدریسی شعبے سے وابستہ اور کالج کے صدر رہے۔ یہاں وہ لاطینی، یونانی، انگریزی ادب، ریاضی، تاریخ اور فلسفہ پڑھاتے تھے۔

گارفیلڈ کی شادی 11 نومبر 1858ء کو 26 برس کی عمر میں اوہائیو میں ہوئی۔ ان کی بیگم لوسی ریٹیا رڈولف مقامی کسان زیبولن رڈولف کی بیٹی تھیں۔ شادی کے وقت لوسی کی عمر بھی 26 سال تھی۔

1859ء میں اوہائیو سٹیٹ سینٹ کے رکن منتخب ہوئے۔ 1860ء میں قانون کے شعبے میں عملی طور پر شمولیت اختیار کی۔

خانہ جنگی کے دوران رضا کارانہ طور پر 21، اگست 1861ء کو لیفٹیننٹ کرنل کے طور پر فوج میں شامل ہو گئے اور بیالیسویں رجمنٹ اوہائیو رضا کار انفنٹری کے رکن بنے۔ 27 نومبر 1861ء کو انہیں کرنل کا عہدہ دے دیا گیا۔ 10، جنوری 1862ء کو جنرل مارشل کی سربراہی میں اتحادیوں کو ''پینٹویل کینٹکی'' کے مقام پر شکست دی۔ 11 جنوری 1862ء کو انہیں رضا کاروں کے بریگیڈیئر جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ ''شیلو'' کے مقام پر انہوں نے لڑائی میں حصہ لیا۔فروری 1863ء میں جنرل ''روز کریز'' کی سربراہی میں چیف آف سٹاف مقرر ہوئے۔

اس سے قبل 1862ء میں فوج میں ہی تھے کہ اوہائیو سے امریکی ایوان نمائندگان کے رکن منتخب ہوئے اور 4 مارچ 1863ء سے 8 نومبر 1880ء تک یہاں رہے۔

19 ستمبر 1863ء کو میجر جنرل کے عہدے پر ترقی ہوئی۔ 5 دسمبر 1863ء کو فوج کی ملازمت ترک کر کے ایوان نمائندگان میں آ گئے۔

13 جنوری 1880 کو امریکی سینٹ کے رکن منتخب ہوئے۔ سینٹ کی یہ ٹرم 4 مارچ 1881ء سے شروع ہونا تھی۔

8 جون 1880ء کو ری پبلکنز کی طرف سے صدارتی امیدوار کے لئے ان کی نامزدگی عمل میں آئی اور 4 نومبر 1880ء کو صدر منتخب ہو گئے۔

8 نومبر 1880ء کو ایوان نمائندگان سے استعفیٰ دیا۔ 23 دسمبر 1880ء کو سینٹ کی رکنیت سے بھی دستبردار ہو گئے۔ 4 مارچ 1881ء کو باقاعدہ طور پر صدارتی عہدے کا حلف اٹھایا۔

ان کا دور اقتدار انتہائی مختصر رہا۔ وہ 4 مارچ 1881ء سے 19 ستمبر 1881ء تک محض ساڑھے چھ ماہ تک امریکہ کے صدر رہے۔ 2 جولائی 1881ء کو ''چارلس جے گیٹو'' نامی ایک

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

جیمز گارفیلڈ

عہد حیات: 1831ء۔ 1881ء

وہ صرف ساڑھے چھ ماہ تک ریاستہائے متحدہ امریکہ کا صدر رہا۔ ایک ملاح، کسان اور بڑھئی کا ترقی کر کے وائٹ ہائوس میں براجمان ہونا عسرت کے خلاف انسانی جدوجہد کی شاندار واقعاتی مثال ہے

19 نومبر 1831ء کو اورنج کیوبا ہوگا، اوہائیو میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا جو مستقبل میں ترقی کی شاندار منازل طے کرتے ہوئے امریکہ جیسے عظیم ملک کا صدر بنا۔ جیمز ابرام گارفیلڈ نامی یہ بچہ ابھی اپنی عمر کے تین سال بھی پورے نہیں کر پایا تھا کہ اس کا باپ ابرام گارفیلڈ انتقال کر گیا۔

والدہ ایلیزا بیلو گارفیلڈ نے نہایت بدحالی اور غربت کے عالم میں جیمز کی پرورش کی۔ اس امریکی صدر کا بچپن غربت اور تنگدستی کے خلاف انسانی جدوجہد کا مثالی نمونہ ہے۔ والدہ کی معاشی مدد اور اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لئے اس نے مختلف اوقات میں ملاح، کسان اور بڑھئی کی حیثیت سے کام کیا۔

بیک وقت حصول علم کا شوق اور غربت کا دباؤ حد سے بڑھا ہوا تھا لہٰذا روزگار کو بھی تعلیم کے ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ وہ محنت مزدوری کرتے، فارغ اوقات میں خود کو مطالعہ کتب کے لئے وقف کر دیتے، سال کے آخری مہینوں میں مقامی ڈسٹرکٹ سکول جاتے اور امتحان کے بعد پاس ہوکر اگلی جماعت میں ترقی پا جاتے۔ یوں جیمز گارفیلڈ کی ابتدائی تعلیم مکمل ہوئی۔

6 مارچ 1849ء کو ''ویسٹرن ریزرو الیکلک انسٹیٹیوٹ'' میں داخلہ لے لیا۔ اسی برس وہ ''سولون اوہائیو'' کے ڈسٹرکٹ سکول میں پڑھانے لگے۔ 1854-56ء تک ولیمز کالج میں تعلیم

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

ولیم میکنلی

عہد حیات: 1843ء۔ 1901ء

جب وہ پہلی بار امریکہ کا صدر بنا تو اس کا ملک ایک عالمی طاقت کے طور پر دنیا کے سامنے آیا۔ اس حیثیت کو برقرار رکھنا ایک چیلنج تھا جو ولیم نے خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ اپنی شاندار خدمات کے نتیجے میں جب اسے دوبارہ صدارت ملی تو موت اس سے ایک سو ترانوے دن دور تھی

ریاستہائے متحدہ امریکہ کے 25ویں صدر ولیم میکنلی 29 جنوری 1843ء کو نائیلز (اوہائیو) میں پیدا ہوئے۔ اپنے نو بہن بھائیوں میں ان کا نمبر ساتواں تھا۔

پبلک سکولوں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد پولینڈ اکیڈمی، اور پھر آلیگنی کالج میں داخلہ لیا لیکن گریجوایشن کئے بغیر کالج کی زندگی کو خیرباد کہہ دیا۔ 1859ء میں میکنلی نے پولینڈ کے قریب ایک سکول میں پڑھانا شروع کیا۔

11 جون 1861ء کو رضا کار انفنٹری، اوہائیو میں شمولیت اختیار کی، مختلف لڑائیوں اور پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں نمایاں خدمات انجام دیں، ترقی پائی اور بریویٹ میجر کے عہدے تک جا پہنچے۔ 1865ء کے ماہ جولائی کے چھبیسویں دن وہ فوج سے الگ ہو گئے۔ اس کے بعد افتادِ طبع نے رخ بدلا اور میکنلی قانونی تعلیم کی طرف مائل ہو گئے۔

1865ء سے 1867ء تک البانے (نیویارک) میں قانون کی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں قانون کے شعبے میں عملی شمولیت اختیار کی اور لاء آفس قائم کیا۔ علاوہ ازیں 1869ء سے 1871ء تک سٹارک کاؤنٹی اوہائیو کے وکیل استغاثہ بھی رہے۔

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

شخص نے ان پر اس وقت فائرنگ کر دی جب وہ واشنگٹن کے ریل روڈ سٹیشن سے گزر رہے تھے۔ اس حملے میں جیمز ابرام گارفیلڈ بری طرح زخمی ہوئے۔ علاج معالجہ ہوا لیکن زندگی مقدر نہ تھی لہٰذا 19 ستمبر 1881ء کو ''ایلبیرن'' کے مقام پر جان کی بازی ہار گئے۔

4 جولائی 1999ء کے روزنامہ ''دن'' کے سنڈے میگزین میں امریکی صدور پر شائع ہونے والے ایک مضمون میں جیمز گارفیلڈ کے مزاج کے ایک منفرد پہلو کا احاطہ کرتے ہوئے لکھا گیا کہ صرف چند ماہ تک امریکہ کی صدارت پر فائز رہنے والے درویش صفت صدر جیمز گارفیلڈ صدارت کے عہدے کو بے کشش اور اکتا دینے والا خیال کرتے تھے۔ ایک واقعے سے بھی اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے جو کچھ یوں پیش آیا کہ ایک بار وائٹ ہاؤس کے باہر بے روزگار نوجوان سینکڑوں کی تعداد میں جمع ہو کر احتجاج کرنے لگے۔ جیمز گارفیلڈ کو جب اس امر کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے اپنا سر تھام لیا اور سٹپٹا کر بولے: ''آخر اس وائٹ ہاؤس میں کیا کشش ہے کہ بیٹھے بٹھائے بندہ یہ دردسر مول لے۔'' جیمز کا قتل جدوجہد کی نصف صدی گزارنے والے ایک پرعزم انسان کا قتل تھا جو غربت کی کھائی سے زندہ و سلامت نکل کر شہرت، عزت اور دولت کے آسمان پر تا دیر چمکنے والا ستارہ بن گیا۔ آج کی نوجوان نسل کو انسانی تاریخ کے راستوں پر جا بجا چمکتے دمکتے ایسے ستاروں سے روشنی اور رہنمائی مستعار لے کر آگے بڑھنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ مستقبل میں پاک سرزمین کے جیمز گارفیلڈ اور لنکن بن سکیں۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

پالیسی'' سے اتفاق کر لیا۔ 4 فروری 1899ء کو امریکہ سے آزادی حاصل کرنے کے لئے فلپائن میں گوریلا جنگ شروع ہوئی مگر 11 اپریل 1899ء کو فلپائن، پیورٹوریکو اور گوام کو باقاعدہ طور پر امریکہ کے حصے قرار دے کر اس شورش پر قابو پالیا گیا۔

4 مارچ 1901ء کو ''میکنلی'' دوبارہ صدر امریکہ بنے۔ انہیں کامیاب اقتصادی، معاشی اور عسکری پالیسی سازی، عمدہ خارجہ حکمت عملی، سپین کے ساتھ جنگ میں کامیابی، خوشحالی کی بحالی اور ''اوپن ڈور پالیسی'' کے ذریعے منڈیوں کے حصول میں کامرانی کے باعث احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ملکی سربراہ کے طور پر یہی نمایاں کامیابیاں ان کے دوبارہ عہدہ صدارت پر براجمان ہونے کا باعث ٹھہریں۔

لیکن میکنلی کو اپنی نئی فتح کا جشن منانے کی زیادہ مہلت نہ ملی۔ 6 ستمبر 1901ء کو بفیلو، نیویارک میں ''لیون زونگوز'' نامی شخص نے انہیں گولی ماردی۔ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ 14 ستمبر 1901ء کو اس عالم فانی سے رخصت ہوئے۔

معروف صحافی اور سیاسی تجزیہ نگار جناب اکرم شیخ کے مطابق ''ولیم میکنلی نے جب پہلی بار صدارت کا عہدہ سنبھالا تو امریکہ ایک نوزائیدہ عالمی طاقت تھا۔ اپنے ملک کی اس حیثیت کو برقرار اور مستحکم رکھنے کے لئے انہوں نے شبانہ روز محنت کی۔ ان کا دور ملکی اور بین الاقوامی سیاسی حالات کی تیز رفتار تبدیلیوں کا دور تھا۔ ان ہنگامہ خیز ایام میں میکنلی نے ملکی مفادات کے تحفظ کے لئے بالکل درست، حالات کے عین مطابق اور دوررس اثرات کے حامل فیصلے کئے جن کے نتیجے میں آئندہ عشروں میں امریکہ کو عالمی بساط پر ایک فیصلہ کن مہرے کی حیثیت حاصل ہوگئی''۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

25 جنوری 1871ء کو 27 سال کی عمر میں بینکر جیمز ایسبری سیکسٹن کی 23 سالہ صاحبزادی ''ایدا سکیسٹن'' سے شادی کی۔ 1877ء سے 1883ء اور پھر 1885ء سے 1891ء تک دو مرتبہ اوہائیو سے امریکی ایوان نمائندگان کے رکن رہے۔ 1890ء میں کانگریس نے ''میکنلی ٹیرف ایکٹ'' منظور کیا۔ 1892ء سے 1896ء تک دو بار اوہائیو کے گورنر رہے۔

نومبر 1896ء میں ری پبلکن کے ٹکٹ پر صدارتی امیدوار نامزد ہوئے اور فتح حاصل کی۔ 4 مارچ 1897ء کو صدر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔

1895ء میں کیوبا نے سپین کے خلاف آزادی کی جنگ کا آغاز کر دیا تھا۔ امریکہ اس صورتحال کو تشویش کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ امریکی عوامی حلقے کیوبا کی عوام کے حمایتی تھے تاہم صدر کلیولینڈ نے غیر جانبداری کی پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ تین برس تک میکنلی حکومت بھی کیوبا میں مداخلت کے حوالے سے ہچکچاہٹ کا شکار رہی مگر جب امریکی جنگی جہاز ''مینے'' کیوبا کی بندرگاہ ''ہوانا'' میں تباہ کر دیا گیا اور اس پر موجود تین سو تیں افراد جان سے گئے تو اس واقعہ کے ردعمل کے طور پر امریکہ میں شدید غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ کچھ عرصہ تک صدر میکنلی نے امن قائم رکھنے کی کوشش کی مگر آخر کار جلد ہی مداخلت کا فیصلہ کر لیا۔ سپین کے ساتھ امریکہ کی یہ جنگ بہت تیز رفتار اور فیصلہ کن تھی جو چار ماہ جاری رہی۔

جولائی 1898ء کو ''ہوائی'' امریکہ میں شامل ہو گیا۔ سپین نے شکست تسلیم کرتے ہوئے امن کی درخواست کی۔ 12 اگست 1898ء کو ''امن معاہدہ'' ہوا۔ 10 دسمبر 1898ء کو ''پیرس معاہدہ'' پر دستخط کئے گئے۔ معاہدہ کے تحت کیوبا کو عارضی طور پر امریکہ کے حوالے کر دیا گیا۔ سپین نے تاوان جنگ کے طور پر ''پیورٹو ریکو'' اور ''گوام'' کے علاقے امریکہ کے حوالے کر دیئے جبکہ فلپائن دو کروڑ ڈالر کے عوض فروخت کر دیا گیا۔ یہی وہ وقت تھا جب ریاستہائے متحدہ امریکہ ایک بڑی عالمی طاقت کے طور پر ابھرا۔ فلپائن میں اڈہ بنا کر امریکہ کو چین کے ساتھ وسیع تجارت کی امید پیدا ہو گئی تھی۔ 95-1894ء میں جاپان کے ہاتھوں چین کی شکست کے بعد متحدہ یورپ کی اقوام نے چین میں بحری اڈے اور پٹے پر علاقے حاصل کر لئے تھے، اور وہاں اپنا حلقہ اثر بنا لیا تھا۔ انہوں نے نہ صرف اجارہ دارانہ تجارتی حقوق حاصل کئے بلکہ قریبی علاقوں میں ریلوے کی تعمیر اور کان کنی کے فروغ میں سرمایہ کاری کے لئے خصوصی رعایتیں بھی حاصل کر لیں۔ اس پس منظر میں ستمبر 1899ء کو امریکی وزیر خارجہ ''جان ہے'' نے متعلقہ طاقتوں کو ایک گشتی مراسلہ جاری کیا جنہوں نے اس مراسلہ میں درج تجاویز کو قبول کرتے ہوئے اپنے زیر اثر علاقوں میں تجارتی مواقع کے سلسلے میں امریکہ کی '' اوپن ڈور

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

اور آنکھیں کھولتے ہی سامراجی گماشتوں کو گھورنے لگا۔ اس کی ہر نظم خوابِ غفلت میں گرفتار لوگوں کی بیداری کا ذریعہ بن گئی۔ اس کا ہر مصرعہ انقلابیوں کے کندھے پر تھپکی اور ظالموں کی کمر پر کوڑا بن کر کاغذ کی کوری چھاتی پر اترتا تھا۔

بوتیف کی پوری شاعری گویا بجائے خود بغاوت تھی جو دیکھتے ہی دیکھتے جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ملک بھر میں اس کے گیت پوجا کے منتروں کی طرح گائے جاتے تھے۔

2000ء کی دسویں سالانہ بین الاقوامی بلھے شاہ کانفرنس (قصور) کے موقع پر راقم الحروف کے دیرینہ دوست رشید رانا کے ہمراہ رومانیا کے نوجوان اور خوش فکر شاعر سپریان بورتا بھی تھے۔ سپریان نے مجھ سے پاکستان اور میں نے ان سے رومانیا کے متعلق بہت کچھ پوچھا۔ میں نے خرستو بوتیف (بلغاریا) کا ذکر کیا تو سپریان نے بتایا کہ صحیح معنوں میں بلغاروی ادب کی ابتداء ہی انیسویں صدی سے ہوئی جب بلغاری قوم میں شعور اور آزادی کی تڑپ پیدا ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ بلغاری زبان آریائی زبانوں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور روسی زبان کے کافی اثرات لئے ہوئے ہے۔ سپریان کا کہنا تھا کہ خرستو بوتیف بلغاروی ادب کے محسنوں اور بانیوں میں شمار ہوتا ہے اور ایک صدی سے بھی زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود وہ بلغاریا اور ہمسایہ ملکوں میں بدستور مقبول ہے۔

بعد ازاں کتابی ذرائع نے بھی سپریان بورتا کی فراہم کردہ معلومات کی تصدیق کی۔ امرتا پریتم کے بقول جب 1875ء میں بغاوت کی آگ بھڑکی تو بوتیف کی شاعری لوگوں کے دل کی پکار بن چکی تھی۔ اسی سال رومانیا کے دارالحکومت میں آزادی کے مجاہدوں کی کانفرنس منعقد ہوئی جس کا محرک بوتیف تھا۔ کانفرنس نے بوتیف کو فکری رہنمائی کے ساتھ ساتھ قوم کی عملی رہنمائی کے لئے بھی میدان عمل میں آنے کا مشورہ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپریل 1876ء تک یہ تحریک پورے بلغاریا میں پھیل گئی۔ زندگی اور موت کی اس جنگ میں مقابلہ حاکموں کے ہتھیاروں سے تھا۔ لہٰذا خرستو بوتیف نے بھی قلم ایک طرف رکھ کر ہتھیار اٹھا لئے اور میدان عمل میں کچھ کر کے دکھانے کے جذبے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے دو سو ساتھیوں کے ساتھ وہ ایک آسٹریائی جہاز کے ذریعے دریائے ڈینوب پار کر کے اپنی دھرتی پر اترا۔ ترک حکمرانوں نے اس کی اپنی ہی سرزمین پر اس کے لئے ہر قدم پر گھات لگا کر بیٹھی موت کا اہتمام کر رکھا تھا۔

خرستو بوتیف کو بھی معلوم تھا کہ اب وہ زندہ نہیں چھوڑا جائے گا چنانچہ اس نے اپنی

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

خرستو بوتیف

عہد حیات: 1848ء۔ 1876ء

اس کے مزاحمتی گیت پوجا کے منتروں کی طرح زبانوں پر رواں ہوئے۔ اس نے اپنی موت کا گیت اپنے ہاتھ سے لکھ کر میدان فکر سے میدان عمل میں جست لگائی

جنوب مشرقی یورپ میں واقع جزیرہ نمائے بلقان البانیا، بلغاریا، یونان، جنوب مشرقی رومانیا، یورپی ترکیہ اور یوگوسلاویا پر مشتمل ہے۔ کوہستان بلقان کی چوٹیوں کی قدم بوسی میں مصروف اس خطے نے بہت سے کوہ قامت مفکر و مدبر پیدا کئے۔ انہی میں سے ایک بلغاریہ کا خرستو بوتیف تھا۔ خرستو کی شناخت کے کئی منفرد حوالے ہیں۔ وہ ایک باکمال ادیب، شعلہ نوا شاعر، بے باک صحافی، نڈر باغی اور عظیم جنگجو تھا۔

امرتا پریتم کے مطابق خرستو بوتیف ''کافرلو'' نامی پہاڑی قصبے میں 25 دسمبر 1848ء کو پیدا ہوا۔ 1867ء میں روس سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے جب وہ اپنے وطن بلغاریا لوٹا تو اس کے سوشلسٹ خیالات و افکار نہایت تیزی سے نوجوان نسل میں مقبول ہو گئے۔ یہ صورتحال حکومت کے لئے ناپسندیدہ تھی لہٰذا خرستو کو جبری طور پر جلاوطن کر دیا گیا۔

اب وہ رومانیا جا پہنچا اور ''آزادی'' نامی باغی اخبار میں کام کرنے لگا۔ بعد ازاں اس نے خود ایک اخبار ''بلغاریائی جلاوطنوں کی دنیا'' کے نام سے شروع کیا۔ اس ابتداء کی انتہاء اس وقت ہوئی جب خرستو نے ایک طنزیہ اخبار ''الارم کلاک'' جاری کیا۔ ''الارم کلاک'' کی تحریریں عوام کے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ہم آہنگ تھیں اور حکمران طبقہ ان کے ہر لفظ کو اپنے مکروہ چہرے پر پڑنے والا تھپڑ خیال کرتا تھا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب خرستو بوتیف کے اندر خوابیدہ شاعری انگڑائی لے کر بیدار ہوا اور

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

فرانسس فرڈی نینڈ

عہد حیات: 1863ء۔1914ء

ایک آدمی نے ایک آدمی کو مارا اور اس کے نتیجے میں ایک کروڑ انسان ہلاک اور دو کروڑ سے زائد اپاہج ہو گئے۔ اس کے قتل کی چنگاری سے جنگ عظیم اول کے وہ شعلے پیدا ہوئے جنھوں نے پوری انسانیت کو جھلسا کر رکھ دیا

فرانس جوزف اول کا بھتیجا اور آسٹروی تخت کا وارث فرانس فرڈی ننڈ 1863ء کو پیدا ہوا۔ یہ غلامی کی صدیوں سے چلی آ رہی رسم کا شدید مخالف تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سربیا کے غلامی پسند لوگ اس کے خلاف ہو گئے۔ وہ سارا جیوو (Sarajevo) میں چھٹیاں گزار رہا تھا کہ 28 جون 1914ء کو سربیا کے ایک باشندے کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ تمام مورخین متفق ہیں کہ پہلی جنگ عظیم (1914-1918ء) کا آغاز آسٹریا کے ولی عہد فرانس فرڈی ننڈ کے قتل سے ہی ہوا۔ یوں یہ قتل انسانیت کی وسیع پیمانے پر تباہی کا اولین محرک قرار پاتا ہے۔

فرڈی ننڈ کے قتل کے بعد جلد ہی آسٹریا نے اس جرم کا بہانہ بنا کر سربیا پر حملہ کر دیا۔ بعد ازاں مختلف ممالک یکے بعد دیگرے اس معرکے میں شامل ہوتے گئے اور یوں جنگ عظیم اول شروع ہو گئی۔ بعض مورخین کے مطابق کچھ وقت اور گزر جاتا تو ممکن تھا جنگ بالکل نہ ہوتی یا اس کا دائرہ محدود رہتا۔ گویا دل سے جنگ کا خواہاں شاید کوئی بھی نہ تھا مگر وسیع پیمانے پر فوجوں کی نقل و حرکت کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسی دوران یکا یک ٹکر ہو گئی۔ جس طرح کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹتا ہے تو ہر طرف تباہ کن لاوا بہہ نکلتا ہے، اسی طرح یہ جنگ ہولناک تھی۔

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

موت کا گیت اپنے قلم سے، اپنی زندگی میں لکھا، اور خوب لکھا:

"جو میدان جنگ میں مرتا ہے
وہ نہیں مرتا
جو آزادی کی جنگ لڑتا ہے
زمین اور آسمان اس کی صف ماتم پر ایک ہو جاتے ہیں۔۔۔
اور قدرت۔۔۔ جنگلوں سمیت بین کرتی ہے۔۔۔
اور وقت کے گائیک اس کے رجز گاتے ہیں۔۔۔

ورالتا (بلغاریا) کی پہاڑیوں میں ساڑھے ستائیس سالہ خرستو بوتیف۔۔۔ ایک صحافی، ایک ادیب، ایک شاعر، ایک انقلابی۔۔۔ اپنے ساتھیوں سمیت ترک حکمرانوں کی فوج سے لڑا۔ رات ہوئی تو لڑائی تھم گئی۔ لڑائی تھمی تو اندھیرے کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خرستو میدان جنگ کا معائنہ کرنے نکلا۔ یہ 2 جون 1876ء کی رات تھی۔۔۔ معمول سے زیادہ سیاہ رات۔۔۔ جب بوتیف اونچی نیچی زمین پر اپنے ساتھیوں کے خون کی مہک کے تعاقب میں تھا تو بزدل دشمن نے اسے زندگی کے فراز سے موت کے نشیب میں دھکیل دیا۔ ایک اندھی گولی آئی اور خرستو کو چاٹ گئی۔ ظلم، جبر اور آمریت کے خلاف مزاحمت کا فکری اور عملی استعارہ موت کے گھاٹ اتر گیا۔ لیکن ہم کیوں لکھیں کہ وہ مر گیا جبکہ اس کی اپنی رائے یہ ہے کہ:

"جو میدان جنگ میں مرتا ہے
وہ نہیں مرتا۔"

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

لالہ لاجپت رائے

عہد حیات: 1865ء۔ 1928ء

بیسویں صدی کے پہلے ربع کے معروف ترین ہندوستانی رہنما، ادیب، دانشور اور مدبر جو پولیس تشدد کے نتیجے میں جان دے کر آزادی کی تحریک میں جان ڈال گئے

منشی رادھا کشن کے عظیم المرتبہ فرزند لالہ لاجپت رائے 28 جنوری 1865ء کو پیدا ہوئے۔ وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد آریہ سماج کی شروع کردہ سماجی و اصلاحی تحریک میں عملی حصہ لیا۔ 1888ء میں انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہو کر حصول آزادی کی تحریک میں سرگرم حصہ لیا۔ 1905ء میں برطانوی عوام کے سامنے ہندوستان کے نقطہ نظر کی وضاحت کرنے کے لئے برطانیہ گئے۔ واپسی پر آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور جلا وطن کر کے مانڈلے (برما) بھیج دیا گیا۔ جہاں آپ کو ایک سال قید سخت کی سزا دی گئی۔ پہلی جنگ عظیم سے پہلے امریکہ گئے مگر انگریزوں نے جنگ کے ختم ہونے تک واپسی کی اجازت نہ دی۔ تین مشہور کتابیں ''ینگ انڈیا، آریہ سماج، اور انگلینڈ نے ڈیٹ ٹو انڈیا'' تصنیف کیں۔ سرکاری اسکولوں کے بائیکاٹ کے زمانے میں لاہور میں نیشنل اسکول قائم کئے۔ آپ کو 1921ء میں گرفتار کر کے ایک سال قید با مشقت کی سزا دی گئی۔ 1923ء میں سوراج پارٹی میں شامل ہو گئے اور مرکزی اسمبلی کے لئے منتخب کئے گئے۔ 1926ء میں سوراج پارٹی سے مستعفی ہوئے اور پنڈت مدن موہن مالویہ کے ساتھ مل کر آزاد کانگریس پارٹی قائم کی۔ 1928ء میں سائمن کمیشن کی آمد کے خلاف احتجاجی سرگرمیوں کو منظم کیا۔ 30 اکتوبر 1928ء کو لاہور میں کمیشن

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

مجموعی حیثیت سے اس جنگ کو ایک طرح کا قتل عام ہی سمجھنا چاہیے کیونکہ فوجی تنظیمیں ناقص اور منصوبہ بندی کمزور تھی جس کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ جنگ میں حصہ لینے والے بے حد تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھاتے، اور ایسا ہوا بھی۔ نقصانات کا اندازہ یہ ہے کہ کم و بیش ایک کروڑ آدمی مارے گئے، دو کروڑ کے قریب زخمی ہوئے اور جو جائدادیں تباہ ہوئیں ان کی قیمت کا حساب لگانا مشکل ہے۔

اس جنگ میں سائنس کے کمالات خوب نمایاں ہوئے۔ جرمنوں نے آبدوزوں کے حملے اس پیمانے پر پہنچا دیئے کہ نہ صرف بحری تجارت کے لئے دہشت انگیز خطرہ پیدا ہو گیا، بلکہ برطانیہ کی بحری فوج کا شیرازہ بھی درہم برہم ہونے کے قریب پہنچ گیا۔

ہوائی جہاز بھی اس جنگ میں ایک حربہ بن گئے، اگرچہ ان سے زیادہ تر دیکھ بھال یا بہت معمولی بم باری کا کام لیا گیا۔ جرمنوں نے جو بڑی توپ ایجاد کی تھی، وہ چالیس میل سے پیرس پر گولے برساتی رہی، لیکن جن چیزوں کو فوجی اغراض کے لئے استعمال کیا گیا ان میں سب سے قابل ذکر ٹرک اور موٹریں تھیں۔ ان کے استعمال سے جنگی نقل و حرکت کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

نکولس دوم

عہد حیات: 1868ء۔ 1918ء

راسپوٹین کا شکار، روس کا آخری زار، اس کی حکومت کے خاتمے پر بالشویک انقلاب کا سرخ سورج طلوع ہوا

نکولس اول کا پڑپوتا اور الیگزانڈر سوم کا بیٹا نکولس دوم 1868ء میں پیدا ہوا۔ اس نے روس کی بادشاہت 1894ء میں سنبھالی۔ وہ انقلابیوں کی شورش، دہشت پسندوں کی مزاحمت اور جمہوریت کے حامیوں کی مخالفت سے لڑتا ہوا مطلق العنانی کے اصول پر ڈٹا رہا۔ عالمی امن کے لئے اس کی ہیگ کانفرنس جیسی کوششیں بھی روس کو جاپان کے ساتھ جنگ میں الجھنے سے نہ روک سکیں۔ اس جنگ کے ذلت آمیز انجام کے نتیجے میں وہ شدید بغاوتیں ہوئیں جنہیں 1905ء کا انقلاب کہتے ہیں۔

جاپان کے ساتھ 1904ء کی جنگ کے بعد روس میں غربت انتہا کو پہنچ گئی، معیشت تباہ ہوگئی اور حالات دن بدن سنگین رخ اختیار کرتے گئے لیکن نکولس دوم نے ملکی بہتری کے لئے دن رات محنت کر کے بہت مثبت نتائج حاصل کئے۔ اس کی انہی کوششوں کے باعث روس نے پہلی عالمی جنگ میں بھرپور شرکت کی۔ یہ وہ دن تھے جب شاہی محل میں بدکار اور اوباش راسپوٹین دندناتا پھرتا تھا جو 1916ء کے اواخر میں اپنی تمام تر سیاہ کاریوں سمیت موت کے گھاٹ اتر گیا۔ انقلابیوں کے شدید دباؤ اور ملک میں پھیلی عام بدامنی کے باعث نکولس دوم مارچ 1917ء میں تخت سے دستبرداری کا اعلان کرنے پر مجبور ہوا۔ 7 نومبر 1917ء کو باقاعدہ طور پر بالشویک حکومت کا قیام عمل میں آیا اور ملک زار شاہی سے ہمیشہ کے لئے نجات پا کر سوشلسٹ انقلاب سے دوچار ہوا۔ انقلابیوں نے پہلے تو کچھ عرصہ نکولس دوم کو قید رکھا اور بعد ازاں 16 جولائی 1918ء کو اہل خانہ کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس قتل کے نتیجے میں روس سے زار شاہی کا آخری نمائندہ بھی رخصت ہوا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

کے خلاف ایک مظاہرے کی قیادت کی اور اسی روز پولیس کی لاٹھیوں کی وحشیانہ مار سے شدید زخمی ہوئے۔ 17 نومبر 1928ء کو انہیں چوٹوں کی وجہ سے وفات پائی۔

لالہ لاجپت رائے کا شمار ہندوستان کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والے ممتاز ترین رہنماؤں میں ہوتا ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

ایکٹ کے نفاذ کے نتیجے میں جو شخصی آزادی کا قاتل قانون تھا، جب جلیانوالہ باغ کا سانحہ پیش آیا تو ہندوستان بھر میں شدید ردعمل ہوا۔ ان ایام میں انہوں نے تمام مذاہب اور فرقوں کے ہندوستانیوں کو متحد کرنے میں دن رات ایک کر دیا اور بعد ازاں آزادی کے لئے جو تیز رفتار جدوجہد ہوئی اس کا ایک بنیادی محرک گاندھی جی کا یہ کردار بھی تھا۔

ان کے تحریکی پروگرام کے اہم مقاصد میں متحدہ ہندوستان کی آزادی اور چھوت چھات کا انسداد سرفہرست تھے۔ کرم چند گاندھی نے مختلف مواقع پر تحریک سول نافرمانی کی قیادت کی، دو مرتبہ اکیس اکیس دن کا اور دو مرتبہ مرن برت رکھا۔ 1931ء کی گول میز کانفرنس میں کانگریسی نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ تحریک آزادی میں سرگرم شمولیت اور رہنمایانہ کردار کے باعث کئی بار جیل کاٹی۔ 1942ء میں ان کی قیادت میں ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک چلی جس میں قائداعظم محمد علی جناح کی ہدائت پر مسلمانوں نے شرکت کرنا پسند نہ کیا۔ انہی دنوں گاندھی نے ہندو مسلم اختلافات کے خاتمے کی بھی مقدور بھر کوشش کی جو ناکام رہی۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد جب لارڈ ویل کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن آخری وائسرائے ہند کے طور پر ہندوستان آیا تو گاندھی جی نے انگریزوں اور مسلم لیگ کے ساتھ مذاکرات میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ ان کی بھرپور کوشش تھی کہ پاکستان کا قیام عمل میں نہ آئے لیکن آخر کار 14اگست 1947ء کو جب خدا کے فضل و کرم سے یہ ہو گیا اور اگلے ہی دن ہندوستان کی آزادی کا اعلان ہوا تو گاندھی جی ماضی کو یکسر بھول کر فسادات کی زد میں آئے لوگوں کی مدد پر کمربستہ ہو گئے۔ انہوں نے ہندو مسلم فسادات کی روک تھام کے لئے مختلف علاقوں کے دورے بھی کئے۔ دہلی میں ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود بھی جب مسلمانوں پر ظلم و ستم بند نہ ہوا تو انہوں نے مرن برت رکھ لیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ''آزادی ہند'' میں نہایت پراثر انداز میں ان واقعات کو قلمبند کیا ہے۔ ان کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کی ابتدائی حکومت کے وزیر داخلہ پٹیل مسلمانوں کے متعلق گاندھی جی کے ہمدردانہ خیالات سے ناراض تھے اور اسی باعث ایک دو بار انہوں نے گاندھی جی کے ساتھ گستاخانہ روئیہ بھی اختیار کیا۔ اس تحریر میں گاندھی کی موت میں کسی نہ کسی حد تک پٹیل کے ملوث ہونے کی طرف بھی اشارے ملتے ہیں۔

30جنوری 1948ء کو ایک انتہا پسند ہندو ناتھورام گاڈسے نے گاندھی جی کو اس وقت گولی مار کر ہلاک کر دیا جب وہ معمول کے مطابق اپنی قیام گاہ کے باغیچے میں حاضرین کی

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

مہاتما گاندھی

عہد حیات: 1869ء ۔ 1948ء

عدم تشدد کے نظریئے کو ایک عقیدے کی شکل دینے والے مقتول ہندوستانی رہنماء۔ جی ایم سید نے انہیں دنیا کے بلند پایہ سیاسی مدبروں میں شمار کیا ہے

ہندوؤں کے باپو گاندھی جی 12 اکتوبر 1869ء کو کاٹھیاواڑ کی راجکوٹ ریاست کے پور بندر شہر میں پیدا ہوئے۔ ان کا پورا نام موہن داس کرم چند گاندھی تھا۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم مقامی اور ملکی سطح پر حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ستمبر 1887ء میں انگلستان روانہ ہوئے۔ چار سال وہاں رہ کر بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے بعد 1891ء میں ہندوستان لوٹے۔

''جدید سیاست کے نورتن'' میں جی ایم سید لکھتے ہیں کہ گاندھی جی اپریل 1893ء کو جنوبی افریقہ گئے اور وہیں مقیم رہ کر وکالت کا آغاز کیا۔ تقریباً 1900ء میں وکالت ترک کر کے جنوبی افریقہ میں مقیم اپنے ہم وطنوں کے حقوق کے لئے آواز اٹھائی جنہیں امتیازی قوانین کی سختی کا سامنا تھا۔ 1905ء کے بعد مغربی طور طریقے ترک کر دیے اور انتہائی سادہ لباس اختیار کیا جو تہبند کرتے اور پگڑی سے مختصر ہو کر صرف لنگوٹ کی صورت اختیار کر گیا۔ سردیوں کی آمد کے ساتھ ہی اس میں ایک کمبل کا اضافہ ہو جاتا تھا۔

9 جنوری 1915ء کو گاندھی جی اپنی بیگم کشور بائی کے ساتھ بمبئی، ہندوستان واپس آئے۔ اس زمانے میں انہوں نے برصغیر کی جلد آزادی کی امید میں پہلی عالمی جنگ کے دوران میں برطانیہ کی حمایت کی۔ لیکن جنگ کے خاتمے پر آزادی ہنوز دور نظر آئی تو 1919ء سے برطانوی راج کے خلاف پرامن عدم تعاون اور ستیہ گرہ کی تحریک شروع کی۔ رولٹ

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

RASPUTIN GRIGORI
"MAD MONK"

راسپوٹین

عہد حیات: 1871ء۔ 1916ء

"گناہ کے ذریعے نجات" کا پرچارک، جسے ولی بھی کہا گیا اور شیطان بھی۔ وہ کہتا تھا کہ میرے ایک ہاتھ میں کلیسا اور دوسرے میں روس کی حکومت ہے۔ دنیا بھر میں وہ جنسی بے راہروی کی علامت ہے، اور رہے گا

راسپوٹین کو کون نہیں جانتا۔ جنسی بے راہروی کی تاریخ اس طلسمی شخصیت کے ذکر کے بغیر کبھی مکمل نہیں کہلا سکتی۔ وہ ایک اجڈ اور جاہل دیہاتی تھا۔ انتہاء درجہ کی عیاری، مکاری، عیاشی اور اوباشی اس کی سرشت میں شامل تھی۔ شاید خالق ازلی نے اس کی ترکیب ہستی میں دیگر صفات کے علاوہ جنسی وحشت کا جوہر بھی رکھ چھوڑا تھا۔ اس کی اسی جنسی وحشت نے بعد ازاں ایسے گل کھلائے کہ شرم و حیا اور انسانیت کا جنازہ نکال کر رکھ دیا۔ وہ اتنا غلیظ تھا کہ تازہ ہوا اس کے جسم سے ٹکرا کر بدبو بن جاتی تھی۔ چرب زبانی تو جیسے اسے گھٹی میں ملی تھی۔ جب وہ بولتا تھا تو مخاطبین اور معترضین کو محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ان کی زبانیں گنگ ہو گئی ہوں۔ راسپوٹین کی شخصیت کے تمام منفی اور قابل نفرت پہلوؤں کے باوجود اس کے عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ راسپوٹین خدا کا سچا "ولی" اور "حامل روح القدس" ہے۔ مخالفین اسے انسان کے روپ میں شیطان سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک عیاش اور بدکار خدا کا ولی کیسے ہو سکتا ہے۔

محمد یونس حسرت "سات خبیث آدمی" میں اس کی داستان کچھ یوں شروع کرتے ہیں:
راسپوٹین کا اصلی نام گریگوری افیمیووچ راسپوٹین یا گریگوری یوفیمیوچ راسپوٹین تھا۔
اسے پیار سے گریشا کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ وہ 1871ء میں روس کے علاقہ سائبیریا کے ایک

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

ایک مجلس سے مخاطب ہونے والے تھے۔ یوں عدم تشدد کے نظریئے کو ایک مضبوط عقیدے کی شکل دینے والے عظیم ہندوستانی رہنماء کی زندگی ایک تشدد پسند کے ہاتھوں ختم ہوگئی جوان کی مسلمان اور پاکستان دوستانہ سوچ کو ناقابل برداشت اور ناقابل قبول سمجھتا تھا۔

مرتضیٰ انجم "عالمی سیاسی لیڈروں کے قتل" نامی کتاب میں لکھتے ہیں کہ گوڈسے کو اپنے ایک اور ساتھی کے ہمراہ گاندھی جی کو قتل کرنے کے جرم میں پھانسی کی سزا ہوئی اور اس عمل میں اعانت کرنے والے تین آدمیوں کو عمر قید کا حکم سنایا گیا۔

ہندوستانیوں نے گاندھی جی کی زندگی میں ہی انہیں "مہاتما" کا خطاب دے دیا تھا جو موت کے بعد ان کے نام کا ناگزیر حصہ بن گیا۔ ان کا قتل آزاد ہندوستان کی تاریخ کا اہم ترین قتل ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

ایک میز موجود ہوتا جس پر بارہ عدد موم بتیاں جلائی جاتیں۔ ان موم بتیوں کے گرد نیم برہنہ مرد وزن والہانہ رقص شروع کر دیتے۔ رقص میں شامل ہر شخص ایک دوسرے کے پیچھے دائرے کی شکل میں ناچتا یا پھر اکیلا ہی گھومتا رہتا۔ رفتہ رفتہ اس جنسی رقص میں اس قدر تیزی اور شدت پیدا ہوتی کہ رقاص کائنات کی ہر چیز گھومتی محسوس کرتے۔ ان کے نزدیک یہی وہ وقت ہوتا جب خداوند ان کے درمیان آ کر گناہوں کی بخشش کا اعلان کرتا تھا۔

خدا کو اپنے درمیان محسوس کر کے اس رقص میں شامل لوگ ہوش و حواس سے بھی بیگانے ہو جاتے۔ ہر شخص پر وجد کی حالت طاری ہو جاتی۔ یہاں تک کہ برفانی راتوں میں بھی فرش پسینے کی وجہ سے گیلا ہو جاتا۔ صبح کے آثار نمودار ہوتے ہی وہ اپنی قمیض سینوں تک اٹھا لیتے اور پھر رفتہ رفتہ اسے بالکل اتار دیتے۔ رقص جاری رہتا۔۔۔ ننگے جسموں کا رقص۔۔۔ انسان کی جنسی بھوک کا رقص۔۔۔ اسے وہ نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ کچھ دیر بعد موم بتیاں بجھا دی جاتیں۔ اب تمام رقص کرنے والے عمر اور رشتہ کی قید سے بے نیاز ہو کر ایک دوسرے سے جنسی لذت حاصل کرتے۔ ان کا خیال تھا کہ مدہوشی کے دوران جنسی اختلاط کی حالت میں جب ان کا شعور اور ارادی قوت ختم ہوتی ہے تو غیر مرئی مقدس روح کا اثر ان تک پہنچنا شروع ہو جاتا ہے۔

اس فرقہ کی تعلیمات کے مطالعہ نے راسپوٹین کو بے حد متاثر کیا۔ اس کو یقین ہو گیا کہ گناہ کے ذریعے انسان نئی زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ راسپوٹین نے جنسی رقص کا مرد کامل بننے کے لئے اس فرقہ کے تمام عقائد کو بسر و چشم قبول کر لیا اور سالہا سال درخوتور کی خانقاہ میں گزارے۔ خلاستی فرقہ کی تمام تعلیمات و عقائد میں دسترس حاصل کرنے کے بعد وہ ماکاری نام کے ایک راہب سے ملا جو مذکورہ بالا خانقاہ سے کچھ فاصلہ پر واقع ایک جنگل میں رہتا تھا۔ ماکاری نے راسپوٹین کو ترک دنیا کا درس دیا اور اس پر عمل کرتے ہوئے اس نے سیلانی بننے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ کئی سالوں تک کشکول ہاتھ میں پکڑے اور روٹیوں کا تھیلا گلے میں لٹکائے گاؤں گاؤں گھومتا رہا۔۔۔ برس گزرتے رہے۔ وقت آگے بڑھتا رہا۔۔۔ راسپوٹین کی ماں بیٹے کی جدائی کو دل کا داغ بنا کر چل بسی۔۔۔ بوڑھا باپ صرف گرجا گھر کا ہو کر رہ گیا۔۔۔ خوبصورت بیوی کا چہرہ، کرب اور انتظار کی جھریوں کی لپیٹ میں آ گیا۔۔۔ بچے بچپن سے نکل کر لڑکپن کی حدود میں داخل ہو گئے۔۔۔ لیکن پردیسی اور سیلانی راسپوٹین گھر سے نکل کر دوبارہ واپس آنا ہی بھول گیا تھا۔

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

گاؤں پوکروودوسکی میں پیدا ہوا۔

راسپوٹین کے باپ کا نام افیم اینڈری وچ اور ماں کا نام اینا ایگورونا تھا۔ گلیوں میں گھومنے کے قابل ہوا تو راسپوٹین اپنے علاقے کا سب سے زیادہ وحشی، بدتمیز اور شریر لڑکا قرار دیا گیا۔ بلوغت کی حدود میں داخل ہونے پر اس کی صفات میں آوارگی، عیاشی اور بداخلاقی کا بھی اضافہ ہوگیا۔ وہ دن بھر کھیتوں میں کام کرتا، رات کو شراب پیتا، جواء کھیلتا اور لڑکیوں کا پیچھا کرتا۔ ان دنوں پوکروودوسکی گاؤں میں ایک میلہ منعقد ہوا کرتا تھا۔ اسی میلے میں راسپوٹین کی ملاقات کالی آنکھوں والی گوری لڑکی اسکودیا فیڈ رونا سے ہوئی۔ راسپوٹین اس پر سو جان سے فدا ہوگیا۔ آخرکار اسکودیا اور راسپوٹین کی شادی ہوگئی لیکن یہ شادی بھی اس کی آوارگی اور بدقماشی پر اثرانداز نہ ہوسکی۔ وہ شادی کے بعد بھی گاؤں کا عیاش ترین نوجوان تھا۔

راسپوٹین نے جوان ہو کر اپنا آبائی پیشہ اپنایا۔ وہ اپنے باپ کی طرح گھوڑا گاڑی پر مسافروں اور سامان کو لے کر دور دراز علاقوں میں جاتا۔ اس کے ساتھ اکثر سیاح اور مذہبی مبلغ بھی سفر کرتے۔ جن سے وہ خدا اور کلیسا کے موضوع پر ایسے دلائل کے ساتھ بحث کرتا کہ بڑے بڑے عالم منہ دیکھتے رہ جاتے۔ ان میں سے اکثر اس کے مذہبی شعور کو تسلیم کرتے ہوئے اسے کسی درسگاہ میں داخلہ لینے کا مشورہ دیتے۔ انہی مشوروں کے زیراثر آخر ایک دن راسپوٹین ''درخوٹور کی درسگاہ'' میں داخل ہوگیا۔ اس وقت اس کی عمر 33 سال تھی۔

درخوٹور کی خانقاہ کے پیروکاروں کو ''خلسطی'' یا ''خلائسطی'' کہا جاتا تھا۔ اس درسگاہ میں تعلیم پانے والوں کا عقیدہ تھا کہ انسان کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو، خلائسطی فرقہ کے مخصوص ضابطوں کو اپنانے سے دنیا ہی میں جنت پالیتا ہے۔ اس فرقے کا بانی ڈینیلا فلیچ تھا، عیسائیت کا پیروکار ہونے کے باوجود وہ بہت سی خودساختہ عبادات اور من گھڑت نظریات کا زبردست مبلغ تھا۔

اس فرقے کے پیروکاروں کے خفیہ مسکن، جن میں ''کرامات'' کا ظہور ہوتا تھا عام جھونپڑیوں کی شکل کے ہوتے تھے۔ ہر ہفتہ کی شام مرد و زن ان عبادت گھروں میں جمع ہوتے۔ مرد دائیں جانب اور عورتیں بائیں جانب بیٹھتی تھیں۔ پھر ان میں سے ایک افضل ترین مرد اور ایک افضل ترین عورت کا انتخاب کیا جاتا۔ حاضرین انہیں مسیح اور کنواری مریم کا درجہ دیتے۔ صدر مجلس کی اجازت سے ابتداء میں گانا گایا جاتا جو مذہبی نوعیت کا ہوتا تھا۔ بعد ازاں تمام مرد اور عورتیں اپنے کپڑے اتار کر صرف لٹھے کی ایک قمیض پہن لیتے۔ وسط میں

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

"میں تمہیں جو مسرت بخش پیغام دینا چاہتا ہوں، وہ ہے گناہوں کے
ذریعے نجات کا راستہ۔ گناہوں میں سرتاپا غرق ہو جاؤ تاکہ گناہ ہار
مان جائے اس کے بعد جنت تمہارے قدموں میں ہو گی۔"

اس تقریر کو ختم کر کے وہ گھر میں داخل ہونے کی بجائے قریبی دریا تورا کے کنارے ٹہلتا ہوا لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

کچھ دنوں بعد وہ علوم الٰہیہ کی اکیڈمی میں مسئلہ تثلیث پر طلباء کے دقیق اور پیچیدہ سوالات کے جواب دے رہا تھا۔ اکیڈمی کا ڈائریکٹر فیوفان اس کے اسلوب اور طرز بیان سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے راسپوٹین کو لارڈ بشپ ہرموگن سے ملوایا۔ جہاندیدہ ہرموگن نے پہلی ہی ملاقات میں بھانپ لیا کہ عوامی سطح پر بے حد مقبول راسپوٹین کے ذریعے روسی سیاست میں مغرب کے بڑھتے ہوئے اثرات کے خلاف کلیسا کی جنگ جیتی جا سکتی ہے۔ چنانچہ وہ اسے ٹرورشین پیوپل پارٹی کے حامی اور شعلہ نوا خطیب ایلیوڈر کے پاس لے گیا۔ ایلیوڈر کی کوششوں سے راسپوٹین کو رجعت پسندانہ نظریات کی حامل شہنشاہیت پسند اور نہایت طاقتور جماعت ٹرورشین پیوپل پارٹی کا مرکزی ممبر چن لیا گیا۔ یوں وہ روس کی سیاست میں داخل ہوا۔

آہستہ آہستہ راسپوٹین کی ماورائی طاقتوں، روحانی کرشموں اور ولایت کے قصے روس بھر میں مقبول ہو گئے اور نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ روس کا شہرہ آفاق بزرگ، زاہد اور عابد جان آف کرونسٹڈٹ بھی اس غلیظ دیہاتی آوارہ گرد کا مداح ہو گیا۔ اب تو انتہا ہو گئی--- لاتعداد لوگ پاگلوں کی طرح اس کے ہاتھ چومتے اور قدموں میں ڈھیر ہوتے رہتے--- یہ روز کا معمول تھا۔ اب اس کی کرامات کے چرچے گلی کوچوں سے اٹھ کر زار روس کے محل تک پہنچ چکے تھے۔

اتفاق سے ان دنوں زار روس نکولس دوم اور زارینہ الیکس، جسے سن شائین کے نام سے پکارا جاتا تھا، مسلسل غم و اندوہ اور حوادث کی زد میں تھے۔ زار حکومت کے خلاف احتجاج تیز ہوتا جا رہا تھا، زارینہ یکے بعد دیگرے چار لڑکیاں پیدا کر چکی تھی، آخرکار جب اس نے ہاں سلطنت کا وارث شہزادہ الیکسی پیدا ہوا تو وہ ہیموفیلیا جیسے موذی مرض کا شکار ہو گیا۔ اس خبر نے زار اور زارینہ کو تڑپا کر رکھ دیا۔ بہت علاج ہوئے مگر الیکسی دن بدن کمزور ہوتا چلا گیا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب راسپوٹین سینٹ پیٹرز برگ میں تھا۔ ہوا یوں کہ پہلے ہی سے بیمار اور نحیف و نزار ولی عہد الیکسی کھیلتے ہوئے چوٹ لگنے کے باعث داخلی جریان خون کا

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

ان دنوں روس میں خدا رسیدہ سیلانیوں کی خوب آؤ بھگت ہوا کرتی تھی۔ ہر گھر میں عموماً ایک تہہ خانہ بنا ہوتا، جسے اہل خانہ کسی سیلانی زاہد کی متوقع آمد کے پیش نظر سادگی سے آراستہ کیے رکھتے تھے۔ ایسا ہی ایک تہہ خانہ راسپوٹین کے گھر میں بھی تھا۔۔۔ مدت کے بعد اس تہہ خانے میں اسی گھر کا ایک شخص۔۔۔ ایک مسافر۔۔۔ ایک سیلانی قیام کرنے والا تھا۔

شاہد مختار "راسپوٹین" نامی اپنی کتاب میں اس داستان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں:

اچانک ایک دن راسپوٹین نے اپنے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پٹ وا ہوئے اور ساتھ ہی اہل خانہ کی مسرت انگیز چیخوں نے سر اٹھا کر بستی والوں کو متوجہ کر لیا۔ اس کا باپ، بچے اور بیوی اس راسپوٹین کو پہچان رہے تھے جو انہیں چھوڑ کر گیا تھا لیکن بہت جلد ان سب کو احساس ہو گیا کہ ہم لاحاصل کی جستجو میں ہیں۔ یہ درویش ہم سے کوئی سروکار نہیں رکھتا کیونکہ اس نے ہمارے راسپوٹین کو اپنے ہی اندر کہیں دفن کر کے یہ نئی صورت اختیار کی ہے۔ راسپوٹین نے پادریوں کے سے انداز میں ہاتھ بلند کر کے سب کو دعا دی اور تہہ خانہ میں چلا گیا۔ وہاں جا کر اسے اپنے آپ کی بھی خبر نہ رہی۔ وہ روتا، چیختا، چلاتا، کانپتا اور مسلسل اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوا ایک ہی فقرہ دہرائے جا رہا تھا: "او معبود! ہم پر رحم کر۔" گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے راسپوٹین کی اس حالت سے اس کے گھر والے اور اہل علاقہ تو کیا مقامی گرجے کا پادری فادر پیٹر بھی شدید متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ لیکن وہ چونکہ کلیسائی نظام کا حصہ تھا اور مسیحی پیشوا راسپوٹین کی سرگرمیوں کو اپنے لئے خطرناک قرار دے رہے تھے لہٰذا اسے بھی راسپوٹین کو جادوگر کہہ کر اس کی مخالفت کرنا پڑی۔ لیکن یہ مخالفت برائے نام اور غیر موثر تھی کیونکہ راسپوٹین کی پراسرار طاقت تیزی سے گرد و نواح کے باشندوں کو اپنے سحر میں جکڑ رہی تھی۔ حتیٰ کہ نہایت مختصر مدت میں دور دراز سے روزانہ بہت سے لوگ اپنی مرادیں مانگنے ایفم کے گھر آنے لگے۔ یہ صورتحال دیکھ کر فادر پیٹر نے حکومت کو ایک طویل رپورٹ بھیجی جس میں راسپوٹین پر "خلاستی" فرقہ کا پیروکار اور عیسائیت کا دشمن ہونے کے الزامات عائد کئے گئے تھے۔ حکومت نے تحقیقاتی کمیشن قائم کیا لیکن نتیجہ صفر رہا۔ اس کی وجہ لوگوں میں راسپوٹین کی تیزی سے بڑھتی ہوئی مقبولیت تھی۔ عام لوگ بصد عقیدت اسے "فادر گریگوری" کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ تین ہفتوں کی سخت ترین چلہ کشی اور ریاضت کے بعد وہ اپنے گھر کے تہہ خانہ سے نکلا۔ نعروں کے شور اور لوگوں کے ہجوم میں اس نے اپنا پہلا مذہبی خطبہ دیتے ہوئے کہا:

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

کے اس ''عیاش ولی'' کی ہوس کے گھاٹ اترتی رہیں۔ زارینہ سب کچھ دیکھتی مگر یقین نہ کرلیتی وہ اپنی اندھی عقیدت کے ہاتھوں مجبور تھی۔ لیکن زار روس کے محل کی یہ سرگرمیاں زیادہ دیر تک راز نہ رہ سکیں۔ چند ہی مہینوں کے اندر راسپوٹین کی جنسی بدمعاشیوں کے تذکرے سینٹ پیٹرز برگ کے ہر فرد کی زبان پر آ گئے۔ راسپوٹین کی جنسی سرگرمیاں اتنی وسیع اور تیز تھیں کہ خفیہ پولیس کے ایجنٹوں کی سب سے بڑی مصروفیت ان کا ریکارڈ رکھنا ہی رہ گئی۔ شاہی محل تک رسائی پانے کے بعد چند ہی برسوں میں اس ''مقدس ولی'' کے جنسی تعلقات کے بارے میں درجنوں یا سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں رپورٹیں خفیہ پولیس کے اہلکاروں کی طرف سے زار کو ارسال کی گئیں۔ یہ قصے سنتے سنتے زار کے کان پک چکے تھے۔ چنانچہ اس نے شاہی محل میں راسپوٹین کا داخلہ بند کر دیا لیکن زارینہ بعد میں بھی عقیدت کے باعث اپنی ایک سہیلی اینا وائرو بووا کے محل میں ''مسیما'' سے ملاقاتیں کرتی رہی۔ جن عورتوں کے ساتھ راسپوٹین کے جنسی اختلاط کا سلسلہ چل رہا تھا ان میں شہزادیاں، اداکارائیں، وزراء کی بیگمات، جرنیلوں کی بیویاں، خادمائیں، کسان عورتیں اور خانہ بدوش خواتین تک شامل تھیں۔ مداح عورتیں اس کے میلے لباس کو چومتیں، گندے ہاتھوں کو بوسہ دیتیں، کھانے میں لتھڑی انگلیاں چاٹنے کے لئے آپس میں لڑتیں، اس کھینچا تانی میں ان کے کپڑے تار تار ہو جاتے لیکن وہ کھانے کے دوران راسپوٹین کی نوچی ہوئی ہڈیاں تک چوسنے کے لئے مرنے مارنے پر تل جاتیں۔ ان میں سے جنہیں راسپوٹین چاہتا اپنے ساتھ لے جاتا۔ اکثر نوجوان لڑکیاں یا خوبرو عورتیں جب اس کے کمرے سے نکلتیں تو جوش مسرت سے ان کے چہرے دمک رہے ہوتے۔ مگر کچھ ایسی بھی ہوتیں جو خوفناک انداز میں چیختی ہوئی باہر آتیں لیکن ان کی زبان بند کرنے کے لئے خفیہ پولیس موجود تھی۔ لہٰذا راسپوٹین کا جنسی کھیل جاری رہا۔ جب تک زارینہ اس کی مٹھی میں تھی کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا کیونکہ زار زارینہ کے زیر اثر تھا اور زارینہ راسپوٹین کی مداح۔ یوں اس نے بالواسطہ طور پر سیاسی فیصلوں اور ریاستی امور میں بھی مداخلت شروع کر دی۔ بیسویں صدی کی آخری دہائی تک راسپوٹین روس کا نہ صرف خبیث ترین بلکہ مقتدر ترین فرد بھی بن چکا تھا۔

1911ء میں ایک ان پڑھ پادری کے تقرر کے معاملہ پر ترور شین پیوپل پارٹی نے راسپوٹین کی حمایت سے دست کش ہونے کا فیصلہ کیا۔ رجعت پسندوں نے اپنا ہتھیار ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر اس کے خلاف محاذ بنا لیا۔ راسپوٹین جوابی چال چلتے ہوئے مقامات مقدسہ کی زیارت کو چلا گیا۔ اس واقعہ نے زارینہ کے دل میں اس کی عقیدت کو مزید گہرا کر دیا اور زار

شکار ہو گیا۔ درد اس کے ناتواں بدن کو چاٹے جا رہا تھا اور ملک بھر کے معالج بے بس تھے۔ کوئی علاج کارگر نہ ہو رہا تھا۔ ولی عہد کی کمزوری موت کی نقیب بنتی چلی جا رہی تھی۔

فادر فیوفان کے ذریعے راسپوٹین نے زارینہ کی دوست شانا کے محل تک رسائی حاصل کی۔ شانا نے زارینہ سے اس ولی کامل کا ذکر کیا۔ زارینہ نے زار روس نکولس دوم سے بات کی اور وہ بیٹے کی زندگی کی امید میں اس بات پر تیار ہو گیا کہ راسپوٹین محل میں آ کر ولی عہد کا علاج کرے۔

راسپوٹین کو خفیہ طور پر ایک بغلی راستے سے شاہی محل میں لایا گیا۔ اس نے زار اور زارینہ کو باری باری گلے لگایا اور ان کا ایک ایک بوسہ لے کر بیمار ولی عہد پر جھک گیا: ''گھبراؤ مت! بالکل تندرست ہو جاؤ گے۔'' ولی عہد الیکسی نے اجنبی کی آواز سنی اور فوراً بیہوشی سے ہوش میں آ کر مسکرانے لگا۔ یہ پہلی کرامت تھی۔ راسپوٹین نے اس کے جسم پر ہولے ہولے ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ درد غائب ہو گیا۔ بچے کے زرد ہونٹ گلابی مائل ہونے لگے۔ یہ دوسری کرامت تھی۔ راسپوٹین نے اسے مخاطب کیا اور وہ کہنے لگا: ''میں تمہیں نہیں جانے دوں گا، مجھ سے باتیں کرو۔'' یہ تیسری کرامت تھی۔ زار اور زارینہ راسپوٹین کے مداح بن گئے۔ وہ رخصت ہوا تو زارینہ نے فرط عقیدت سے اس کا ہاتھ چوم لیا۔ راسپوٹین بولا: ''میری دعاؤں کی طاقت پر یقین رکھو۔ تمہارا بچہ زندہ رہے گا۔'' اس کے بعد بھی وہ محل میں آتا رہا۔ یہاں تک کہ ہر کوئی اس کا عادی ہو گیا۔ ولی عہد کو اس کے بغیر ایک پل بھی چین نہ آتا تھا، یہی حال زار اور زارینہ کا تھا جو ہر رات اسے بوسہ دینے کی ناگوار زحمت محض اپنے بیٹے کے لئے اٹھاتے تھے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ ولی عہد کی دوستی نے راسپوٹین کو روس کے شاہی گھرانے کا ہی ایک رکن بنا دیا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ پراسرار ولی سب کے دل و دماغ پر چھا گیا۔ پورا شاہی خاندان اس کے ہاتھوں کھلونا بن گیا، شہنشاہ کی لڑکیاں اسے اپنا راز دار سمجھتی تھیں، وہ زار اور زارینہ سے درشت لہجے میں بات کرتا، آدھی رات کے وقت شہزادیوں کی خواب گاہوں میں چلا جاتا، زار اور زارینہ کے نجی کمرے کا دروازہ پاؤں کی ٹھوکر سے کھولتا اور آداب شاہی کا لحاظ کئے بغیر ان سے مخاطب ہوا کرتا۔ اس کے باوجود زارینہ اس کے کپڑے خود سیتی اور کھانے کے لقمے توڑ توڑ کر اس کے منہ میں ڈالتی کیونکہ وہ اس کے ولی عہد بیٹے کا مسیحا تھا۔

اس دوران لمحہ بھر کو بھی شیطان صفت راسپوٹین ''گناہ کے ذریعے نجات'' کے اپنے فلسفے کو نہیں بھولا تھا۔ شاہی خاندان کی نوجوان لڑکیاں اور خوبصورت خادمائیں ایک ایک کر

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

تھی جس میں راسپوٹین کے علاوہ اس وقت کا روسی وزیر داخلہ خوستوف اور پولیس کا سربراہ بلیٹسکی شامل تھا۔ موخرالذکر دونوں عہدیدار کچھ عرصہ بعد بعض اختلافات کی وجہ سے راسپوٹین کے خلاف سرگرم عمل ہوئے لیکن جلد ہی برطرفی ان کا مقدر بن گئی۔ انہی ایام میں ٹروسٹین پیوپل پارٹی کے کچھ کارندوں نے بھی اس ''مکار ولی'' کی جان لینے کی کوشش کی لیکن گولیوں کی بوچھاڑ میں بھی راسپوٹین معجزانہ طور پر محفوظ رہا۔ اس کے بعد ہرموگن اور فادر فیوفان نے اس پر دو دفعہ ناکام حملہ کروایا۔ نتیجہ میں دونوں کو جلاوطن ہونا پڑا۔ یاد رہے کہ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے راسپوٹین کو زار کے محل تک پہنچایا تھا۔

اگرچہ یہ ناکام حملے تھے لیکن ان کا مطلب یہ تھا کہ دشمنوں کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا ہے ___ اور یہ گھیرا اس وقت مزید تنگ ہو گیا جب راسپوٹین نے کھلے عام اس امر کی وکالت شروع کر دی کہ روس کو جرمنی کے ساتھ گفت و شنید کر کے جنگ ختم کر دینی چاہیے۔ ایسے خیالات روس کے علاوہ اس کے اتحادیوں کے لئے بھی ناقابل برداشت تھے لہٰذا راسپوٹین کے ملکی دشمنوں میں غیر ملکی حریفوں کا بھی اضافہ ہو گیا جن میں برطانیہ اور فرانس کے سفیر پیش پیش تھے۔

اس مرحلے پر ایک خوبصورت اور نوعمر روسی امیر زادے پرنس فیلکس یوسو پوف نے روس کو راسپوٹین جیسے شیطان کے وجود سے پاک کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس کے متوفی بھائی کی خوبصورت منگیتر مونیا بھی مکار ولی کی جنسیت کا شکار ہو چکی تھی اور آئندہ محتاط رہنے کی بجائے اب بھی اس کی مداح تھی۔ یہ بات ہر وقت فیلکس کا سینہ جلاتی تھی۔ پرنس نے مونیا ہی کے ذریعے راسپوٹین سے مزید تعلق پیدا کیا۔ راسپوٹین بھی اس کی طرف رغبت سے بڑھا کیونکہ اس کی بیوی ڈچس آئرینا نہایت حسین و جمیل شہزادی تھی اور راسپوٹین مدت سے اس پر آنکھ رکھے ہوئے تھا۔ پرنس فیلکس نے ایک ملاقات میں پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے مطابق راسپوٹین سے کہا کہ وہ اس کی بیمار بیوی آئرینا کو دیکھنے آئے۔ اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں۔ راسپوٹین جھٹ تیار ہو گیا۔ 16 دسمبر 1916ء کی شام فیلکس راسپوٹین کو اپنے ہمراہ گھر لایا۔

آتے ہی اسے زہریلی شراب پلائی گئی، پھر زہریلے کیک پیش کئے گئے۔ راسپوٹین سب کچھ چٹ کر گیا اور شراب کی ترنگ میں جلد از جلد آئرینا سے ملنے پر اصرار کرنے لگا۔ اسی دوران پرنس اور اس کے ایک ساتھی ڈیوک پیولووچ نے نیم مدہوش راسپوٹین کے جسم میں اپنے ریوالوروں کی تمام گولیاں اتار دیں۔ لیکن اب بھی درندہ پوری طرح نہیں مرا تھا۔ پرنس

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

بھی دوبارہ اس کی قدرومنزلت تسلیم کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ مقامات مقدسہ کی زیارت سے واپسی پر اگرچہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا لیکن اب شاہی دربار میں ہر کسی کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ روس کا اصل اقتدار انتہائی خطرناک حد تک سائبیریا کے اس دہقان ساحر اور ''اوباش ولی'' کے ہاتھوں میں سمٹتا چلا جا رہا ہے۔ اس موقع پر وزیر اعظم کوکودسوف نے زار کو بہ ہزار مشکل راسپوٹین کی کارستانیوں سے آگاہ کیا اور بادل نخواستہ زار نے راسپوٹین کو شاہی محل چھوڑ کر اپنے آبائی گاؤں میں چلے جانے کا حکم دیا۔ راسپوٹین کو حکم تو ماننا پڑا لیکن جاتے ہوئے اس نے کہا:

> ''تم بدخواہوں کے بہکاوے میں آ گئے ہو۔ اگر تم نے ان کی باتوں پر کان دھرا تو نہ صرف ولی عہد بلکہ تاج و تخت سے بھی چھ ماہ کے اندر اندر محروم ہو جاؤ گے۔''

راسپوٹین کے جانے کے بعد زار اہل خانہ سمیت سیر و شکار کے لئے پولینڈ گیا۔ ولی عہد الیکسی ایک جھیل میں کشتی کی سیر کر کے کنارے پر اتر رہا تھا کہ پاؤں پھسلنے سے گر پڑا اور ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اب اس کا بچنا محال تھا۔ ملک بھر میں دعائیں شروع ہو گئیں۔ ضعیف الاعتقاد زارینہ نے خفیہ طور پر راسپوٹین کو تار دیا۔ تار کا فوری جواب آیا۔ زارینہ نے جوابی تار ولی عہد کو دکھایا تو چند گھنٹے کے اندر اس کا بخار اتر گیا، درد غائب ہو گیا اور حیرت انگیز طور پر وہ پہلے کی طرح تندرست ہو گیا۔ اس غیر معمولی اور ناقابل یقین واقعہ سے زار اتنا متاثر ہوا کہ تمام تر مخالفتوں کے باوجود اس نے راسپوٹین کو واپس بلا لیا۔ اس کے بعد بھی ایک سنگین حادثہ کے بعد جاں بلب ولی عہد راسپوٹین کی دعا سے صحت مند ہوا تو زار دل و جان سے اسے خدا کا سچا ولی تصور کرنے لگا۔

اب صورتحال یہ تھی کہ ایک طرف راسپوٹین کی مٹھی میں روس کی حکومت تھی اور دوسری طرف شیطانیت کے تمام کاروبار۔ لیکن اپنی تمام تر اوباشی اور عیاشی کے باوجود وہ جنگ سے نفرت کرتا تھا۔ اس نے زار کو 1912ء کی جنگ بلقان میں شرکت سے باز رکھا اور پوری کوشش کی کہ جنگ عظیم اول میں روس شرکت نہ کرے۔ انہی دنوں ایک عورت نے راسپوٹین پر خنجر سے قاتلانہ حملہ کیا لیکن موت ابھی اس سے دور کھڑی مسکرا رہی تھی لہٰذا وہ محض زخمی ہوا اور کچھ دیر بعد دوبارہ صحت مند ہو گیا۔ 1916ء میں زار راسپوٹین کے منع کرنے کے باوجود جنگی کارروائیوں میں الجھ چکا تھا اور مسلسل ہزیمت اٹھانے کے باعث روسی عوام میں اس کے خلاف غم و غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس دوران روسی حکومت ایک شیطانی تثلیث کے ہاتھوں میں

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

ماتا ہری

عہد حیات: 1876ء۔ 1917ء

اس کا نام ذہن میں گونجتے ہی ایک ایسی فتنہ پرور، دشمن دین و دنیا اور لپکتی کوندتی حسین و مہ جبین عورت چشم تصور کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہے جو ناممکنات کے حل کو اپنے بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھتی ہے۔ ماتا ہری جیسی ذہین اور حسین جاسوسہ نہ پہلے کبھی ہوئی ہے نہ آئندہ ہو گی، یہ کسی فرد واحد کی نہیں بلکہ مجموعی رائے ہے

ماتا ہری ہالینڈ میں 1876ء کو پیدا ہوئی۔ اس کا اصل نام ”عظیم جاسوس خواتین“ کی مؤلفہ محترمہ توصیف اختر کے بقول مارگریٹا زیلی میکلوڈ تھا۔ اس نے کرنل میکلوڈ سے شادی کی جو اس کی طرح ہالینڈ سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ دونوں میاں بیوی شادی کے بعد انڈونیشیا چلے گئے اور 1901ء تک وہیں مقیم رہے۔ جاوا ان کا مستقل مسکن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ماتا ہری بعد ازاں ایک عرصہ تک خود کو جاوا کے ایک مندر کی رقاصہ کے طور پر متعارف کرواتی رہی۔ جاوا میں قیام کے دوران اس نے مقامی مذہبی، سماجی اور معاشرتی انداز زندگی کا اتنی ژرف نگاہی سے جائزہ لیا تھا کہ وہ بلا جھجک اسے اپنانے پر بھی قادر ہو چکی تھی، اسی باعث برسوں تک کسی کو اس کے جاوا سے متعلق بیانات کی صحت پر شک کرنے کا خیال تک نہ گزرا۔

1901ء کے بعد اس نے اپنے خاوند کو چھوڑ دیا اور یورپ چلی گئی۔۔۔ اب اس نے باقاعدہ طور پر ماتا ہری کا نام اختیار کر لیا۔ اس کی زندگی کا بڑا حصہ ایک طوائف کی طرح گزرا کیونکہ وہ مطلوبہ افراد تک پہنچنے، انہیں اپنے حق میں رام کرنے اور لمبے عرصے تک بطور مہرہ

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

اور اس کے معاون نے اسے ہاتھ جکڑ کر قریبی دریا میں پھینک دیا اور بہتے ہوئے یخ بستہ پانیوں نے اس وحشی جنسی درندے سے روس کو ہمیشہ کے لئے نجات دلا دی۔ 21 دسمبر 1916ء کو زار، زارینہ اور شاہی خاندان کے دیگر لوگوں کی موجودگی میں راسپوٹین کو پورے حکومتی اعزازات سمیت دفن کیا گیا۔ قاتل کم سے کم سزا کے طور پر جلا وطن کر دیئے گئے۔

راسپوٹین نے کہا تھا کہ اگر میں نہ رہا تو زار اور روس کی حکومت بھی نہیں رہے گی۔ اس کی موت کے صرف تین ماہ بعد ہی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ 15 مارچ 1917ء کو زار تخت سے دستبردار ہو گیا۔ انقلابیوں نے روس پر قبضہ کرنے کے بعد 23 مارچ کو راسپوٹین کی قبر کھودی، تابوت نکالا اور قریبی جنگل میں لے جا کر آگ کی نذر کر دیا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ روس کے عظیم ساحر، بیک وقت ولی اور شیطان اور لاکھوں لوگوں کے دلوں اور دماغوں پر حکومت کرنے والے راسپوٹین کا انجام اتنا بھیانک اور عبرتناک ہوگا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

لیون ٹراٹسکی

عہد حیات: 1879ء۔ 1940ء

1917ء کے انقلاب روس کا اہم رہنما، ترقی پسند ادیب اور مفکر، معروف شاعر اور باغی چے گویرا اس کے لاتعداد مداحوں میں سے ایک تھا

1879ء میں پیدا ہونے والا لیون ٹراٹسکی لینن کی زندگی میں اس کے بعد، روس کا دوسرا طاقتور ترین رہنماء تھا۔ لینن کی موت کے بعد جوزف سٹالن اس کا جانشین بنا اور ٹراٹسکی کو جلاوطن کر دیا گیا لیکن اس نے دیگر ممالک میں رہ کر بھی اپنے نظریات کی پاسبانی کا عمل جاری رکھا اور سٹالن کے خلاف آواز اٹھائی۔

ٹراٹسکی کا خاندانی نام لیو ڈوڈوچ برانسٹن تھا۔ سوشل ڈیموکریٹ کی حیثیت سے دو سالہ انقلابی سرگرمیوں میں اہم کردار ادا کرنے کی پاداش میں 1898ء میں اسے جیل بھیج دیا گیا۔ 1902ء میں وہ سائبیریا سے فرار ہو کر لندن پہنچا اور لینن سے ملاقات کی۔ لندن سے روس واپسی پر اسے دوبارہ حراست میں لے لیا گیا لیکن 1907ء میں وہ پھر فرار ہو گیا۔ دس سال تک اس نے انقلابی مفکر، مدبر اور ادیب کی حیثیت سے مغربی یورپ میں خدمات انجام دیں۔ پہلی جنگ عظیم میں اسے فرانس اور اسپین سے نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا اور وہ نیویارک چلا گیا۔

نیویارک میں 1917ء کو بالشویک انقلاب کے نتیجے میں آخری زار روس کی معزولی کی خبر سن کر وطن واپس گیا تو لینن نے اسے انقلابی حکومت کا پہلا وزیر خارجہ اور وزیر جنگ مقرر کیا۔ 1927ء میں اسے کیمونسٹ پارٹی سے نکال دیا گیا۔ اس واقعے کے دو سال بعد ٹراٹسکی میکسیکو میں مقیم ہوا اور وہیں 1940ء میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس جرم کو عموماً

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

استعمال کرنے کی خاطر اپنے قیامت خیز حسن اور نرم و گداز بدن کو ایک بھرپور اور کلیدی ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی تھی۔ وہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں، کلبوں اور نجی محافل میں پارے کی طرح تھرکتی، بجلی کی طرح رقص کرتی اور حصول مطلب کے بعد ''شکاروں'' کو تڑپتا چھوڑ کر غائب ہو جاتی۔ جاسوسی کے فن میں اس کا سب سے بڑا ہتھیار اس کا جسم تھا۔ نسوانی کشش تو گویا ماتا ہری میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جو بھی ''جاوا کے مندر کی رقاصہ'' کی اداؤں میں گرفتار ہو جاتا تب تک رہائی نہ پاتا جب تک رقاصہ خود اسے ''آزاد'' نہ کر دیتی۔

تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ وہ بیک وقت فرانس اور جرمنی کی خفیہ سروسز کے لئے کام کرتی رہی۔ یہ راز بہت دیر بعد کھلا کہ وہ ڈبل پے رول پر دونوں ملکوں کی محسن اور دونوں کی دشمن ہے۔ ماتا ہری کی گرفتاری اور انجام کے حوالے سے بعض لوگوں نے اسے ناکام جاسوسہ کا لقب بھی عطا کر رکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک افسانوی حیثیت کی حامل تھی اور ہے۔ اس کی عالمگیر شہرت و مقبولیت ہی اس کی غیر معمولی کامیابیوں کی دلیل ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ یہ کامیابیاں فرضی اور تصوراتی ہیں یا حقیقی اور ارضی۔

''دنیا کی نامور خواتین'' میں لکھا ہے کہ ماتا ہری دنیا کی پہلی خاتون ہے جس نے انتہائی اعلیٰ سطح پر جاسوسی کی اور اس جرم کی پاداش میں اسے قتل کر دیا گیا۔

یہ واقعہ پہلی جنگ عظیم کے دوران 1917ء میں پیش آیا۔ جب ماتا ہری کو فرانس میں سزائے موت سے ہمکنار کر دیا گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

مورٹز شلک

عہد حیات: 1882ء۔ 1936ء

اس نے فلسفیانہ افکار کا مرکز یعنی ویانا حلقہ تشکیل دیا جو علمی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس فلسفی کی موت کے المناک سانحہ کے بعد اس تنظیم کا خاتمہ ہو گیا

مورٹز شلک جرمنی کے شہر برلن میں 1882ء میں پیدا ہوا۔ اس کا خاندان چیک پروٹسٹنٹ گھرانوں میں نمایاں مقام کا حاصل تھا۔ یہ معروف فلسفی 18 برس کی عمر میں میکس پلانک کی زیر نگرانی برلن یونیورسٹی میں طبیعات کا مطالعہ کر رہا تھا۔ بعد ازاں 1904ء میں روشنی کے انعکاس سے متعلق ایک مقالہ پیش کیا جس پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔ کچھ دیر لیکچرار رہنے کے بعد 1911ء سے 1917ء تک روسٹرک یونیورسٹی میں ایسوی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ 1922ء میں شلک کو ویانا یونیورسٹی میں علوم منطقیہ کا پروفیسر بنایا گیا۔ انہی دنوں اس کی قیادت میں ویانا حلقہ تشکیل پایا جو فلسفیانہ افکار کا مرکز ہونے کے باعث دنیا بھر میں معروف ہوا۔

مورٹز شلک فکری طور پر لڈوگ وٹی جن سٹین کا بہت مداح تھا۔ اسے یہ فخر بھی حاصل ہے کہ وہ مذکورہ بالا عظیم دانشور کو دوبارہ فلسفے کی دنیا میں لوٹنے پر قائل کرنے میں کامیاب رہا۔ ویانا میں قیام کے دوران دو بار وزٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے امریکہ گیا۔ 1930ء میں ''مسائل اخلاقیات'' شائع ہوئی جو آج بھی دنیا بھر کے اہل علم لوگوں میں مقبول ہے۔ 1936ء میں کسی جگہ لیکچر دینے کی غرض سے جاتے ہوئے اسے ایک متعصب طالب علم نے قتل کر دیا جو ایک مرتبہ پہلے بھی اس پر قاتلانہ حملہ کر چکا تھا۔

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

سٹالن کے نامہ اعمال میں داخل کیا جاتا ہے۔ ٹراٹسکی اور اس کے خاندان کے علاوہ دیگر انقلابیوں پر سٹالنی دور میں کیا کیا مصائب اور عتاب نازل ہوئے؟ اس سوال کے تفصیلی جواب کے لئے ٹیڈ گرانٹ کی تصنیف ''روس: انقلاب سے رد انقلاب تک'' کا مطالعہ کیا جانا چاہیے جو ان المناک واقعات کے نتیجے میں تشکیل پانے والے منظر کو بھرپور فکری پس منظر اور پیش منظر کے ساتھ واضح کرتی ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

بینیٹو مسولینی

عہد حیات: 1883ء۔ 1945ء

ایک گمنام لوہار کے اس شہرئہ آفاق بیٹے کی فلاسفی کے مطابق کسی بھی کمزور شخص یا قوم کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ وہ اٹلی کی عورتوں کو بھی دفتری کلرک یا مردوں کی تسکین کے کھلونے نہیں بلکہ جانباز جرنیل، فاتح اور جنگجو دیکھنا چاہتا ہے

''داستان مسولینی'' میں خود مسولینی آپ سے اپنا تعارف کچھ یوں کرواتا ہے:

''میں 19 جولائی 1883ء کو درانوڈی کاسٹا میں پیدا ہوا۔۔۔ میرا شجرہ نسب آسانی سے مل جاتا ہے۔۔۔ انیسویں صدی میں تو ہمارے خاندان کا صاف پتہ چلتا ہے۔ میرے دادا فوج میں لیفٹیننٹ کے عہدے پر ممتاز تھے۔ میرے والد لوہار کا کام کرتے تھے۔۔۔ ہمارے پڑوسیوں نے ان کا نام السنڈ ور رکھ دیا تھا۔۔۔ میری والدہ کا نام روزا تھا۔۔۔ میں ان کو ناراض کرنے سے بہت ڈرتا تھا۔۔۔ سب سے پہلے میں نے الف، بے سیکھی۔۔۔ پھر مجھے مدرسے جانے کا خیال ہوا۔ مدرسہ میرے گھر سے دو میل کے فاصلے پر تھا اور پھر یدا پیو کے مقام پر تھا۔۔۔ میرے والد کے ایک دوست جن کا نام مارانی تھا، ہمارے استاد تھے۔۔۔ مدرسے کی سب سے اوپر کی جماعت پاس کرنے کے بعد مجھے والدین نے بورڈنگ اسکول میں بھیج دیا۔۔۔ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ میں اپنے والد کے ساتھ دکان میں لوہار کا کام بھی کرتا تھا۔۔۔''

''تین بڑے ڈکٹیٹر'' کے مولف کا بیان ہے کہ مسولینی نو عمری میں ایک انقلابی سوشلسٹ بن چکا تھا۔ ایلن بلیک ووڈ کا کہنا ہے کہ اگرچہ وہ ایک لوہار کا بیٹا تھا لیکن اس کے

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

مورٹز شلک کی موت کے ساتھ ہی ویانا حلقے کی سرگرمیوں کا بھی اختتام ہوا۔ اگرچہ اس تنظیم کے انتشار کی ایک وجہ وہ حکومتی فیصلہ بھی تھا جس میں سائنسی اور تجزیاتی ذہن رکھنے والے امیدواروں کو فلسفے کی پروفیسر شپ پیش کرنے سے انکار کیا گیا تھا لیکن ویانا حلقے کے زوال کی بڑی وجہ مورٹز شلک کی وفات کو ہی تصور کرنا چاہیے۔

وہ ان ریاضی دانوں اور فلسفیوں کے گروہ (ویانا حلقے) کا قائد اور نمائندہ تھا جس نے منطق تجربیت کی تشکیل کی۔ اس کا فلسفیانہ مقصد نظریات کے مطالب سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد اس شعور کو پانا تھا جسے چھاتی تان کر "علم" کہا جا سکے۔ تمام عمر وہ اسی مقصد کے حصول میں سرگرداں رہا اور آخر کار تعصب کے ہاتھوں مارا گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

فوجی قرار دے دیا گیا۔

مسولینی کے دشمن یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے اقتدار سے اٹلی میں جمہوری سیاسی آزادی مفقود ہوگئی اور اس کی جگہ فاشسٹ حکومت نے لے لی، لیکن اس کے حامی بھی اتنی ہی سچائی سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ وہ جمہوری نظام جس کو مسولینی نے ہٹایا تھا اس نے کبھی بھی اچھی طرح اپنے فرائض انجام نہیں دیئے۔ لیکن فاشسٹ حکومت نے اٹلی کی بہتری، ترقی اور فلاح کے لئے بہت کچھ کیا۔

مسولینی نے اطالوی حکومت اور پوپ کے درمیان ایک دیرینہ تنازعہ کا حل بھی ڈھونڈ لیا۔ اس حل کے ذریعے روم میں ویٹیکن کے اطراف میں ایک نئی ریاست تشکیل دی گئی اور پوپ اس کے مسلمہ حکمران ہو گئے۔ چونکہ زیادہ تر اطالوی رومن کیتھولک ہیں اور اٹلی میں رومن چرچ کا بہت زیادہ اثر ہے اس لئے اس تصفیہ کو فاشسٹ حکومت کا ایک کارنامہ قرار دیا گیا جو صحیح بھی تھا۔

کچھ اپنی کوششوں اور کچھ خوش قسمتی کی بنا پر 1930ء تک مسولینی دنیا میں اٹلی کی ساکھ بہتر بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ پرجوش اور ولولہ انگیز تقریریں کرنے کا شوقین اور دوسروں کے لئے بالکل بے ضرر تھا لہٰذا اٹلی کے باہر کے بہت سے لوگ یہ کہنے کے لئے تیار تھے کہ مجموعی طور پر مسولینی بہتر ہے۔ اٹلی آنے والے کہا کرتے تھے کہ "کچھ بھی ہو اس نے فقیروں سے چھٹکارہ پا لیا ہے، پورے اٹلی کو صاف ستھرا کر دیا ہے اور ٹرینیں اپنے وقت پر چلنے لگی ہیں۔"

اس نے ایک عرصے تک اطالوی لوگوں سے یہ کہا کہ وہ شاہی لوگ ہیں اور اس عظیم سلطنت روم کے وارث ہیں جو کئی سو سال پہلے ان قبائل کی قتل و غارت گری کی بنا پر ختم ہوگئی تھی جو چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں پورے یورپ سے ہوتے ہوئے روم تک پہنچ گئے تھے۔

مسولینی کو جس مسئلہ کا سامنا تھا وہ یہ تھا کہ نئی رومی سلطنت کی سرحدیں کیا ہوں گی اور کس کے مفاد پر وہ اس نئی سلطنت کو قائم کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اس نے روم کی بڑی سڑک کی ایک جانب سنگ مرمر کا ایک بہت بڑا نقشہ بنوایا تھا جس میں عظیم سلطنت روم کی قدیم سرحدیں دکھائی گئی تھیں۔ جب روم کے شہری یہ نقشہ دیکھتے تو ان کو مشکل سے ہی یہ خیال آتا تھا کہ مسولینی کا ارادہ دوبارہ پورے مغربی یورپ پر حملہ کرنے اور اس کو فتح کرنے کا ہے جس میں برطانیہ عظمیٰ اور بلقان بھی شامل تھے۔ نقشہ میں یہ بھی دکھایا گیا تھا کہ قدیم روم میں شمالی افریقہ کے کچھ علاقے بھی شامل تھے اور اسی طرف مسولینی نے اپنی سلطنت کی توسیع کرنے کی حکمت عملی تیار کی، بحیرہ احمر کے افریقی ساحلوں پر اطالویوں کی دو نو آبادیاں تھیں۔

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

اعتماد اور قابلیت نے اسے کافی مغرور بنا رکھا تھا۔ اس نے عملی زندگی کا آغاز ایک استاد کی حیثیت سے کیا اور پھر ایک سوشلسٹ اخبار کا مدیر بن گیا۔ پہلی جنگ عظیم میں اٹلی نے اتحادیوں کا ساتھ دیا، وہ بھی فوج میں چلا گیا اور شدید زخمی ہوا۔ بعد ازاں اس نے اپنی سیاست کا رخ بدل کر فاشسٹ پارٹی کی بنیاد رکھی۔ 1922ء میں اس کی سپاہ نے روم کا تختہ الٹ دیا اور مسولینی اقتدار پر قابض ہو گیا۔ اس نے حزب اختلاف کو سیاست بدر کر دیا اور آمرانہ حکومت اختیار کر کے بادشاہت کو قائم رکھا۔

اقتدار میں آنے کے بعد مسولینی نے ایک ایسا موضوع بحث ڈھونڈا جس نے اس کی امید کے مطابق اطالوی لوگوں کو متاثر کیا۔ مسولینی نے لوگوں سے کہنا شروع کر دیا کہ ان کو اس سلطنت روما کے تخت سے اتار دیا گیا جو سیزر کے دور میں اسکاٹ لینڈ کے جنوب سے مغربی یورپ، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ تک پھیل چکی تھی۔

مسولینی نے اعلان کیا کہ میں اور میرے فاشسٹ ساتھی ایک دفعہ پھر اٹلی کو دنیا کی عظیم طاقت بنا دیں گے۔ ہم پھر ایک بڑی سلطنت قائم کریں گے جس کا دارالخلافہ روم ہو گا۔ اطالویوں کو مسولینی کا یہ وعدہ پرکشش محسوس ہوا۔ مزید یہ کہ مسولینی نے مختلف طریقوں سے ماضی کے رومیوں کی نقل کرنی شروع کر دی۔

قدیم رومیوں نے اچھی عمارات اور سڑکیں تعمیر کی تھیں اور بہت علاقے فتح کئے تھے اس لئے مسولینی نے بھی پورے اٹلی میں عظیم الشان عمارات بنانے اور جدید موٹر وے کی تعمیر پر کثیر رقم خرچ کی۔ اس نے اطالویوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کی پوری کوشش کی کہ وہ دنیا کے فاتح بننے کے لئے تیار رہیں۔ اور یہ کہ وہ آرام دہ اور پرتکلف زندگی گزارنے کا تصور ترک کر دیں۔ عام طور پر وہ یہ کہا کرتا کہ اطالوی پرخطر زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن تنہائی میں وہ اور اس کی فاشسٹ پارٹی کے بڑے لیڈر بڑی پرتعیش زندگی گزارتے تھے اس نے ایک فاشسٹ سلام ایجاد کیا تھا ایک بازو آگے پھیلا کر سلام۔ فاشسٹ تمام پریس، ریڈیو اور اسکولوں پر قابض تھے۔

یکم جون 1934ء کو ایک تقریر میں اس نے کہا ''میں دائمی امن پر بالکل یقین نہیں رکھتا یہ انسان کی بنیادی فطرت کے لئے خطرناک ہے۔'' اس کے کچھ عرصے کے بعد اس نے کہا کہ ''ہم ایک فوجی قوم بن رہے ہیں اور قوم کی پوری زندگی کا رخ ہماری فوجی ضروریات کی جانب ہونا چاہیے۔''

ستمبر 1934ء میں ایک قانون کے تحت آٹھ سال کی عمر سے زیادہ کے تمام اطالویوں کو

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

کی جائے گی جو وہ بیرون ملک سے خریدتا تھا اور ایسی اشیاء کی فہرست بہت لمبی تھی۔
اس فہرست میں ایک بہت اہم چیز نہیں تھی اور وہ سب سے اہم شئے یعنی تیل تھا۔ چونکہ اٹلی اپنے استعمال کا تمام تیل بیرون ملک سے خریدتا تھا اس لئے توقع تھی کہ اگر اس کا تیل بند کر دیا جاتا تو وہ تین ماہ میں ہی ہمت ہار بیٹھتا۔ امریکہ لیگ کے ممبران میں نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ نجی طور پر سزاؤں کے اس پروگرام میں شامل ہو گیا تھا۔

مسولینی نے اٹلی کی ہر دیوار پر یہ الفاظ لکھنے کا حکم دیا "تاریخ عالم میں رسوائی اور بے انصافی کا ایک دن" اور پھر دسمبر 1935ء میں ایک بہت غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ برطانوی فارن سیکرٹری سر سیموئل ہور اور فرانسیسی وزیر اعظم ایم لاول نے پیرس میں ملاقات کی اور ایک منصوبہ بنایا کہ اگر اٹلی ابی سینیا سے اپنی حملہ آور فوجیں واپس بلانے پر تیار ہو جائے تو اس کو ابی سینیا کا ایک بڑا علاقہ دے دیا جائے۔ مسولینی کو اس رشوت کی پیشکش کا مقصد یہ تھا کہ فرانسیسیوں نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ ایسی صورت حال پیدا نہیں ہونے دیں گے جس سے مسولینی فرانس اور برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دے۔ فرانس کی اس حکمت عملی کا سبب یہ تھا کہ جرمنی میں ہٹلر زیادہ طاقتور اور جارح ہوتا جا رہا تھا اور وہ ہٹلر اور مسولینی دونوں سے دشمنی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔

اسی دوران اطالوی فوجوں نے ابی سینیا کی کمزور افواج کو شکست دے دی اور ہیل سلاسی جلاوطن ہو کر برطانیہ آ گیا۔ وہ کچھ دن جنیوا میں رکا اور لیگ آف نیشنز کی اسمبلی سے خطاب کیا جس کے ممبران اس کے ملک کو جارحیت سے بچانے میں ناکام رہے تھے اور جنہوں نے مسولینی کو یہ ثابت کرنے کا موقع فراہم کیا تھا کہ وہ لیگ آف نیشنز کے اصولوں کی دھجیاں اڑا سکتا ہے۔ ہیل سلاسی نے کہا کہ "یہ چھوٹے ممالک سے ان کے استحکام اور آزادی کے لئے کئے گئے وعدوں کی حیثیت اور اہمیت کا سوال ہے۔۔۔ بین الاقوامی اخلاقیات خطرے میں ہیں۔۔۔ خدا اور انسانیت آپ کے فیصلے کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔" جولائی 1937ء میں یہ بات بالکل واضح ہو چکی تھی کہ سزاؤں کا اطلاق ناکام ہے۔

اس دوران مسولینی نے بڑ ہانکی "آج دنیا کے تعزیری حلقوں میں ایک سفید علم بلند کر دیا گیا ہے۔" اس نے ابی سینیا کے خلاف اپنے جرم کی تکمیل کر لی تھی اور اپنی جارحانہ پالیسی جاری رکھنے میں ہٹلر کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لیگ کے غلط فیصلوں کی بنا پر مسولینی کی فتح دنیا کے مستقبل کے لئے نقصان دہ اور خطرناک ثابت ہوئی۔ لیگ آف نیشنز جنگ عظیم اول کے بعد قائم کی گئی

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

یہ دو غریب اور غیر اہم علاقے ابی سینیا کی سرحدوں پر تھے جواب ایتھوپیا کہلاتا ہے۔
1896ء میں اطالویوں نے ابی سینیا کو فتح کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں جنگ اڈوا میں بری طرح شکست اٹھانی پڑی۔
مسولینی نے فیصلہ کیا کہ وہ اڈوا کی بے عزتی کا بدلہ لے گا اور اس کے ساتھ ساتھ ایتھوپیا کے ترقی پذیر، پس ماندہ، وسیع مگر مالدار علاقے کو اپنے سمندر پار مقبوضات میں شامل کر لے گا۔ چنانچہ دسمبر 1934ء میں مسولینی نے ابی سینیا سے سرحدی تنازعہ شروع کیا اور اس غیر مسلح علاقے کو فتح کرنے کے لئے بڑے پیانے پر جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔
ابی سینیا کے شہنشاہ ہیل سلاسی نے جب اپنی سرحدوں پر فوجیوں کو جمع ہوتے دیکھا تو چونکہ اس کا ملک لیگ آف نیشنز کا ممبر تھا لہٰذا اس نے لیگ آف نیشنز سے اپیل کی کہ وہ مسولینی کو باز رکھے لیکن وہاں سے قابل اطمینان جواب نہ ملا۔ تاہم ابی سینیا اور اٹلی کے تنازعہ پر بحث کرنے کے لئے 1935ء میں جنیوا میں لیگ آف نیشنز کا اجلاس ہوا۔ برطانوی فارن سیکرٹری سر سموئیل ہور نے کہا کہ اشتعال کے بغیر کسی جارحانہ اقدام کے خلاف مسلسل اور اجتماعی مزاحمت میں برطانیہ پیش قدمی کرے گا۔
یہ مسولینی کے لئے ایک تنبیہ تھی کہ اگر اس نے لیگ کے کسی ممبر پر حملہ کر کے لیگ کے قوانین کو توڑا تو برطانیہ کی قیادت میں لیگ کے دوسرے ممبر ممالک اٹلی کے خلاف اقدام کریں گے۔

برسوں کی شاعرانہ تعلیوں کے بعد، اس قسم کی وارننگ پر اگر مسولینی ابی سینیا سے اپنی فوجوں کو واپس بلا لیتا تو اس کی "انا" کو زبردست ٹھیس پہنچتی۔ ایک ڈکٹیٹر کے لئے "انا" بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس لئے 12 اکتوبر 1935ء کو اطالوی فوجوں نے ابی سینیا پر حملہ کر دیا۔ لیگ کے اس وقت کے 54 ممبران میں سے 50 ممبران اس بات پر متفق تھے کہ اٹلی کے خلاف "سزاؤں" کا اطلاق کیا جائے۔ یہ تاریخ عالم میں ایک اہم موڑ تھا۔ کیونکہ یہ پہلا موقع تھا جب تمام دنیا کی نظر اس سوال پر جمی ہوئی تھی کہ آیا لیگ آف نیشنز کے ممبران کسی دوسرے ممبر کو لیگ کے قانون کی خلاف ورزی کرنے سے روکنے کے لئے متحد ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ آخر کار اٹھارہ نومبر کو سزائیں تجویز کر دی گئیں۔
اس وقت ہر شخص لفظ "سزا" کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ بہر حال سزائیں یہ تھیں کہ لیگ کے تمام ممبران نے وعدہ کیا کہ کوئی بھی ممبر اٹلی کو اسلحہ فروخت نہیں کرے گا اور نہ ہی اس کو قرض دے گا۔ علاوہ ازیں انہوں نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ اٹلی سے ان چیزوں کی تجارت نہیں

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

اطالوی فوجی اس مقصد کے لئے نہیں لڑ سکتے جس پر وہ مکمل یقین رکھتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت وہ اس جنگ کے معاملے میں پرجوش نہیں تھے وہاں کے عسکری دانشوروں کا خیال تھا کہ اس نے ان کو صرف ہٹلر کی ذیلی فوجوں کی حیثیت دے دی ہے۔

جرمنوں نے جنرل رومیل کی کمان میں اپنی فوجیں شمالی افریقہ بھیجیں لیکن جب آخرکار انہیں شکست ہوئی اور امریکہ اور برطانیہ نے سسلی پر حملہ کر دیا تو یہ گویا مسولینی کے انجام کا آغاز تھا۔ بادشاہ اور چند سربرآوردہ فاشسٹوں نے 25 جولائی 1943ء کو مسولینی کو گرفتار کر لیا۔

اسے گرفتار کرنے کے بعد سارڈینا کے ساحل سے دور ایک جزیرے میں قید کر دیا گیا تھا لیکن بعدازاں اس خطرے کے تحت کہ شاید جرمن اس کو بچانے میں کامیاب ہو جائیں اور قید خانے سے نکال لے جائیں اسے مرکزی اٹلی کے ایک پہاڑی علاقے میں چھوٹے سے ہوٹل میں منتقل کر دیا گیا۔

مسولینی کا تنزل ہٹلر کے لئے ایک کاری ضرب تھی۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنے ساتھی آمر کو بچائے۔ 12 دسمبر 1944ء کو نوے جرمنوں کا ایک خصوصی چھاتہ بردار دستہ مسولینی کے پہاڑی قید خانے کے قریب اترا۔ انہوں نے مختصر سے حفاظتی دستے پر قابو پا لیا اور مسولینی کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب اس کو ایک چھوٹے جہاز میں بٹھا کر میونخ میں ہٹلر سے ملاقات کے لئے لے جایا گیا۔

جرمن آمر نے مسولینی کو واپس جنوبی اٹلی بھیج دیا جہاں اس نے ایک آزاد اور خودمختار حکومت قائم کر لی۔ اس کے پاس بہت کم طاقت تھی جو اتحادی فوجوں کی شمال کی جانب پیش قدمی پر بالکل اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔

مارچ 1945ء میں مسولینی نے ہٹلر سے آخری بار ملاقات کی اور اس کے ان وعدوں کے ساتھ واپس آ گیا کہ چند خفیہ ہتھیار بنوائے جا رہے ہیں جن سے ان خراب حالات میں بھی جلد ہی فتح ممکن ہو جائے گی لیکن اپریل کے آخر تک جب جرمنی کی شکست کے آثار واضح ہونے لگے اور اتحادی فوجیں تیزی سے پیش قدمی کرنے لگیں تو مسولینی کی تمام امیدیں ٹوٹ گئیں اور اس نے محافظ جرمنوں کے چھوٹے سے دستے کے ساتھ فرار ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس پارٹی کو اطالوی دستوں نے روک لیا اور مسولینی کو پہچان لیا گیا۔ کمیونسٹ پارٹی کے مقامی رہنما نے مسولینی کو گولی مار دی۔ قتل کے بعد اپنے وقت کے آمر مطلق کی لاش پبلک اسکوائر میں ٹانگوں سے رسی باندھ کر الٹی لٹکا دی گئی۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

تھی جس کا مقصد مختلف ممالک کے درمیان تنازعات کو پرامن طور پر حل کرانا اور اس بات کی یقین دہانی کرانا تھا کہ اگر اس کا کوئی ممبر کسی دوسرے ممبر ملک پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ تمام دوسرے ممبران کا خود بخود دشمن ہو جاتا ہے۔ یوں لیگ کا کام پوری دنیا میں امن برقرار رکھنا تھا۔ لیکن مسولینی نے یہ ثابت کر دیا کہ اگر ایسا موقعہ آ جائے تو لیگ ایسے آدمی کو سزا دینے میں ناکام رہتی ہے جو اس کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اس وقت کے بعد لیگ آف نیشنز نے اپنا اثر کھونا شروع کر دیا اور اس طرح اجتماعی تحفظ کے آغاز کا اختتام ہو گیا جو اس عالمی تنظیم کے قیام سے پیدا ہوا تھا۔

1936ء میں سپین میں ایک خانہ جنگی کا آغاز ہوا جس کے نتیجے میں ری پبلک حکومت کو شکست دے کر جنرل فرانکو اور ان کی پارٹی نے آمریت قائم کر لی۔ ان کی یہ پارٹی اٹلی کی فاشسٹ پارٹی اور جرمنی کی نازی پارٹی کے مترادف تھی۔

اس خانہ جنگی میں ہٹلر اور مسولینی نے جنرل فرانکو کی فوجوں کی مدد کے لئے جہاز اور فوجی دستے بھیجے اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دونوں آمروں نے جمہوری ممالک خصوصاً برطانیہ اور فرانس کے خلاف مورچہ بندی شروع کر دی تھی۔ مسولینی کو توقع تھی کہ جمہوری ممالک اور آمروں کے درمیان ضرور جنگ ہو گی وہ جانتا تھا کہ اٹلی فوجی طور پر کمزور ہے۔ اسی لئے وہ ہٹلر کی بڑھتی ہوئی جارحیت سے خوفزدہ تھا۔

حالات پر اثر انداز ہونے کی اس کی طاقت اس کے ساتھی آمر ہٹلر کے ہاتھوں میں منتقل ہو رہی تھی۔ 1939ء میں جنگ عظیم دوئم کا آغاز ہوا تو وہ جنگ کے لئے تیار نہیں تھا، لیکن پھر بھی وہ ہٹلر کو جنگ سے باز نہ رکھ سکا اور اس کو جرمن نازیوں سے مشترکہ مفاد کا وعدہ نبھانا پڑا۔ جیسے ہی اس نے یہ محسوس کیا کہ جرمن فرانس کو شکست دے رہے ہیں تو اس نے فرانسیسی ریویرا پر حملہ کر دیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کامیابی حاصل کرتا فرانسیسیوں نے ہٹلر کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے جس نے مسولینی سے کہا کہ وہ فرانس سے باہر ہی رہے۔ مسولینی نے ہٹلر کو یہ جتانے کے لئے کہ وہ بھی جارحیت کر سکتا ہے یونان پر حملہ کر دیا جس پر ہٹلر بہت مشتعل ہوا۔

یونانیوں نے اطالویوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کو بری طرح ناکام بنا دیا۔ مسولینی نے فیصلہ کیا کہ اب وہ اپنا کام لیبیا کی طرف سے مصر پر حملہ کر کے انجام دے گا لیکن اس کو اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ اطالوی فوجیں نہ صرف ابی سینیا سے نکال دی گئی تھیں بلکہ ہزاروں فوجیوں نے شمالی افریقہ میں برطانوی فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ یہ تصور کرنا غلط ہے کہ

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ انہوں نے مولانا بھیک نیرنگ کی ''انجمن تبلیغ الاسلام'' انبالہ کے نائب صدر کی حیثیت سے قابل قدر کارنامے انجام دیئے۔ نیز ہندوؤں کی انقلابی تحریکوں شدھی اور سنگھٹن کے خلاف انہوں نے قلم کے ساتھ ساتھ کارکن کے طور پر بھی بے پناہ جدوجہد کی۔

1929ء میں مولانا نے سر آغا خان کی صدارت میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس منعقدہ دہلی کو کامیاب بنانے کے لئے شب و روز کام کیا۔ مولانا اچھے انشاپرداز اور صحافی ہی نہ تھے بلکہ بہت اچھے مقرر بھی تھے۔ تقریر بڑے جوش سے کرتے تھے۔ چہرہ سرخ ہو جاتا تھا۔ آواز بہت بلند تھی۔ ان کی فعال قومی زندگی نے ان کے ہم عصروں کو ان کا قریبی دوست اور رفیق کار بنا دیا، جن میں مولانا حسرت موہانی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا آزاد سبحانی، نواب محمد اسماعیل خان، سر مولوی محمد یعقوب، سید حسن امام، مولانا غلام بھیک نیرنگ، سر شفاعت احمد خان، مولانا محمد شفیع داؤدی اور سید حبیب شاہ (مدیر روزنامہ ''سیاست'') خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جب جمعیت العلماء ہند اپنے اسلامی نصب العین سے ہٹ کر انڈین نیشنل کانگریس کا تتمہ بن گئی تو مولانا مظہر الدین نے مولانا عبدالصمد مقتدری اور دیگر علمائے حق سے مل کر جمعیت العلماء کان پور کی بنیاد ڈالی۔ مولانا عبدالصمد اس کے صدر اور مولانا مظہر الدین ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔

مولانا مظہر الدین نے آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت و ترجمانی کے لئے روزنامہ ''وحدت'' جاری کیا۔ اس زمانے میں کانگریس نواز مولویوں نے دارالحکومت دہلی کو اپنا مضبوط قلعہ بنا رکھا تھا۔ اس قلعے کو روزنامہ ''وحدت'' کے شذروں نے مسمار کر دیا تو نیشنلسٹ علما کے زیر اثر طبقہ مولانا کے خون کا پیاسا ہو گیا۔

مولانا کے اخباروں کا آخری دفتر ترکمان دروازے میں تھا۔ 1937ء میں مولانا صاحب نے اپنے دفتر میں محمد علی جناح اور نواب زادہ لیاقت علی خان کو پر تکلف استقبالیہ دیا جو دہلی میں اپنی نوعیت کا پہلا استقبالیہ تھا۔ اس موقع پر مولانا صاحب نے آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر محمد علی جناح کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا، جس میں انہیں قائداعظم، فدائے ملک و ملت، رہنمائے ملت اور قائد ملت جیسے القابات سے نوازا گیا۔ ان میں سے پہلا لقب ''قائداعظم'' انہوں نے اپنے اخبارات میں فوراً ہی استعمال کرنا شروع کر دیا اور اپنی ہر تحریر میں ''قائداعظم محمد علی جناح'' لکھنے کی روایت کا آغاز کیا۔ یہ لقب تعلیم یافتہ طبقے میں بہت

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

مولانا محمد مظہرالدین

عہد حیات: 1888ء۔1939ء

یہ اس عظیم شخصیت کا تذکرہ ہے جس نے پہلی بار محمد علی جناح کو قائداعظم کہا اور لکھا۔ انہیں پاکستان کا پہلا شہید قرار دیا جاتا ہے

مولانا محمد مظہرالدین نے فکری اور عملی، دونوں سطحوں پر آل انڈیا مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ اس قدر وابستگی کا اظہار کیا کہ مثال ملنا مشکل ہے۔ آزادی کا جو سورج مسلمانان ہند نے 14 اگست 1947ء کو طلوع ہوتے دیکھا اس کی طمانیت بخش روشنی کا سرچشمہ ایسی ہی شخصیات کی قربانیاں ہیں۔ خواجہ ظفر نظامی اپنے ایک مضمون (مطبوعہ ''شاہکار میگزین'' شمارہ نمبر 1) میں، پاکستان کے پہلے شہید کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محمد مظہرالدین شیر کوٹ ضلع بجنور میں 1888ء/1305ھ میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند سے 1990ء میں سند فراغت حاصل کی۔ وہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا کے قابل تلامذہ میں سے تھے۔ حصول تعلیم کے بعد دارالعلوم ہی میں عربی زبان و ادب کے مدرس مقرر ہوئے اور 1913ء تک تدریسی فرائض انجام دیے۔ جب 1919ء میں غازی امان اللہ خان، والئی افغانستان نے انگریزوں کی بالادستی کا جوا اتار پھینکا اور برابری کی بنیاد پر صلح نامہ طے پایا تو مسلمانان ہند کے دل میں غازی امان اللہ خان کی بے حد قدر و منزلت پیدا ہو گئی اور انہیں مسلمانان عالم کا ہیرو قرار دیا گیا۔

مولانا صاحب نے اسی تاثر کی بناء پر 1920ء میں اپنا ہفت روزہ اخبار ''الامان'' کے نام سے قصبہ نگینہ ضلع بجنور سے جاری کیا۔ ان دنوں تحریک خلافت زوروں پر تھی۔

صحافت کے ساتھ ساتھ مولانا صاحب سیاسی کارکن کی حیثیت سے بھی تحریک خلافت

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

فرخی یزدی

عہد حیات: 1888ء۔ 1940ء

ایک زمانہ تھا کہ بادشاہ شعراء کے منہ جواہر سے بھر دیتے تھے۔ لیکن یہ اس باغی اور انقلابی شاعر کی کتھا ہے جس کے سچ پرست ہونٹ سرکاری سوئی دھاگے سے سی دیئے گئے

1888ء میں یزد میں پیدا ہونے والے اس عظیم شاعر کا نام محمد، تخلص فرخی جبکہ والد کا نام محمد ابراہیم تھا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد یزد کے انگریزی مدرسہ میں داخل ہوا۔ ابھی پندرہ برس کی عمر تھی کہ دردملت کے ہاتھوں بے بس ہو کر عیسائی مدرسہ کی مذہبی تبلیغ کے خلاف ایک نظم لکھنے کی پاداش میں ادارہ بدر کر دیا گیا۔

فرخی نے سکول سے نکالے جانے کے بعد محنت مزدوری اور شاعری کو ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ مشروطیت کے زمانے میں ڈیموکریٹ پارٹی کی بنیاد رکھی گئی تو وہ بھی ایک شعلہ نوا آزادی خواہ شاعر کے طور پر اس کا اہم ممبر بنا۔

ان دنوں عید نوروز کے موقع پر شعراء قصائد لکھ کر پڑھا کرتے تھے جن کے موضوع روائتی طور پر خوشامدانہ ہوتے۔ 1327ھ میں فرخی نے مدحیہ قصیدے کے برخلاف ایک تنقیدی نظم تخلیق کی اور بادشاہ کو شاہان قدیم کی یاد دلاتے ہوئے مشروطیت اور قانونی حکومت قائم کرنے کا مشورہ دیا۔ نیز حکام کو بھی فرض شناسی سے کام کرنے کی ترغیب دی۔

حاکم یزد ضیغم الدولہ قشقائی نے اس نظم پر غضب ناک ہو کر فرخی کے ہونٹ سینے کا حکم دیا اور پھر اسے قید میں ڈلوا دیا۔ ان دنوں فرخی نے جیل سے ایک نظم لکھ کر تہران کے آزادی خواہوں کے نام ارسال کی اور اپنی سزا کی طرف ان کی توجہ دلائی۔ اس واقعے کے تقریباً تین

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

مقبول ہوا۔

پھر اگلے سال دسمبر 1938ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس پٹنہ میں ہوا، تو میاں فیروز الدین احمد نے سٹیج پر ''قائداعظم زندہ باد'' کا نعرہ لگایا تو یہ لقب عوام میں بھی مقبول ہو گیا۔ مولانا صاحب کے دفتر کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ جب شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے کانگریس نواز جمعیۃ العلماء ہند سے مستعفی ہو کر پہلی بار مسلم لیگ اور قائداعظم کی حمایت کا اعلان کیا تو یہ اعلان مولانا مظہرالدین کے دفتر ہی میں کیا۔

1938ء میں مصر میں فلسطین کانفرنس منعقد ہوئی جس میں آل انڈیا مسلم لیگ نے بھی اپنا وفد روانہ کیا۔ اس وفد میں عبدالرحمٰن صدیقی، چوہدری خلیق الزماں، مولانا مظہرالدین اور مولانا حسرت موہانی شامل تھے۔ مولانا حسرت تو اس وفد کے ساتھ مصر نہ جا سکے۔ باقی تینوں حضرات فلسطین کانفرنس میں شریک ہوئے۔ کانفرنس سے واپسی پر مولانا صاحب نے ''الامان'' کا مصر نمبر نہایت شاندار اور تصویروں کے ساتھ شائع کیا۔

☆☆☆

یہ منگل کا دن تھا۔ 14 مارچ 1939ء۔ 22 محرم 1358 ہجری۔ دس بجے دن کے قریب مولانا اپنے دفتر میں اپنی میز پر بیٹھے کام کر رہے تھے۔ ان کے سامنے والی میز پر تین کاتب بیٹھے اخبار کی کتابت کر رہے تھے۔ دو اجنبی نوجوان دفتر میں داخل ہوئے۔ ایک نے انہیں باتوں میں لگا لیا۔ دوسرے نے یہ کہہ کر گردن پر چاقو کے تین گہرے وار کیے۔ ''اور دے گالیاں علماء کو''۔

وہ نوجوان بھاگ گے۔ مولانا ان کے تعاقب میں دوڑے۔ برآمدے میں گر پڑے، اور چند منٹوں کے اندر تڑپ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا علیہ راجعون۔ ان کے جنازے کے ساتھ بڑا ہجوم تھا۔ نماز جنازہ جامع مسجد میں ادا ہوئی، جس کا وسیع صحن مسلمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، اور مسجد سے باہر بھی سڑک پر صفیں بچھائی گئی تھیں۔ شاہی مسجد فتح پوری کے پیش امام حضرت مولانا مفتی مظہراللہ نقشبندی مجددیؒ نے ان کے ''شہید'' ہونے کا فتویٰ دیا۔ مولانا کو غسل و کفن کے بغیر، خون آلودہ کپڑوں ہی میں کوٹلہ فیروز شاہ تغلق کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ یہ قبرستان خونی دروازے کے باہر ہے، جہاں مغلیہ خاندان کے شہزادوں کو 1857ء کی جنگ آزادی میں قتل کیا گیا تھا۔''

○○○○

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

اسیری کے ان ایام میں بھی اس کی پارہ صفت طبیعت مچلتی رہی۔ وہ حکومت وقت کی عوام دشمن اور رعایا کش پالیسیوں کے خلاف انتہائی زہریلی اور کٹیلی تنقید کرتا رہا۔ اس کی پاداش میں اسے زندان شہربانی میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ قید انتہائی سخت اور پرتشدد تھی۔ اس دوران ایک رات فرخی یزدی نے بھاری مقدار میں افیون کھا کر زندگی کی قید سے آزاد ہونا چاہا لیکن بروقت پتہ چل گیا اور ڈاکٹروں نے اس کی جان بچالی تاکہ وہ اپنے حصے کے عذاب سہے بغیر نہ مر جائے۔ اس نئے جرم پر پہلے ستائیس ماہ اور پھر تیس ماہ کی اسیری ملی۔ فرخی یزدی نے کبھی بھی، کسی بھی مقدمہ میں اپنی صفائی پیش نہیں کی۔ اس نے اگر کہا تو صرف یہ کہا کہ آخری فیصلہ عوام کے ہاتھ میں ہے۔

☆ زندان شہربانی میں اسیری کے دوران ایک روز فرخی کو نجانے کیا سوجھی کہ باآواز بلند تقریر کرنے لگا۔ وہ دیگر قیدیوں کو اپنی حالت زار سے آگاہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ مجھے تنگ، تاریک اور مرطوب کوٹھری میں پالتو جانور کی طرح رکھا ہوا ہے۔ کیا تم میں سے میرے علاوہ اور کوئی نہیں جو اس جبر پر احتجاج کر سکے۔ اس تقریر کا صلہ نگرانوں کی برستی لاٹھیوں اور گالیاں بکتی زبانوں کی روانی کی صورت میں نکلا۔ اب اسے اس سے بھی زیادہ سخت سزا دینے کے لئے زندان قصر میں منتقل کر دیا گیا۔ سرد راتوں میں ناقص غذا، نامکمل لباس اور ذہنی تشدد کا سہارا لے کر فرخی کی روح کو کچلنے کی بھرپور کوشش کی گئی لیکن وہ ڈٹا رہا۔ اس نے صرف مقابلہ کرنا سیکھا تھا لہٰذا وہ حکومتی گماشتوں سے لڑتا رہا، ان کے خلاف لکھتا رہا کیونکہ یہ کردار ادا کرنا قدرت کی طرف سے اس کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔

اسی دوران حکومت کو فرخی یزدی سے ایک نئی شکایت پیدا ہوئی کہ وہ باغیانہ اشعار سنا سنا کر قیدیوں کو باغیوں میں تبدیل کر رہا ہے۔ ایک بار پھر قید خانہ بدل دیا گیا لیکن اس بے قرار شاعر کے تیور نہ بدلے۔ آخر کار تنگ آ کر حکومت نے اس کی بیماری کا بہانہ بنایا، سرکاری اہلکار اسے ہسپتال لے گئے اور وہاں کسی زہریلے انجکشن نے فرخی یزدی کی باغی زبان پر چپ کا تالا لگا دیا۔ فرخی کا قتل 1940ء میں ہوا۔

ڈاکٹر ظہور الدین احمد لکھتے ہیں کہ: فرخی نے ایک روزنامہ ''طوفان'' کے نام سے بھی جاری کیا تھا جو سات سال تک وقفے وقفے سے نکلتا رہا اور سولہ مرتبہ حکومت نے اسے بند کیا۔ ''طوفان'' اپنے وقت کے بہترین اخباروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس میں سیاسی و ملی موضوعات پر بڑے تیز و تند مقالات شائع ہوتے تھے۔ ہر شمارہ میں سر مقالہ ایک رباعی اور آخر میں ایک غزل ہوتی تھی۔ آٹھویں سال طوفان کو ہفتہ وار کر دیا گیا لیکن وہ بھی ایک سال

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

ماہ بعد موقع ملتے ہی وہ قید سے فرار ہو کر تہران آ گیا۔ اب فرخی یزدی کی انتہائی ہنگامہ خیز زندگی شروع ہوئی جس کی چند جھلکیاں ذیل کے فقروں میں دیکھی جا سکتی ہیں:

☆ تہران آ کر اس نے اپنے زوردار سیاسی مقالات اور ولولہ انگیز اشعار سے تمام قوم پرستوں کی توجہ اور پذیرائی حاصل کر لی۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران وہ عراق کو ہجرت کر گیا۔

☆ انگریزوں کے تعاقب کی وجہ سے بغداد سے کربلا، وہاں سے موصل اور پھر تہران لوٹا۔ کچھ ہی عرصے بعد قفقازیوں نے اسے قاتلانہ حملے میں ہلاک کرنا چاہا لیکن ناکام ہوئے۔

☆ وثوق الدولہ وزیراعظم بنا تو فرخی یزدی نے انگریزوں کے ساتھ طے پانے والے 1919ء کے معاہدے کی پرزور مخالفت کی اور احتجاجی اشعار لکھے۔ نتیجے کے طور پر زندان میں ڈال دیا گیا۔ 1921ء کی بغاوت کے دوران بھی جیل کی چار دیواری ہی اس کی اقامت گاہ بنی رہی۔

☆ ''حکومت فشار'' نامی مقالے نے فرخی کو کرمان میں جلاوطن کرایا اور حکومت نے اسے وہیں قید رکھنے کے احکامات جاری کیے۔ اب کی بار لاتعداد دشمنوں میں ایک ہمدرد بھی تھا چنانچہ سردار معظم تیمور تاش کی سفارش پر فرخی کو دو ماہ بعد رہا کر دیا گیا۔

☆ 1347-1349ھ میں مجلس شوریٰ ملی کے ساتویں دور میں یزد کے نمائندے کی حیثیت سے فرخی نے اس مجلس میں استبداد اور آمریت کی کڑے لفظوں میں مخالفت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کے حامیوں کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بنا اور اس کے خلاف دشنام طرازی کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس صورتحال سے اکتا کر ایک رات وہ چپکے سے غائب ہو گیا اور ماسکو جا سر نکالا۔ اس کے بعد فرخی یزدی کو برلن میں دیکھا گیا۔

☆ برلن میں بھی اس کی بے قرار روح کو قرار نہ آیا چنانچہ ''پیکار'' نام کا مجلہ جاری کر کے ایران کی آمر حکومت کے خلاف نہایت تند و تیز مقالات شائع کیے۔ سفیر کبیر ایران نے ان سرگرمیوں کا فوری نوٹس لیا اور فرخی پر مقدمہ بنوا دیا لیکن وہ بچ نکلا۔ بعد ازاں ''نہضت'' نامی اخبار جاری کیا جس کے تین شمارے ہی شائع ہوئے تھے کہ ایرانی حکومت کے دباؤ پر فرخی کو برلن سے نکال دیا گیا۔

☆ اب وہ ایک بار پھر تہران میں تھا۔ لیکن اس دفعہ حکومت کے ساتھ ساتھ حالات بھی فرخی کے خلاف تھے لہٰذا معاشی الجھن میں الجھ کر ایک سال کے اندر اندر 3000 ریال کا مقروض ہوا۔ اس قرض کی عدم ادائیگی پر بھی اسے کچھ عرصہ سلاخوں کے پیچھے گزارنا پڑا۔

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

احمد کسروی

عہد حیات: 1890ء ۔ 1946ء

وہ ایک زبان دان، نقاد، مورخ اور محقق تھا لیکن "دشمن ادبیات" کہلایا۔ اسلامی ادبیات، تاریخ اور تصوف کے حوالے سے لکھی اپنی ترقی پسندانہ تحریروں کے باعث موت کے حوالے کر دیا گیا

سید احمد کسروی 1890ء کو تبریز میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنی تحصیلات اپنے شہر کے مدرسہ طالبیہ میں تمام کیں۔ 1914ء کے اواخر میں مدرسہ موریل امریکائی میں داخل ہوئے۔ انگریزی زبان سیکھنے کے ساتھ ساتھ وہ یہاں ادبیات عربی و فارسی بھی پڑھاتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد وزارت عالیہ میں ملازم ہو گئے۔ تھوڑی مدت کے بعد کام چھوڑ کر تہران آ گئے اور مدرسہ ثروت میں عربی کے معلم ہو گئے لیکن از سر نو وزارت عالیہ کی خدمت قبول کر لی اور مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے۔ اسی دوران کچھ عرصہ تک شہرستان، خوزستان، زنجان اور اردبیل میں چیف جج کے فرائض انجام دیئے۔ خراسان اور تہران کے ایڈووکیٹ جنرل بھی رہے۔ اس کے بعد ملازمت سے استعفیٰ دے کر وکالت کا پیشہ اختیار کر لیا۔

تاریخ، تحقیق، ادب اور سیاست پر 50 سے زائد کتابیں کسروی کے قلم کی نوک سے پیدا ہوئیں۔ انہوں نے عربی زبان میں مختلف موضوعات پر چار گراں قدر تصانیف یادگار چھوڑیں اور بحیثیت مترجم بھی قابل قدر خدمات انجام دیں۔

کسروی نے 1933ء میں "پیمان" نامی مجلّہ جاری کیا جو آٹھ سال تک شائع ہوتا رہا۔ بعد ازاں روزنامہ "پرچم" کا اجراء کیا جو روزنامہ ہونے کے باوجود معاشی مسائل اور کسروی کے فکری حریفوں کی ناروا مداخلتوں کے باعث اکثر اوقات پندرہ روزہ اور ہفت روزہ کی شکل

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

کے بعد جاری نہ رہ سکا۔

فرخی کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔اس میں 186 غزلیں، 376 رباعیات، چند قطعات اور کچھ نظمیں ہیں۔

عشقی اور فرخی کی زندگی میں کافی مشابہت ہے۔عشقی بھی فرخی کی طرح ازدواجی زندگی میں شریک نہ ہو سکا۔ اس نے ''قرن بیستم'' کے نام سے ایک روزنامہ نکالا تھا۔فرخی نے ''طوفان'' جاری کیا، دونوں حکومت کے خلاف تیز و تند مقالات لکھتے تھے۔ دونوں نے مہاجرت کی، قید و بند میں رہے،حکومت کے استبداد کا نشانہ بنے،فقر و دربدری کی زندگی بسر کرتے رہے اور آخر حکومت کے ایما پر ہی قتل کروا دیئے گئے۔ دونوں نے آزادی کی حمایت اور استبداد کے خلاف زندگی وقف کر دی تھی۔ دونوں کے اشعار میں اشتعال انگیز تیزی پائی جاتی ہے۔عشقی فن کے لحاظ سے فرخی سے برتر ہے کیونکہ اس نے شعر کی نئی ہیئتوں میں تجربے کئے اور ایرانی شاعری میں پہلی مرتبہ اوپیرا لکھا لیکن فرخی مزاحمتی میدان میں بالا دستی رکھتا ہے کہ وہ جن مظالم کو سہتا رہا ان کا تصور کر کے بھی روح کانپ اٹھتی ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

بھی اچھالا، عیش کوشی اور شراب نوشی کے سوا کوئی تعلیم نہیں دیتا۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں ایسی شاعری کی ضرورت ہے جو ہماری قوم کے نوجوانوں میں شہامت نفس اور علو ہمت پیدا کرے۔ شروع شروع میں تو لوگوں نے ان کو دشمن ادبیات کہا لیکن بعد ازاں ایسے بھی نکل آئے جنہوں نے غزل و ہجو کے دیوان جلا کر اپنی توجہ ملی شاعری کی طرف مبذول کر لی۔ یورپی فلسفہ کے متعلق بھی انہوں نے بتایا کہ وہ دین، خدا شناسی اور نیک خواہی کا مخالف ہے۔ پرمغز مقالات لکھ کر خرابی ہائے فلسفہ کی طرف توجہ دلائی اور اسی طرح عشقیہ افسانوں اور ناولوں کا سیلاب جو یورپی ادبیات سے ترجموں کی صورت میں ایرانی ادبیات میں داخل ہو رہا تھا نوجوانوں کے لئے اس کو ضرر رساں قرار دیا۔

ایک محقق و مورخ کے طور پر کسروی بڑے مختی اور ژرف نگاہ تھے۔ تاریخ اور جغرافیہ پر ان کی گہری نظر تھی۔ جستجو اور کاوش سے مسئلہ کی تحقیق کرتے تھے۔ تاریخ پر ان کی کتابیں اس بات کی عینی شاہد ہیں۔ خاص طور پر ''شہر یاران گمنام'' ان کی نہایت قابل قدر کتاب ہے جس میں انہوں نے غیر معروف خاندانوں کے حکمرانوں کا حال لکھا ہے۔ وہ تاریخ کو زمانے کے سیاسی و اجتماعی احوال کا آئینہ سمجھتے تھے اور غیر متعصب اور دیانت دار مورخ ان کی نظروں میں قابل قدر تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تاریخ ایران میں تاریخ بیہقی اور تاریخ عالم آراء عباسی کے سوا تقریباً تمام مورخ خوشامدی اور مدح سرا ہیں۔ وہ تحقیق و تنقید میں کسی کا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے التنبیہ علی حدوث التصحیف کے بارے میں ملک الشعراء بہار پر بے باکی سے تنقید کی اور ان کی ادبی بددیانتی کو برملا بیان کیا۔

کسروی کی ایک عجیب جامع شخصیت تھی۔ زبان وادبیات اور دین و سیاست میں انہوں نے اپنی انفرادی رائے کو نمایاں کیا۔ وہ محب وطن تھے۔ انہوں نے زندگی کے ہر کام میں قوم و وطن کی بہبود کو مدنظر رکھا۔ اس لئے زبان، شاعری اور فلسفہ میں افادیت اور مقصدیت کو ترجیح دی۔ زبان و خط کو آسان بنانے کے لئے معقول تجاویز پیش کیں۔ اسلامی ادبیات، تصوف اور تاریخ کے حوالے سے ان کے افکار ہمیشہ متنازعہ رہے۔ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں انہی موضوعات پر وہ نہایت سخت اور چونکا دینے والے مضامین لکھتے رہے۔ 1946ء میں کسی مقدمہ کی پیروی کے لئے عدالت میں حاضر تھے کہ ایک متعصب شخص نے گولی مار کر ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ کسروی انہی لوگوں کی فہرست میں جگہ پاتے ہیں جو اپنے عقائد و افکار کی خاطر شہید کر دیے گئے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

اختیار کر جاتا تھا۔

بحیثیت زبان دان کسروی ان متقدمین میں سے ہیں جنہوں نے فارسی زبان کی اصلاح کے لئے کوششیں کیں اور معقول تجاویز پیش کیں اور ان پر خود عمل کر کے بھی دکھایا۔ انہوں نے مجلّہ ''پیمان'' جاری کیا تو سادہ اور خالص فارسی زبان لکھنے کا رواج کیا۔ وہ اس بات کے مخالف تھے کہ فارسی لکھتے لکھتے اوستا اور پہلوی کے متروک اور نافہم الفاظ داخل کر کے زبان کی فصاحت اور لطافت کو نقصان پہنچایا جائے اور عربی کے بھاری بھرکم الفاظ استعمال کرنے کو تو وہ سخت ناپسندیدہ خیال کرتے تھے۔ اپنے انہی خیالات کے باعث نصراللہ وصاف اور حمید کاتب کو زبان فارسی کا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے۔ زبان کے مسئلہ پر ان کا رویّہ دو ٹوک اور جارحانہ ہوتا تھا۔ وضع اصطلاحات کے لئے فرہنگستان قائم ہوئی تو انہوں نے اس پر بھی اعتراضات کئے۔ وزیراعظم کی طرف سے ان کو ہدایات بھی موصول ہوئیں کہ وہ اس قسم کی فارسی نہ لکھیں۔ لیکن انہوں نے ان کی سفارشات کی بالکل پروانہ کی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ فارسی زبان دنیا بھر کی زبانوں سے شیریں اور آسان زبان ہے اور گرامر کے بغیر بھی سیکھی جا سکتی ہے۔ صرف علمی، فنی اور اداری کاموں کے لئے اس کو بنانا اور سنوارنا درکار ہے۔ انہوں نے زبان کا پورا جائزہ لینے کے لئے فارسی، باستان، اوستا پہلوی اور ارمنی کے علاوہ مازندرانی، دماوندی، شوستری، سمنانی، سرخدی اور کردی بولیوں کو بھی سیکھا۔

ان کی نثر میں عربیت کا شائبہ بھی نہیں اور نہ ہی متروک الفاظ کا استعمال ملتا ہے بلکہ فارسی کے اندر سے ہی ایسی ایسی ترکیبیں بناتے اور افعال نکالتے ہیں کہ فارسی بھی خالص کی خالص رہتی ہے اور عبارت کی روانی اور فصاحت میں بھی فرق نہیں پڑتا اور یہ زبان پر کمال قدرت کی نشانی ہے۔ اکثر متعصب اشخاص نے بھی اسی طرز پر فارسی لکھنے کا التزام کیا ہے۔ لیکن ناگوار اور ناموزوں الفاظ کے استعمال سے عبارت غیر فصیح اور نافہم ہو کر رہ گئی ہے۔

بحیثیت نقاد کسروی ادبیات کی افادیت کے قائل تھے۔ شاعری ہو یا فلسفہ، ناول ہو یا افسانہ۔ اگر ان سے اجتماع میں فساد اخلاق پیدا ہوتا ہے تو وہ جلا دینے اور مٹا دینے کے قابل ہیں۔ کسروی پہلے شخص ہیں جنہوں نے بڑی جرات اور بے باکی سے اپنی تنقید کو پیش کیا اور کہا کہ مولوی اور عطار کی شاعری نے ہماری قوم میں فقیر، درویش اور بھکاری پیدا کئے ہیں۔ مغلوں اور تیموری عہد کے شعراء نے چاپلوسی اور جھوٹی مداح سرائی سے ملت ایران کو جھوٹا اور خوشامدی بنا دیا۔ انوری، سوزنی، عبید زاکانی اور اسی قبیل کے دوسرے شعراء نے فضول گوئی، دشنام طرازی اور عیب جوئی کا سبق دیا۔ خیام جس کو سیاسی اغراض کی خاطر یورپ والوں نے

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

کھنڈرات سے متاثر ہوکر ''رستاخیر سلاطین ایران وخرابہای ایران'' لکھا جو ایرانیوں اور خصوصاً پارسیوں میں بہت مقبول ہوا۔

''نیا ایرانی ادب'' کے مولف ڈاکٹر ظہور الدین احمد لکھتے ہیں کہ وہ وطن دشمنوں کے خلاف بڑی بے باکی سے تنقید اور تعریض کرتے تھے۔

1919ء میں جب وثوق الدولہ وزیراعظم کی وساطت سے انگریز اور ایرانی حکومت کے درمیان ایک معاہدہ ہوا۔ جس میں انگریزوں نے مالی امداد بھیجنے کا ذمہ لیا تھا۔ تو عشقی نے نظماً نثراً اس کی پرجوش مخالفت کی اور اپنی آتشیں تقریروں سے ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اس معاہدہ سے تو ایران ایک استعماری پالتو کی حیثیت اختیار کر جائے گا اور مالی امداد کی وجہ سے وسائل رزق انگریزوں کے پاس گروی رکھ دیئے جائیں گے۔ لہٰذا وزارت جنگ اور وزارت داخلہ کے تمام امور انہی کے مشورے سے انجام پائیں گے۔ اس شدید مخالفت کی بنا پر حکومت وقت نے ان کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔

کہا جاتا ہے کہ عشقی دہشت پسند تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ جس طرح بندوق اور گھڑی کو صاف ستھرا رکھنے کے لئے تیل اور صفائی کی ضرورت ہے اسی طرح حکومت کی مشینری کو صاف اور رواں دواں رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ سال میں ایک مرتبہ وطن کے خائنوں اور دشمنوں کی صفائی کر دی جائے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے تجویز کیا کہ عوام جمع ہو کر جلوس کی صورت میں خائن کے گھر پر ہجوم کریں اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ پھر دیکھئے سال بھر کے لئے عوام کس اطمینان سے زندگی بسر کرتے ہیں۔

سراپا جوش عشقی کو وطن سے والہانہ محبت تھی۔ وطن سے خیانت اور غداری کرنے والوں کے لئے سوائے خونریزی کے ان کے پاس کوئی علاج نہیں تھا۔ انہوں نے لکھا: اس طریق خونریزی کو اس طرح رائج کرنا چاہیے کہ عورتیں اپنے شوہروں سے حق مہر کے عوض ایک پلید اور خائن کے خون کا مطالبہ کریں۔

اپنی مذہبی آزادی کی وجہ سے عشقی نے علماء کی مخالفت بھی مول لی۔ بے باک اور نڈر عشقی ہر چیز کو واقعیت اور قطعیت سے دیکھنے کے عادی تھے اور اپنی عقل وبصیرت پر اعتماد کرتے تھے۔ اس لئے بعض مذہبی روایات انہیں قصہ کہانی نظر آتی تھیں وہ موت کے بعد کی زندگی کے قائل نہیں تھے اور قصہ آدم وحوا کو بھی جھوٹ سمجھتے تھے۔

جدت پسند عشقی کا خیال تھا کہ ایرانی ادبیات دنیا بھر میں قابل ستائش رہی ہیں لیکن زمانہ کے تغیر و انقلاب کے ساتھ ساتھ شعر وسخن میں بھی تبدیلی ضروری ہے۔ انہوں نے لکھا:

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

عشقی

عہد حیات: 1893ء۔ 1925ء

اس عظیم ایرانی شاعر، ڈرامہ نگار، صحافی اور باغی کے قاتل حکومت وقت سے سزا کی بجائے وظیفہ پاتے رہے۔ وہ عوام کی خاطر جیا اور اپنے نظریات پر قربان ہو گیا

عشقی کا نام میر محمد رضا تھا۔ ان کے والد حاجی سید ابوالقاسم کردستانی تھے۔ عشقی ہمدان میں 1893ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی مدرسوں میں حاصل کی۔ مدرسہ الیانس میں فرانسیسی پڑھی مگر ابھی فارغ التحصیل نہیں ہوئے تھے کہ ایک فرانسیسی تاجر کے ساتھ مترجم کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ اس لئے ان کو فرانسیسی لکھنے بولنے کی خوب مشق ہو گئی۔ ابتدائی عمر سے ہی بے قرار طبیعت پائی تھی۔ اس لئے سکول کی زندگی میں کچھ خاص لگاؤ سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ پندرہویں سال میں اصفہان چلے گئے اور وہاں سے تہران۔ لیکن کہیں جی نہ لگا تو واپس ہمدان آ گئے۔

جن دنوں پہلی جنگ عظیم برپا تھی عشقی ہمدان میں تھے۔ جب ہزاروں ایرانی ہجرت کر کے استانبول کی طرف گئے تو عشقی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اس سفر سے پہلے وہ جرمنوں کے ہمراہ بیجار اور کردستان بھی گئے تھے۔ قسطنطنیہ میں دارالفنون باب عالی میں ان کو فلسفہ اور اجتماعیات پر لیکچر سننے کا موقع ملتا رہا۔ اگرچہ انہوں نے باقاعدہ کسی خاص شعبہ علم میں مہارت حاصل نہ کی اور نہ کسی مضمون میں ان کی معلومات جامع تھیں لیکن نہایت ذہین ہونے کے باعث اجتماعی تاریخی مطالب بہت جلد سمجھ لیتے تھے۔

مہاجرت کے دوران میں عشقی کا گزر بغداد اور موصل سے ہوا۔ انہوں نے مدائن کے

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

کا نشان بتایا تھا اور ہسپتال میں ایک گرفتار شدہ قاتل ابوالقاسم کی شناخت بھی کر لی تھی لیکن پولیس نے اس کو تو رہا کر دیا اور محمد خان کو جس نے قاتل کو بھاگتے ہوئے گرفتار کیا تھا جیل میں بند کر دیا۔ دوسرے قاتل کو دانستہ گرفتار کرنے سے گریز کیا گیا۔ اور بعد میں یہ دونوں شخص پولیس سے ماہانہ وظیفہ حاصل کرتے رہے۔ اس جواں مرگ پر بڑا ہنگامہ ہوا۔ چونکہ عشقی مجلس شوریٰ ملی کے حزب اقلیت کا ہم نوا ہو چکا تھا۔ اس لئے ملک الشعراء بہار نے مجلس میں اس بے گناہ آدم کشی کی طرف حزب اکثریت کی توجہ دلائی لیکن پہلے تو ان کو تقریر کی اجازت ہی نہ ملی اور ہنگامہ برپا ہو جانے کے خوف سے حزب مخالف کے تمام اخباروں کو بند کر دیا گیا۔ ان کے ایڈیٹر قید و بند کے خوف سے مجلس کے ایوان میں پناہ گزین ہوئے۔ عشقی کا جنازہ اٹھا تو اس کے ساتھ مسجد جامع تک جاتے جاتے سارا شہر امنڈ آیا۔ عشقی کی خون آلود قمیض جنازہ پر ڈالی ہوئی تھی۔ وہ عشقی تہران میں اجنبی تھا۔ لیکن اس کی خوش خلقی اور نیک سیرتی نے تمام لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ اس کی موت کے دن کیا ارمنی اور کیا مسلمان سب اس کے گھر جمع ہوئے اور اس کے لئے اشک حسرت بہاتے رہے۔ ملک الشعراء بہار نے لکھا کہ کسی شاعر اور مصنف کی موت نے اس کے ہم وطنوں کو عشقی کی موت کے مانند غمناک نہیں کیا اور اتفاق سے عشقی جیسا کوئی ایسا بدنصیب اور مظلوم شاعر نہیں گزرا جس کو اس قدر بے رحمی سے قتل کیا گیا ہو۔ اخبارات و جرائد نے اس کی موت پر نہایت افسوس کا اظہار کیا۔ شعراء نے منظوم خراج تحسین پیش کیا۔ روزنامہ ''سیاست'' نے پیش گوئی کی: ''یہ وہ شاعر ہے کہ ملت ایران اس کے مجسمے بنائے گی اور یہ وہ شاعر ہے جس کے اہم افکار اور نظریئے یقینی طور پر تاریخی حیثیت اختیار کر جائیں گے۔''

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

خیالات و افکار میں تبدیلی اور تازگی ناگزیر ہے۔ اسلوب کی رنگارنگی بھی لازمی ہے۔ مثنوی، قصیدہ، مسدس وغیرہ کی پرانی اور فرسودہ اصناف سخن کو ترک کر کے نئی ہیئتوں میں تجربات کرنے چاہئیں اور عالمی ادب کی تقلید میں بحور و اوزان میں نئی صورتیں ایجاد کرنی چاہئیں۔ عشقی کا یہ بھی خیال تھا کہ جو لوگ محض مغرب کی تقلید میں ایرانی اصلیت کو کھو دینا چاہتے ہیں وہ بھی قابل تعزیر ہیں۔

عشقی کی اکثر نظموں کا موضوع وطن اور سیاست ہے یا اس کے متعلقات۔ ہر نظم شاعر کی گداز روح کی ترجمان ہے۔ شاعر اپنے سوز و عشق سے خواب غفلت میں گرفتار ایرانیوں کو بیدار کرنا چاہتا ہے۔ ہر بات کو علانیہ کہتا ہے۔ تیزی و تندی اس کا شعار ہے۔ اکثر نظمیں ایک سلسلہ افکار میں منسلک ہیں۔ اس لئے اپنی مجموعی حیثیت سے تاثیر کی حامل ہیں۔ کلام میں روانی ہے۔ پختگی کم ہے، شاعرانہ تکلفات بھی کم ہیں کیونکہ اس نے شاعرانہ تربیت حاصل نہیں کی لہٰذا اس کے بعض اشعار فصاحت سے عاری کہے جا سکتے ہیں۔ لیکن وہ تجسیم احساسات میں بے نظیر ہے۔ مقصد و موضوع کی طرف اس کی توجہ زیادہ ہے۔ عشقی موسیقی سے آشنا ہے اس لئے آہنگ اور توافق صدا کو خوب سمجھتا ہے۔ اس کے اوپیرا موسیقی کی تانوں پر ہی تو قائم ہیں۔ اس کے کلام میں جوش اور شوریدگی ہے۔ اس کا تخیل واضح ہے۔ وہ فرانسیسی کے مروجہ الفاظ بھی آزادی سے استعمال کرتا ہے۔ عشقی نے غزلیں بہت تھوڑی لکھی ہیں اور جتنی لکھی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نجی زندگی میں اسے محبت سے واسطہ نہیں پڑا۔ کم سے کم اس کے اشعار سے تو ہوس و عشق کے جذبات کا اظہار نہیں ملتا۔ اس کے قطعات رباعیات اور غزلیات و قصائد میں سب جگہ درد وطن ہی کی باتیں ہیں۔

1920ء میں انہوں نے ''قرن بیستم'' کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا۔ مگر وہ صرف چھ شمارے نکال کر بند ہو گیا۔ 1922ء میں اس نام سے یہ اخبار پھر جاری کیا۔ اس مرتبہ ہفتہ میں دو یا تین مرتبہ شائع ہوتا تھا۔ صرف اٹھارہ شمارے نکال کر اس کی اشاعت رک گئی۔ چار مہینوں کے تعطل کے بعد تیسری مرتبہ پھر شائع ہوا تو صرف ایک شمارہ نکلا اور یہی تاریخی شمارہ ان کی موت کا سبب بنا۔ اس شمارے میں ان کا مقالہ آدم جمہوری، اور ان کی نظمیں جمہوری سوار، مظہر جمہوری اور نوحہ جمہوری شائع ہوئیں۔ ان نظموں کے ہنگامہ خیز اشعار سے گھبرا کر حکومت کے اشارے سے دو شخصوں نے ان کو گولی کا نشانہ بنایا۔ گولی پیٹ میں ہی رہ گئی اور وہ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکے۔

1925ء کے ایک سیاہ دن انہوں نے ہسپتال میں جان دے دی۔ عشقی نے خود قاتلوں

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

حاصل کیا۔ قیام پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں ملک کا پہلا وزیراعظم نامزد کیا۔ دسمبر 1947ء تک وزارت خارجہ کا قلمدان بھی سنبھالا۔ قیام پاکستان کے بعد ملک کی تعمیر و ترقی میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے نہ صرف پاکستانی مسلمانوں کی بہتری کے لئے کام کیا بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کو تحفظ دلانے کے لئے 8اپریل 1950ء کو ایک معاہدہ بھی کیا جسے لیاقت نہرو معاہدہ کہا جاتا ہے۔ 8اکتوبر 1950ء کو انہیں آل پاکستان مسلم لیگ کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ 16اکتوبر 1951ء کو جب وہ لیاقت باغ راولپنڈی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرنے کے لئے اٹھے تو ابھی انہوں نے کلمہ طیبہ کا ورد ہی کیا تھا کہ سید اکبر نامی ایک شخص نے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ شدید زخمی ہونے کے بعد انہوں نے کلمہ پڑھا اور ''اللہ پاکستان کی حفاظت کرے'' کے الفاظ ادا کرنے کے بعد شہادت کے رتبے پر فائز ہو گئے۔

''پاکستان کی سیاسی تاریخ'' کے مولف زاہد چوہدری لکھتے ہیں کہ بیگم رعنا لیاقت علی کے بقول ''میرے مرحوم شوہر کو ایک سازش کے ذریعے قتل کیا گیا۔ قاتل اعلیٰ سرکاری مناصب پر فائز رہے اور ابھی تک پکڑے نہیں گئے۔۔۔ لیاقت کسی بھی بیرونی سازش کا شکار نہیں ہوئے۔۔۔ ان کے قتل کی کبھی کوئی سنجیدہ تفتیش عمل میں نہیں لائی گئی۔ اور یہ کیسے ہو سکتی تھی؟ جن لوگوں نے قتل کیا تھا وہ اعلیٰ سرکاری مناصب پر فائز تھے اور جو قتل میں ملوث تھے، ان کو ترقیاں حاصل ہوئی تھیں۔''

مذکورہ بالا حوالہ جاتی کتاب میں یہ بھی رقم ہے کہ ''جس شخص (سید اکبر) نے لیاقت علی خاں کو گولیاں ماری تھیں وہ افغانستان کا باشندہ اور ایبٹ آباد میں مقیم تھا۔ حکومت پاکستان نے اس کی گزر اوقات کے لئے ماہانہ مشاہرہ مقرر کیا ہوا تھا۔ جب راولپنڈی کے جلسہ عام میں اس نے یہ واردات کی تھی تو بھگدڑ مچ گئی تھی۔ جس کے دوران ایک پولیس انسپکٹر نے اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔''

''لیاقت علی خاں قتل کیس'' کی تفتیش کرنے والے سی۔آئی۔ڈی انسپکٹر شیخ ابرار احمد کی کتاب ''نقوش زندگی'' کے حوالے سے ماہنامہ سرگذشت کی اکتوبر 98ء کی اشاعت میں قاتل سید اکبر کے متعلق چند دلچسپ حقائق پیش کئے گئے۔ ملاحظہ ہوں:

> ''خان لیاقت علی خاں کے قاتل سید اکبر نے اپنے ہاتھ سے اپنا شجرہ نسب لکھا تھا جس میں ممتاز ترین اسلامی جرنیلوں کے اسمائے گرامی تھے۔ اس نے اس شجرہ سے اپنے آپ کو منسلک کیا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے، شجرہ یوں تھا۔ خالد بن ولید، طارق بن زیاد، محمد بن قاسم،

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

لیاقت علی خان

عہد حیات: 1895ء۔ 1951ء

مملکت خداداد پاکستان کے پہلے وزیر اعظم۔ آزادی سے پہلے ہندوستان کا آخری تاریخی بجٹ پیش کرنے والے پہلے مسلمان وزیر خزانہ۔ ان کی ناگہانی موت کے وقت وطن عزیز کی عمر صرف چار سال، دو ماہ اور دو دن تھی

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم اور نواب رستم علی خاں کے دوسرے صاحبزادے، لیاقت علی خاں کرنال (بھارت) میں یکم اکتوبر 1895ء کو پیدا ہوئے۔ 1918ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ سے بی اے کرنے کے بعد انگلستان جا کر انرٹیمپل (Inner Temple) نامی تعلیمی ادارے میں داخل ہوئے اور قانون کی ڈگری حاصل کی۔

انگلستان میں قیام کے دوران ہی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ وطن واپسی کے بعد 1926ء میں یو پی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور 14 سال تک اس اعزاز کے حامل رہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد 1937ء میں مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے اور قیام پاکستان کے لئے قائداعظم محمد علی جناح کے شانہ بشانہ کام کیا۔ 1940ء میں انہیں مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی کا رکن منتخب کر لیا گیا۔ 26 دسمبر 1943ء کو قائداعظم نے انہیں اپنا دست راست قرار دیتے ہوئے فرمایا: ''انہوں نے دن رات کام کیا ہے اور کوئی اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ انہوں نے اپنے کندھوں پر کتنی بھاری ذمہ داریاں ڈال رکھی ہیں۔'' 1945ء میں شملہ کانفرنس میں مسلم لیگ کے نمائندے کی حیثیت سے حصہ لیا۔ 1946ء میں ہندوستان کی عارضی حکومت میں وزارت خزانہ کا قلمدان سنبھالا، اور پہلے ہندوستانی مسلمان کی حیثیت سے متحدہ ہندوستان کا آخری بجٹ پیش کرنے کا اعزاز...

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

بنجمین فندویان

عہد حیات: 1898ء۔ 1944ء

اس کے تخلیقی مرتبے اور حد سے بڑھی ہوئی حساسیت کو واضح کرنے کے لئے صرف "سیدھا سادا گیت" ہی کافی ہے۔ اس نظم میں وہ قاری کو باطن تک مخاطب کرتا ہے

1930ء میں "لینڈ اسکیپ" کے نام سے اس رومانین شاعر کی پہلی کتاب منظر عام پر آئی لیکن رومانیہ کے ادبی حلقوں نے بنجمین فندویان کو منظر عام پر نہ آنے دیا۔ اپنے ملک میں پذیرائی نہ ملی تو وہ فرانس چلا گیا۔ پیرس میں قیام کے دوران بنجمین Dadaist تحریک کا سرگرم کارکن بن گیا۔ 1915ء سے 1922ء تک مشہور رہنے والی یہ ادبی تحریک جنگ عظیم اول سے گھبرائے ہوئے ادیبوں کی پناہ گاہ تھی۔ فندویان نے ایک لمبا عرصہ اس تحریک کے بارے میں یورپ اور جنوبی امریکہ میں لیکچرز دیتے ہوئے گزارا۔ ساتھ ساتھ شاعری بھی جاری رہی۔ ایک نظم دیکھئے۔ اس کا نام ہے: "سیدھا سادا گیت"۔ لیکن یہ سیدھا سادا گیت قاری کی ذات کے پاتال میں بھونچال سا لے آتا ہے۔

"ایک شام میں یہاں سے چلا جاؤں گا
یہ جانے بغیر کہ کہاں جا رہا ہوں
اور۔۔۔ اس وقت ہوائی کی رت ہوئی
تو ایک خاموشی کے تلے میں دفن ہو جاؤں گا
جیسے کوئی مٹی کے نیچے دفن ہو جائے۔۔۔
اور تم شام کے وقت آؤ گی ہمیشہ کی طرح

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

محمود غزنوی، قائداعظم، بیرم خاں، سید اکبر۔ یہ شجرہ اس کے الجھے ہوئے ذہن کی غمازی کرتا ہے۔

لیاقت علی خاں اور بیگم لیاقت کے خلاف جو مضامین وغیرہ روزنامہ تعمیر راولپنڈی اور نوائے وقت میں شائع ہوئے ان تمام کے تراشے اس کے پاس تھے۔ وہ بیگم لیاقت علی خاں کی بے پردگی سے برہم تھا۔

چھوٹی ڈائری جو اس کی جامہ تلاشی کے وقت وقوعہ سے ملی وہ انتہائی معنی خیز تھی۔ ڈائری کے پہلے صفحے پر ایک آیت کریمہ درج ہے جس کے معنی ہیں "تو ہاں اس کو چاہیے اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑے جو آخرت کے بدلے دنیوی زندگی کو اختیار کیے ہوئے ہیں اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے مارا جائے یا غالب آ جائے تو ہم اس کو اجر عظیم دیں گے۔"

پاکستان کے غیور عوام نے بعد از شہادت لیاقت علی خان کی بے مثال قومی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں "شہید ملت" کا خطاب دیا جو ہمیشہ ان کے نام کا حصہ رہے گا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد لیاقت علی خاں کا قتل ہونا ننھے منھے پاکستان کے لئے سانحہ عظیم تھا۔ ایک ایسا سانحہ۔۔۔ جس کے حقیقی کردار آج تک عوام کے سامنے نہیں لائے گئے اور نہ ہی لائے جائیں گے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

بنجمین فندویان

عہد حیات: 1898ء۔ 1944ء

اس کے تخلیقی مرتبے اور حد سے بڑھی ہوئی حساسیت کو واضح کرنے کے لئے صرف "سیدھا سادا گیت" ہی کافی ہے۔ اس نظم میں وہ قاری کو باطن تک مخاطب کرتا ہے

1930ء میں "لینڈ اسکیپ" کے نام سے اس رومانین شاعر کی پہلی کتاب منظر عام پر آئی لیکن رومانیہ کے ادبی حلقوں نے بنجمین فندویان کو منظر عام پر نہ آنے دیا۔ اپنے ملک میں پذیرائی نہ ملی تو وہ فرانس چلا گیا۔ پیرس میں قیام کے دوران بنجمین Dadaist تحریک کا سرگرم کارکن بن گیا۔ 1915ء سے 1922ء تک مشہور رہنے والی یہ ادبی تحریک جنگ عظیم اول سے گھبرائے ہوئے ادیبوں کی پناہ گاہ تھی۔ فندویان نے ایک لمبا عرصہ اس تحریک کے بارے میں یورپ اور جنوبی امریکہ میں لیکچرز دیتے ہوئے گزارا۔ ساتھ ساتھ شاعری بھی جاری رہی۔ ایک نظم دیکھئے۔ اس کا نام ہے: "سیدھا سادا گیت"۔ لیکن یہ سیدھا سادا گیت قاری کی ذات کے پاتال میں بھونچال سا لے آتا ہے۔

"ایک شام میں یہاں سے چلا جاؤں گا
یہ جانے بغیر کہ کہاں جا رہا ہوں
اور۔۔۔ اس وقت ہوائی کی رت ہوئی
تو ایک خاموشی کے تلے میں دفن ہو جاؤں گا
جیسے کوئی مٹی کے نیچے دفن ہو جائے۔۔۔
اور تم شام کے وقت آؤ گی ہمیشہ کی طرح

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

محمود غزنوی، قائداعظم، بیرم خاں، سید اکبر۔ یہ شجرہ اس کے الجھے ہوئے ذہن کی غمازی کرتا ہے۔

لیاقت علی خاں اور بیگم لیاقت کے خلاف جو مضامین وغیرہ روزنامہ تعمیر راولپنڈی اور نوائے وقت میں شائع ہوئے ان تمام کے تراشے اس کے پاس تھے۔ وہ بیگم لیاقت علی خاں کی بے پردگی سے برہم تھا۔

چھوٹی ڈائری جو اس کی جامہ تلاشی کے وقت وقوعہ سے ملی وہ انتہائی معنی خیز تھی۔ ڈائری کے پہلے صفحے پر ایک آیت کریمہ درج ہے جس کے معنی ہیں ''تو ہاں اس کو چاہیے اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑے جو آخرت کے بدلے دنیوی زندگی کو اختیار کیے ہوئے ہیں اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے مارا جائے یا غالب آ جائے تو ہم اس کو اجر عظیم دیں گے۔''

پاکستان کے غیور عوام نے بعد از شہادت لیاقت علی خان کی بے مثال قومی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں ''شہید ملت'' کا خطاب دیا جو ہمیشہ ان کے نام کا حصہ رہے گا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد لیاقت علی خاں کا قتل ہونا ننھے منھے پاکستان کے لئے سانحہ عظیم تھا۔ ایک ایسا سانحہ۔۔۔ جس کے حقیقی کردار آج تک عوام کے سامنے نہیں لائے گئے اور نہ ہی لائے جائیں گے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

فیڈریگو گارشیا لورکا

عہد حیات: 1899ء ۔ 1936ء

اسپین کے اس عظیم شاعر اور ناقابل فراموش ڈرامہ نگار کے گیت آج بھی زندگی کے ساز کی دھنوں پر مچل رہے ہیں... یہ الگ بات کہ ان لافانی گیتوں کے خالق کو انتہائی بے دردی سے موت کے بازوؤں میں دھکیل دیا گیا

''لغات الادب'' میں لورکا کا عہد حیات 1899ء تا 1936ء درج ہے اور چونکہ یہ جدید تحقیقی کتاب حوالہ جاتی اہمیت کی حامل ہے لہٰذا میں اس میں دیے گئے سنین کو ہی درست تسلیم کرتا ہوں لیکن امرتا پریتم لکھتی ہیں کہ ''وہ 5 جون 1898ء کو پیدا ہوا۔''

اسپین کے رفیع الشان ادیب گارشیا لورکا کا بچپن اس کے باپ کے کھیتوں میں گزرا۔ صحت نہایت کمزور تھی شاید اسے سوچوں میں گم کر دینے میں اس کی جسمانی کمزوری اور طبعی تساہل کا بھی ہاتھ ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ ہر وقت غور و فکر میں مشغول رہتا تھا۔ لورکا کی سب سے بڑی مصروفیت کلاسیکی اور رومانوی ادب کا مطالعہ تھی لیکن اس سرگرمی نے ایک نیا رخ اس وقت اختیار کیا جب وہ موسیقی کی طرف راغب ہوا۔ یہی رغبت بعد میں اس کی تخلیقات میں موسیقیت کے عنصر کی نمود کا مستقل محرک ثابت ہوئی۔ رفتہ رفتہ وہ بطور شاعر اور ڈرامہ نگار ملک بھر میں معروف ہونے لگا اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اسپین کے ہر خاص و عام کی زبان پر اس کے لکھے گیت اور نظمیں رواں ہوئیں۔ بیسویں صدی کے دوسرے عشرے تک وہ اسپین کے ساتھ ساتھ جنوبی امریکہ میں بھی ہر کسی کی آنکھ کا تارا بن گیا۔

''لغات الادب'' کے مطابق ڈرامائی ادب میں اس کا شاہکار'' Blood Wedding

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

اور ایک ٹھنڈی پرچھائیں تمہارے ساتھ آئے گی
۔۔۔ پانی میں ڈوبتے ہوئے پتوں کی طرح
اور تم۔۔۔ سب کچھ بجھ جاؤ گی
''کچھ'' میرے سر میں جلتا رہے گا
ایک پگھلی موم بتی کی طرح۔۔۔
اور تم کسی سے بھی نہیں پوچھ سکو گی
کہ تمہاری ٹانگوں کے گھٹنے، کانوں کے بندے اور حسین روح
آج اتنے بوجھل کیوں ہیں۔۔۔
نئے افق۔۔۔ نئے لفظوں کو تلاش کرتے
شاید تمہارے اندر۔۔۔
کانوں کو کچھ سنائی نہ دے
یا کچھ جھکڑ کی طرح چلے۔۔۔
لیکن میں۔۔۔ انسان کی ایک چیخ کی طرح
تم سے پیار کرتا رہوں گا
اور ہر اس پتھر سے پیار کرتا ہوں
جس پر ایک یہودی کا نام کھدا ہے۔۔۔
غربت کے قبرستان میں
شہر کی مکھیوں کا چھتہ
جو ہر پتھر تک پھیلتا جاتا ہے
عجیب منظر ہے۔۔۔
یہ دنیا کا مروڑا ہوا نقشہ ہے
میں موت سے، اب اور چھپا نہیں رہ سکتا

''ایک اداس کتاب'' میں امرتا پریتم نے لکھا کہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے رومانیہ کے اس عظیم شاعر کو فرانس نے اپنی شہریت دی اور اسے فرانسیسی شاعر تسلیم کر لیا گیا۔ بعد ازاں فرانسیسی فوج کی طرف سے لڑتا ہوا یہ نازیوں کے ہاتھ لگ گیا۔ نازیوں نے بنجمین فندویان کو ایسی ایسی اذیتیں دیں کہ موت بھی کانپ اٹھی۔ آخر کار 1944ء میں اسے ایک گیس چیمبر میں قید کر کے ہلاک کر دیا گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

جیولیس فیوچک

عہد حیات: 1903ء۔ 1943ء

وہ کہتا تھا کہ "لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے صدیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ آگے بڑھنے کے لئے انسان جیلوں کی کتنی کوٹھریاں پار کر چکا ہے اور کتنی ابھی پار کرنا باقی ہیں"؟

چیکوسلواکیہ کا یہ عظیم مفکر اور باغی 23 فروری 1903ء کو پیدا ہوا۔ جیولیس فیوچک کو اپنے سیاسی خیالات کے باعث کئی مرتبہ جیل جانا پڑا۔ چیکوسلواکیہ پر نازی قبضے کے بعد گسٹاپو نے اسے 24 اپریل 1942ء کو پراگ کی پے کرٹیس گسٹاپو جیل میں بند کر دیا۔ نہایت خوفناک اور بھیانک اذیتیں دیں۔ 25 اگست 1943ء کو نازی عدالت نے فیوچک کو موت کی سزا سنائی۔ سات ستمبر تک اسے موت کا انتظار رکرنا تھا۔ آٹھ ستمبر کو کہانی ختم تھی۔

نزدیک آتی ہوئی سزائے موت کے پاؤں کی آہٹ سنتے ہوئے اور جیل میں اپنے آخری ایام گزارتے ہوئے چیکوسلواکیہ کے اس عظیم ادیب نے جو چند اوراق لکھے وہ ہمیشہ کے لئے تھے اور ہمیشہ کے لئے ہیں۔

"ایک اداس کتاب" ہمیں بتاتی ہے کہ جیل کا مہربان چیک سنتری اے۔ کولینسکی فیوچک کو کاغذ اور قلم فراہم کرتا تھا۔ یہی سنتری اس کے لکھے اوراق کو محفوظ بھی کرتا رہا۔ فیوچک شاعر نہیں تھا لیکن اس کی نثر بھی نظم کی سی شان لئے ہوئے ہے۔ اس کے خیالات بطور مفکر اس کی شخصیت کو واضح کر کے ہمارے قلب و ذہن پر جگمگا دیتے ہیں۔ فیوچک کی جیل کی ڈائری سے کچھ سطریں پیش ہیں جو یقیناً آپ کو اداس کر دیں گی۔

"کانوں میں آواز پڑتی ہے

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

...رخ کے بڑے محل

ہے جو 1939ء میں شائع ہوا۔ اپنی اس تخلیق میں اس نے اسپین کی پسی ہوئی اور فرسٹریشن کا شکار عورت کی زندگی کے پاتال میں جھانکنے کی گرانقدر اور کامیاب کوشش کی ہے۔ 1934ء سے 1940ء تک اس کی منظوم اور ڈرامائی تخلیقات کے علاوہ بھی گیتوں کے مجموعے بار بار شائع ہوئے۔ اس کی نظمیں اور گیت آج بھی اسپین میں اسی طرح مقبول ہیں جس طرح اس کی زندگی میں تھے۔

لورکا کی موت پر بہت سے شعراء، ادباء اور دانشوروں نے اپنے اپنے انداز میں اسے خراج تحسین پیش کیا۔ اس سلسلے میں امرتا پریتم نے جیوفرے نامی مغربی شاعر کے دو بند ترجمہ ونقل کئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

وہ جنرل اور کرنل جنہیں یہ ڈر تھا
کہ وہ ان کے نام اپنی نظم میں لکھے گا
اور ایک گھٹیا جنرل نے اس کی موت کا فیصلہ سنایا!
لیکن ... بکھر کے اس طرف
... دوستوں، مزدوروں اور کسانوں نے
اس کے گیتوں کو چھوا
اس ... گیتوں کی گونج سے بھر گیا
اور ... خیال میں اس کا خاتمہ نہیں تھا
اور ... 1936ء کی بھیانک شام تھی

... جب اسپین میں خانہ جنگی کا آغاز ہوا تو اسے میکسیکو جانے کی دعوت ملی۔ ... فاشسٹوں کے حملوں کے خوف سے اسے اپنے گھر میں پناہ دی۔ ایک دن ... وہی دن اس کی زندگی کا آخری دن ثابت ہوا۔ مسلح حملہ آوروں نے گھر پر ... باہر لے گئے۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ کا مہیب شور فضا میں بلند ہوا۔ ... اپنے دوستوں کے گھر... اور اپنی پناہ گاہ کے قریب کھڑے درختوں ...

0000

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

ای یک سا

عہد حیات: 1905ء۔ 1944ء

اس شاعر کو گھٹنے ٹیکنے کے لئے بھی زمین نہیں ملی۔ آہنی قوس قزح کا تصور ذہن میں رکھ کر بھلا وہ اور کب تک جی سکتا تھا؟ لہٰذا انہوں نے مار ڈالا

کوریا کا یہ حساس شاعر 1905ء میں پیدا ہوا۔ حصول تعلیم کے بعد پیکنگ یونیورٹی میں سماجیات کی تدریس پر مامور کر دیا گیا۔ اپنی سلگتی ہوئی فکر، انتہائی حساس طبیعت اور زہر میں ڈوبے ہوئے خیالات کے باعث وہ ''اُن'' کی نظروں میں کھٹکنے لگا۔ جن دنوں وہ پیکنگ یونیورسٹی میں سماجیات کا استاد تھا، اس نے ایک نظم کہی، اس نظم کا عنوان ہے: ''عروج''۔

''کڑاکے کی رت کا مارا
میں اور شمال کی طرف دھکیل دیا گیا
کہرا، تلواروں کی دھار جیسا
جہاں میں کھڑا ہوں
اور جہاں پہاڑی زمین سونے پن کے گھیرے میں آ جاتی ہے
پتا نہیں چلتا
گھٹنوں کو کیسے ٹیکوں؟ کہاں؟
اور زچ ہوئے پیروں کو کیسے رکھوں؟ کہاں؟
صرف آنکھوں کو بند کروں
اور سوچوں کہ موسم سرما

جب سورج کی گرمی اور تاروں کی روشنی
ہم سے چلی جاتی ہے---چلی جاتی ہے
اونچے آسمان میں---کھلے آسمان میں
جہاں رات کا اندھیرا نہیں
صرف دن کی روشنی۔حد سے زیادہ روشنی
دو آدمی موت کا یہ گیت گا رہے ہیں
لیکن وہاں صرف وہ ہیں اور میں
بھلے لوگو! میں ابھی مرا نہیں زندہ ہوں
مجھے ابھی مت دفناؤ!
وہ میری آواز نہیں سن سکتے
کیا میں سچ مچ مر گیا ہوں
کیا میرا جسم اسی طرح منہ کے بل پڑا رہے گا
اور میں اپنا دفنایا جانا دیکھتا رہوں گا؟''

25 اگست 1943ء کے عدالتی فیصلے پر عمل کرتے ہوئے جولیس فیوچک کو 8 ستمبر 1943ء کو گولی مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔''اک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی۔''

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

موسیٰ جلیل

عہد حیات: 1906ء۔1944ء

موت لمحہ بہ لمحہ نزدیک آ رہی تھی۔ لیکن وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی... کھلے ذہن کے ساتھ، شگفتہ روح کے ساتھ... چھوٹے چھوٹے کاغذوں پر بڑی بڑی نظمیں لکھ رہا تھا۔ وہ واقعی عظیم تھا

تاتاری ان اقوام کا مجموعی نام ہے جنہوں نے تیرہویں صدی عیسوی میں منگولوں کی زیر قیادت ایشیاء اور یورپ کے بعض علاقوں کو تاراج کیا۔ جب حملوں کا ریلہ مشرق کی طرف مڑ گیا تو بھی وہ تقریباً پورے روس اور سائبیریا پر حکمرانی کرتے رہے۔ سائبیریا ایک عرصے تک ''تاتار'' اور کریمیا ''تاتار خرد'' کے نام سے مشہور رہا۔ روس کی پوری تاریخ پر تاتاریوں کا بڑا اثر ہے۔ یہ لوگ ایک ترکی بولی بولتے ہیں اور زیادہ تر مسلمان ہیں۔ یہ تمہیدی سطور اس لئے ضروری محسوس ہوئیں کہ موسیٰ جلیل کو تاتار شاعر اور انقلابی لکھا جاتا ہے۔ جناب احمد سلیم لکھتے ہیں کہ موسیٰ جلیل ایک تاتار شاعر تھا جو 1906ء میں پیدا ہوا۔ امرتا پریتم کا کہنا ہے کہ موسیٰ کا جنم اورن برگ کے قریب ایک گاؤں مصطفینو میں ایک کسان گھرانے میں ہوا۔ وہ مزاجاً شاعر اور سیاسی حوالے سے کمیونسٹ خیالات رکھتا تھا۔

ابتدائی تعلیم مکمل کر کے جلیل نے ماسکو یونیورٹی میں ادب کا مطالعہ کیا۔ 1931ء میں تعلیمی سرگرمیاں موقوف کر کے مختلف اخبارات و جرائد میں کام کرتا رہا۔ اس دوران میں وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کے باعث تاتار ادیبوں کی اولین صف میں ممتاز ہو چکا تھا۔

دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو موسیٰ جلیل کی سرگرمیاں ادب اور صحافت کے میدان

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

۔۔۔لوہے کی ایک قوس قزح ہے۔۔۔

یہ اتنا ننگا سچ تھا کہ بند کمروں میں جھوٹ بولنے والوں کو گوارا نہ ہوا۔ 1944ء کو ملٹری پولیس نے پی یک سا کو گرفتار کر لیا اور اذیتیں دے دے کر موت کی وادی میں اتار دیا۔ آج ان سپاہیوں کا کوئی نام بھی نہیں جانتا لیکن پی کی ہر سطر زندہ ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

اس کا احساس مجھے پہلی مرتبہ اس وقت ہوا جب میں نے اپنی ننھی منھی چلپا نو چکا سے رخصت ہونا چاہا۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اس کی مسہری سے الگ کیا۔ وہ سوئی ہوئی تھی۔ ہم پس و پیش میں پڑ گئے اسے اٹھایا جائے یا نہیں؟ اسے اٹھاتے ہوئے ہمیں رحم آ رہا تھا۔۔۔ لیکن نہ اٹھانے پر بھی افسوس ہو رہا تھا۔ اسے چھوڑتے ہوئے میں کیسے کرب میں مبتلا تھا۔

اگر ہم جگاتے تو یقیناً اس بات کا احساس کر کے کہ کیا ہو رہا ہے وہ رونے لگتی۔ مجھ سے بچھڑنا اس کے لئے بے حد تکلیف دہ ہوتا۔ اسے بخار تھا لیکن وہ ہمارے ساتھ چلنے کے لئے بضد ہوتی اور اگر ہم اسے نہ اٹھاتے تو وہ جاگنے پر پوچھتی: ابو کہاں ہیں اور یہ جان کر اسے دکھ ہوتا کہ وہ مجھے رخصتی پیار بھی نہ کر سکی اور نہ ہی میری آنکھوں میں جھانک کر پیار سے مجھے رخصت کر سکی۔

ہم نے اسے اٹھا دیا، نیند میں مدہوش وہ سمجھ نہ سکی کہ کیا ہو رہا ہے: ''چلپا نو چکا! بیٹی میں جا رہا ہوں! جاؤں نا بیٹی؟''

آنکھیں کھولے بغیر اس نے ثبات میں سر ہلا دیا۔ تو اب میں جا سکتا ہوں۔ میری چھوٹی ننھی منی بیٹی اپنے باپ کو ملک کی خاطر لڑنے کے لئے بھیج رہی تھی۔

یہ ایک جذباتی لمحہ تھا۔ اگر میں اس سفر سے لوٹ کر آ بھی نہ پاؤں اور اسے میرے مبہم تخیل کے سہارے جوان ہونا پڑے تب بھی جدائی کے موقع پر اس کا آخری جواب ہمیشہ اس کی زندگی کا اہم ترین لمحہ رہے گا۔ اپنے باپ سے بچھڑ کر بھی وہ ہمیشہ خود پر فخر محسوس کرے گی کہ خود اس نے اپنے باپ کو عظیم جنگ میں حصہ لینے کی اجازت دی تھی۔۔۔

جب بھی میں چلپا نو چکا کے بارے میں سوچتا ہوں، مجھے بڑا رنج ہوتا ہے۔ مجھے یہ خوف نہیں ستاتا کہ میں مر جاؤں گا۔ یہ خالی خولی الفاظ نہیں ہیں، جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم موت کو حقیر سمجھتے ہیں تو صداقت بھی ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی خود کو خطروں میں گھرا پا کر موت سے خوف محسوس کیا ہو۔ وطن کی خاطر مر مٹنے کا عظیم احساس ذاتی خوف پر چھا جاتا ہے۔ جب موت کا خیال آتا ہے تو ہم اپنے آپ سے کہنے لگتے ہیں۔ موت کے بعد بھی، لحد سے باہر بھی ایک اور زندگی موجود ہے۔ اس دنیا کی زندگی نہیں جس کی تبلیغ پادری اور ملا کرتے ہیں، مجھے اس پر یقین نہیں، لیکن لحد کے باہر بھی موت کے بعد بھی ایک اور زندگی موجود ہے۔ بعد از مرگ جو عوام کے دل [illegible] ان کے [illegible] میں جگہ باقی ہے۔ اگر میں نے اس زندگی

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

تک محدود تھیں اور جز وقتی سیاست اس کا مشغلہ تھا۔ لیکن جب ہٹلری افواج نے سوویت یونین پر حملہ کیا تو وہ ایک سپاہی کی حیثیت سے فوج میں شامل ہو گیا اب اس کی سیاسی سرگرمیاں بھی تیز رفتار ہوئیں اور محاذ جنگ کے اخبار ''بہادری'' کے لئے بطور جنگی نامہ نگار بھی اس نے اپنا کردار بھرپور انداز میں ادا کرنا شروع کیا۔ خطروں کی گود میں بیٹھ کر ملکی وقائع اور صحافتی فرائض کے تقاضے پورے کرنے کے ساتھ ساتھ موسیٰ جلیل اپنی روح کے تقاضوں کو بھی فراموش نہ کر سکا۔ اس زمانے میں اس نے جو گیت لکھے ان کا موضوع عوام کی بہادری اور فتح میں اس کا ایقان ہے۔ گھر سے جانے کے بعد دوران سفر اور محاذ جنگ سے وہ اپنے پیاروں کو گاہے گاہے خطوط بھی لکھتا رہا۔ ذیل میں ہم ایسا ہی ایک خط پیش کر رہے ہیں۔ یہ خط جو موسیٰ جلیل نے اپنی بیوی امینہ جلیل کے نام لکھا اس عظیم شاعر اور انقلابی کی زندگی کے متعدد گوشوں پر روشنی ڈالتا ہے۔

12 جنوری 1942ء

میں ڈائری نہیں لکھتا اور نہ اس کی خواہش ہوتی ہے میں اس کے لئے نہ تو خود کو مجبور کر سکتا ہوں اور نہ کروں گا۔

تاہم زندگی میں بعض لمحات ایسے بھی آتے ہیں جب دل و دماغ پر خیالات اور جذبات کی یورش ہونے لگتی ہے اور دل چاہتا ہے کچھ لکھا جائے۔۔۔ ڈائری یا شاید خط!

۔۔۔تم سے جدائی میری زندگی کا مشکل ترین لمحہ تھا۔ میں اسے بھول نہیں سکتا۔ جی چاہتا ہے میں تمہیں اس کے بارے میں لکھوں۔۔۔

اس سے پہلے بھی ہم دو مرتبہ بچھڑ چکے ہیں۔ لیکن اس وقت جب میں محاذ پر جا رہا تھا یوں لگتا ہے جیسے اس آخری جدائی کا غم اس سے کئی سو گنا زیادہ تھا۔ کیوں۔۔۔ یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔ بلکہ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ کسی بدشگونی کا پیش خیمہ ہو۔ مجھے ہمیشہ سے اس بات پر یقین رہا ہے اور آج بھی ہے کہ دل آئندہ پیش آنے والی مصیبتوں کا الہام کر لیتا ہے۔ (یہ ایک جبلی احساس ہے جو انسانوں میں موجود ہوتا ہے)۔

چونکہ جدائی والے دن میرے غم زدہ یا جذباتی ہونے کی کوئی وجہ موجود نہ تھی اس لئے شکوک و شبہات مجھے ستانے لگے۔ کیا ان اندیشوں کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں یا چلپان کو پھر کبھی نہیں دیکھ سکوں گا۔ یہ ایک سرسری سا خیال تھا جو مجھے آیا۔ اتنا غم زدہ ہونے کی کیا بات تھی؟ لیکن تم لوگوں سے جدا ہونا کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔۔۔

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

ساری قوت سے چیخنے لگتی ہے کیونکہ اپنی بچی سے میری محبت اس محبت سے کہیں زیادہ مضبوط ہے جو مجھے موت سے ہے۔۔۔

۔۔۔ یہ میری فطرت ہے جنگ کے ان سنگین لمحوں میں، میں نے اپنی جذباتی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے پورے پورے صفحے سیاہ کر دیئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرے پاس خاصا فاضل وقت ہے (جب ہم عقب پر ہوتے ہیں تو واقعی ہمارے پاس وقت ہوتا ہے) لیکن اس کے لئے میں خود کو لعنت ملامت نہیں کروں گا۔ صرف جذبات اور احساسات سے بھرا ہوا دل ہی عظیم کارنامے انجام دے سکتا ہے۔ جلد ہی محاذ جنگ پر چلا جاؤں گا اور تم دیکھو گی۔۔۔ یہ خوابیدہ جذباتی روح تمہیں بتا دے گی کہ وہ کیا کچھ کر سکتی ہے۔

جان! اس وقت تک کے لئے۔ فتح کے لمحوں تک کے لئے رخصت!

1942ء میں موسیٰ جلیل شدید زخمی ہوا اور بدقسمتی سے دشمنوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اسے پولینڈ میں ہیلم کے قریب واقع ایک قیدی کیمپ میں بند کر دیا گیا۔ اسی سال کے آخر میں اسے جنگی قیدیوں کے مستقل کیمپ میں منتقل کر دیا گیا۔ 1943ء میں اسے برلن کے دستراؤ کیمپ میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں اس نے ایک خفیہ جماعت قائم کی اور سوویت جنگی قیدیوں کو فرار ہونے میں مدد دی۔ ایک غدار کی مخبری کے باعث ان سرگرمیوں کا احوال دشمنوں تک پہنچ گیا اور جلیل گسٹاپو کے گھیرے میں آ گیا۔ اب تو گویا اس پر اذیتوں کے پہاڑ ٹوٹ گرے۔ اسے موبت جیل کے ''سنگی تھیلے'' میں بند کر دیا گیا۔ اس قید کے دوران امرتا پریتم کے بقول اس عظیم شاعر نے 115 نظمیں اور گیت تخلیق کئے۔ احمد سلیم لکھتے ہیں کہ زندگی کی آخری ساعتوں میں بھی اس نے اپنی فکری جدوجہد جاری رکھی۔ وہ کاغذ کے پرزوں پر نظمیں لکھتا، گھسٹ گھسٹ کر کھڑکی کی سلاخوں تک پہنچتا اور نگرانوں کی آنکھوں سے بچ کر برابر کی کھڑکی میں محبوس ساتھیوں کو یہ نظمیں مصرعہ بہ مصرعہ لکھوایا کرتا۔ چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

''قاتلو! مجھے گھٹنوں کے بل دیکھنے کی
۔۔۔ بے کار کوشش مت کرو!
تمہارا، لہو سے بھرا ہتھوڑا
میری آنکھ نہ جھپکائے
میں بیٹھ کر نہیں، کھڑا ہو کر مروں گا۔۔۔''

امرتا کہتی ہیں کہ آخر کار 1944ء میں ڈریسڈن کی عدالت نے اسے گولی سے اڑا

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

میں ایسا کوئی کارنامہ کیا ہے تو مجھے یہ "بعد از مرگ زندگی" ملے گی۔ کیونکہ لوگ میری باتیں کریں گے۔ میرے بارے میں لکھیں گے۔ میری تصویریں بنائیں گے۔ اگر میں نے خود کو اس کا اہل ثابت کیا ہے تو پھر موت سے کیوں ڈروں؟

زندگی کا نصب العین یہی ہونا چاہیے، ایسی زندگی جو امر بن جائے، جب میں اپنے بارے میں یہ سوچتا ہوں کہ میں حب الوطنی کی اس عظیم جنگ میں لڑتا ہوا شہید ہو چکا ہوں، تو مجھے اپنے انجام پر افسوس نہیں ہوتا۔ کسی نہ کسی وقت میرے ارضی وجود کو فنا ہونا ہے۔ فطرت کے قوانین کبھی نہ کبھی تار زندگی نوچ لیں گے۔ لیکن شاید اس وقت تک میں بوڑھا ہو جاؤں۔ شاید میں بڑھاپے میں مروں۔ اگر میں تیس چالیس سال تک زندہ رہوں گا تو شاید میں بہت اچھی اچھی چیزیں لکھ جاؤں۔ سماج کو فائدہ پہنچاؤں۔ یقیناً ایسا ہو سکتا ہے۔ ہم جتنا عرصہ رہیں، جتنا زیادہ کام کریں۔ ہم سماج کے لئے اتنا ہی مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم موت سے خوفزدہ نہیں تو اس کا لازماً یہ مطلب نہیں کہ ہم زندہ رہنا نہیں چاہتے یا ہم اس سے لاتعلق ہیں۔ ایسا نہیں ہے ہمیں زندگی عزیز ہے، ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اسی لیے ہم موت کو حقیر سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر موت ناگزیر ہو جائے (مثلاً اپنے ملک کے لیے لڑتے ہوئے جان دینا) تو پھر یہ شاندار موت اس سے کہیں زیادہ (یا شاید اتنی ہی) اچھی ہے جو تیس چالیس سال تک چپ چاپ کام کرتے گزرے۔ تب ہمیں اس بات سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں رہے گی کہ ہم جوانی میں مر جائیں گے۔

"وہ اپنے ملک کے لئے زندہ رہا۔ اپنے ملک کے لئے کام کرتا رہا اور جب ملک نے چاہا اس نے اپنی زندگی قربان کر دی"۔ اسی قسم کی موت ندگی کو امر بناتی ہے۔

یہ میری منطق ہے۔۔۔ میرے اپنے سوچنے کا انداز ہے۔۔۔ موت ہمیں ڈرا نہیں سکتی۔ ہم نہ صرف اس طرح اس کی توضیح کرتے ہیں بلکہ ہم اسے محسوس بھی کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سوچ ہمارے کردار کا حصہ بن چکی ہے، ہمارے خون میں رچ بس گئی ہے۔

لیکن بعض ایسے لمحات میری زندگی میں آتے ہیں جب میں چلپا نوچکا کے بارے میں سوچتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ وہ یتیم ہو جائے گی۔ میں سوچتا ہوں یہ جدائی دائمی جدائی تو نہیں۔ مجھ پر خوف غالب آ جاتا ہے میں ساری مصیبتیں، ساری اذیتیں برداشت کر سکتا ہوں لیکن میری روح کبھی بھی اس بات کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتی کہ 8 جنوری 1942ء کی رات کو چلپان نے اپنے باپ کو ہمیشہ کے لئے رخصت کیا تھا۔ میری روح اپنی

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

شیخ حسن البناء

عہد حیات: 1906ء۔ 1949ء

مصر کی مشہور زمانہ تنظیم اخوان المسلمون کے بانی، جید عالم اور کئی کتابوں کے مصنف۔ ایک مصری وزیر اعظم کے قتل کے بعد آپ کو سرِ راہ شہید کر دیا گیا

حسن البناء 1906ء میں سکندریہ کے نواحی قصبے محمودیہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر رہ کر حاصل کی۔ بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور بعد ازاں مختلف تعلیمی اداروں سے ثانوی اور اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

جولائی 1927ء میں آپ نے دار العلوم قاہرہ سے سند فراغت حاصل کی اور اسمٰعیلیہ میں معلم ہو گئے۔ اس دوران میں آپ نے لوگوں کے ذہنی و معاشرتی حالات کا بھرپور مطالعہ کیا تاکہ دعوت و تبلیغ کے لئے ایسا اسلوب اور طریق کار اختیار کریں جو زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہو سکے۔ چنانچہ انتہائی غور و فکر کے بعد آپ نے مسجدوں کی بجائے قہوہ خانوں میں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔

مارچ 1929ء میں اخوان المسلمون کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۱ اپریل 1929ء کو قیام کا رسمی اعلان ہوا۔ 1933ء تک جماعت کا کام اس حد تک بڑھا کہ تھوڑے عرصے کے بعد آپ کو معلمی کا منصب ترک کر کے ہمہ تن تحریک کے لئے وقف ہونا پڑا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران اس تحریک نے مصر سے انگریزوں کے اخراج کا مطالبہ اور جذبہ، کمال تک پہنچا دیا۔ اسی باعث حسن البناء کے ساتھ حکومت کا رویہ خاصا سخت ہو گیا۔ اس زمانے میں اخوان کی سرگرمیوں کو سختی سے دبا دیا گیا اور اس تنظیم کی حکومت کے ساتھ کشمکش اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

دینے کی سزا سنائی اور سال کے آخر میں موسیٰ جلیل کو قتل کر دیا گیا۔

احمد سلیم کا بیان ہے کہ 7 فروری 1944ء کو سپریم امپیریل ملٹری کورٹ نے اسے سزائے موت دی۔ اس سزا پر 25 اگست 1944ء کو عمل کیا گیا اور موسیٰ جلیل کو برلن کی اسپنڈ جیل میں پھانسی دی گئی۔

بعد از موت اسے ''ہیرو آف دی سوویت یونین'' اور ''لینن ادبی انعام'' جیسے اعزازات سے نوازا گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

سید قطب شہید

عہد حیات: 1906ء۔1966ء

مصر میں فرعونی تہذیب کے دوبارہ احیاء کے مخالف۔ اسلام پرست تنظیم اخوان المسلمون کے رہنما۔ ممتاز صحافی، جید عالم دین اور مشہور شاعر جنہیں صدر ناصر پر تنقید کی پاداش میں موت تک لے جایا گیا

علامہ سید قطب شہید 1906ء میں مصر کے ضلع سیوط میں موشا کے مقام پر پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ ثانوی تعلیم کے بعد 1929ء میں قاہرہ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ 1933ء میں بی اے کی ڈگری لی۔ خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اسی بنا پر پہلے پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں اور بعد ازاں وزارت تعلیم میں انسپکٹر آف سکولز کے عہدے پر تعینات ہوئے۔ سرکاری اخراجات پر دو سال تک امریکا کے مختلف کالجوں میں جدید تعلیم کے مطالعہ کا موقع ملا۔ امریکا سے واپسی پر 1945ء میں اخوان المسلمون میں شمولیت اختیار کی۔ "مصر میں اسلام اور اشتراکیت کی کشمکش" نامی کتاب کے مولف غلیل حامدی کے مطابق سید قطب شہید 1953ء میں اخوان کے باضابطہ ممبر بنے) شاہ فاروق کی حکومت اس تنظیم سے خوفزدہ تھی۔ چنانچہ اس کے بانی حسن البنا کو 1949ء میں شہید کر دیا گیا۔ اور حکومت وقت نے اس تنظیم کو خلاف قانون قرار دیا۔ 1952ء میں پھر اس تنظیم کو بحال کر دیا گیا۔

اخوان المسلمون کی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے اخوان کی مجلس دعوت اسلامی نے انہیں "اخوان المسلمون" کا مدیر اعلیٰ مقرر کیا۔ اس رسالہ میں جمال عبدالناصر کی حکومت پر

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

8 دسمبر 1948ء کو محمود فہمی النقراشی وزیراعظم مصر نے اخوان المسلمون کو غیر قانونی تنظیم قرار دے دیا۔ اسی ماہ کے آخر میں وہ مارا گیا۔ اس قتل کا الزام حسن البناء پر عائد ہوا اور بظاہر اسی کے انتقام میں آپ "12 فروری 1949ء کو قاہرہ کی سب سے بڑی شاہراہ پر گولی مار کر شہید کر دیئے گئے۔"

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

شاہ فیصل بن عبدالعزیز

عہد حیات: 1906ء۔ 1975ء

عالم اسلام کے بطل جلیل اور سعودی عرب کے فرمانروا، اسلامی دنیا کے اتحاد کے لئے ان کی خدمات بے شمار اور بے مثال ہیں

داعی اتحاد عالم اسلامی شاہ فیصل 1906ء کو ریاض میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت کے مراحل انتہائی قابل اساتذہ کے فیض سے اپنے عظیم والد شاہ عبدالعزیز کی نگرانی میں طے کئے۔ 1926ء میں آرمی کی کمانڈ سنبھالی۔ 1934ء میں یمن کے ساتھ سرحدی معاملات طے کئے۔ بعد ازاں اپنی اہلیت اور بصیرت کے باعث حجاز کے گورنر بنائے گئے۔ 1964ء میں اپنے بھائی شاہ سعود کو معزول کر کے سعودی عرب کے بادشاہ بنے اور محافظ حرمین الشریفین کے لقب سے ملقب ہوئے۔ شاہ فیصل اشتراکیت و صیہونیت کے سخت دشمن تھے اور یہ ابلیسی طاقتیں بھی ان کی مخالفت تھیں۔ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک موقع پر 25 مارچ 1975ء کو اپنے بھتیجے فیصل بن مساعد کے ہاتھوں گولی کا نشانہ بن کر شہید ہوئے۔ معروف عرب سوانح نگار حسین الططاوی لکھتے ہیں: ''شاہ فیصل مرحوم کا جسد خاکی آخری سفر کے دوران انسانوں کے سمندر سے گزرا۔ ایسے سمندر سے جس کی لہریں بے چین و بے تاب تھیں۔ صدمہ رسیدہ انسان جن کے ہوش وحواس معطل تھے وہ ایک فرض کے لئے۔۔۔ خواہ وہ کتنا ہی تلخ کیوں نہ تھا۔۔۔ متحرک تھے۔ وہ اپنے محبوب قائد کو ہمیشہ کے لئے رخصت کر رہے تھے۔۔۔ الوداع کہہ رہے تھے۔''

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

کڑی تنقید کی جاتی تھی۔ اسی بنا پر حکومت نے یہ رسالہ بند کرنے کے ساتھ ساتھ تنظیم کو دوبارہ خلاف قانون قرار دے دیا اور سید قطب سمیت اخوان کے پچاس ہزار کارکنوں کو گرفتار کر لیا۔ سید قطب شہید کو مصر کی مختلف جیلوں میں رکھا گیا۔ اور اس دوران ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے گئے۔ 1955ء میں مصر کی عدالت نے انہیں 15 سال با مشقت کی سزا سنائی۔ قید کے دوران ہی انہوں نے قرآن پاک کی تفسیر فی ظلال القرآن مکمل کی۔ 1964ء میں انہیں عراق کے صدر عبدالسلام عارف کی درخواست پر گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب فوجی عدالتوں میں اخوان کے کارکنوں پر مقدمات چلائے گئے تو سید قطب اور ان کے دو ساتھیوں کو موت کی سزا دی گئی۔ 25 اگست 1966ء کو انہیں شہید کر دیا گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

گئی۔ 23 مارچ 1931ء کو لاہور سنٹرل جیل میں بڑی بے باکی سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پھانسی کے تختے پر شہید ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ انہیں شہید کرنے کے بعد انگریزوں نے عوامی ردعمل کے خوف سے لاش ٹھکانے لگانے کا ایک بھیانک منصوبہ بنایا۔ اس منصوبے پر عمل کرتے ہوئے گورے بھگت سنگھ کی لاش کو ٹکڑوں میں بانٹ کر ستلج کی لہروں کے حوالے کر رہے تھے کہ انہیں مشتعل ہجوم کے اس طرف آنے کی خبر ملی۔ حواس باختگی میں انگریز اہلکار باقی ماندہ لاش کو نذر آتش کر کے فرار ہو گئے۔ بعد ازاں اسی مقام پر آپ کی یادگار تعمیر کی گئی۔ بھگت سنگھ کی تحریک اور شہادت سے ہندوستان بھر میں آزادی کے حصول کی جدوجہد تیز ہو گئی۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

بھگت سنگھ

عہد حیات: 1907ء۔ 1931ء

ہندوستان میں انگریز راج کے بہت بڑے مخالف، عظیم انقلابی اور مزاحمتی شاعر جو "انقلاب زندہ باد" کے نعرے لگاتے ہوئے موت کی وادی میں اترے

بھگت سنگھ 27 ستمبر 1907ء کو ضلع لائلپور (فیصل آباد) کے گاؤں بنگا میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام کشن سنگھ اور والدہ کا اسم گرامی ودیاوتی تھا۔
نیشنل کالج لاہور کے طالب علم تھے۔ 1924ء میں جب آپ کی عمر صرف 16 سال تھی انقلابی تحریک میں شامل ہو گئے۔ آپ نے شادی کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی زندگی ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے وقف کر دی۔ دیگر انقلابی لیڈروں کے ساتھ ہندوستانی سوشلسٹ ریپبلکن آرمی قائم کی اور پنجاب، دہلی اور یوپی میں انقلابی سرگرمیوں کی تنظیم کی۔ آپ نے سائمن کمیشن اور اس کی سفارشات پر بطور احتجاج ایک تحریک چلائی۔ اپنے انقلابی ساتھیوں چٹرجی اور ایس ایل سانیال کو کانپور جیل سے آزاد کرانے کی کوشش کی جو کہ کاکوری ڈکیتی کیس کے سلسلے میں حراست میں تھے۔ آپ نے جے اے اسکاٹ میسر سپرنٹنڈنٹ پولیس لاہور کو جس نے نومبر 1928ء کو لاہور میں سائمن کمیشن کے خلاف ایک مظاہرے میں لالہ لاجپت رائے پر حملے کا حکم دیا تھا گولی سے ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا۔ 17 دسمبر 1928ء کو جے پی سانڈرس اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو ہلاک کیا۔ 18 اپریل 1929ء کو دہلی کی مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی میں بم پھینکا اور آزادی کے حق میں نعرے بلند کئے۔ نتیجے میں آپ کو گرفتار کیا گیا اور عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ بعد ازاں لاہور سازش کیس کے سلسلہ میں ایک خصوصی عدالت میں پیش کیا گیا اور ان کو سکھدیو اور راج گرو کے ساتھ سزائے موت دی

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

اپنے کسی ورق پر ہمارا بھی نام لکھو گی؟
پیاز اور روٹی کو سونگھ کر، ہم اس گیت کو بوتے رہے
اور زندگی کے چہرے پر پھنکارڈالتے رہے
اور شکر کرو تمہیں ہم کئی خبریں دیتے ہیں
تمہیں اس کی پیاس تھی، ہم اپنا لہو بہاتے رہے
شاعروں کا قلم ترقی کے گیت لکھے گا
لیکن درد کی لمبی داستان ان کہی رہ جائے گی۔۔۔"

نکولا واپتساروف ایسی ہی نظمیں تخلیق کرتا رہا، اور دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ 1940ء میں سوویت حکومت نے بلغاریہ کو دوستی کا سمجھوتہ کرنے کی پیش کش کی لیکن بلغاریہ کی فاشسٹ حکومت نے اسے ٹھکرا دیا اور سرکاری سطح پر اس بات کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی تاکہ عوام اس فیصلے کی مزاحمت نہ کریں۔ بلغاریہ کی محنت کش پارٹی نے مذکورہ بالا سوویت پیشکش اور بلغاریہ کی حکومت کے انکار کو عوام کے سامنے لانے کا فیصلہ کیا۔ پیرن کے علاقے میں افشائے راز کا یہ کام واپتساروف کو سونپا گیا۔ اس نے یہ ذمہ داری بھرپور انداز میں انجام دی اور مقامی لوگ حکومت کے خلاف غم وغصہ سے بھر گئے۔ حق گوئی اور بے باکی کے اس جرم کی پاداش میں نکولا کو 4 مارچ 1942ء کو گرفتار کر لیا گیا۔ 23 جولائی 1942ء کو فوجی عدالت میں مقدمہ شروع ہوا اور واپتساروف کو موت کی سزا سنائی گئی۔ یہ سزا سنتے ہی اس عظیم شاعر نے کہا: "اپنی دھرتی کا اچھا بیٹا ہونے کے ناطے میں فاشسٹ ظالموں سے نفرت کرتا ہوں۔ اس لئے میں نے یہ قدم اٹھایا تھا"۔ جس دن سزائے موت کا فیصلہ ہوا، اسی دن اسے گولیوں سے اڑا دیا گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

نکولا واپستا روف

عہد حیات: 1909ء۔1942ء

واپستا روف کی شاعری گہری انسان دوستی کی شاعری ہے۔ قوموں کے درمیان امن اور دوستی کے فروغ کی شاعری ہے۔ اس کا قلم امن اور انصاف کے لئے گہرا... بے حد گہرا یقین پیدا کرتا ہے

نکولا واپستا روف بلغاریا کا عظیم شاعر اور نا قابل فراموش انقلابی قرار دیا جاتا ہے۔ وہ پیرن نامی پہاڑ کے دامن میں آباد ایک چھوٹے سے قصبے بنیسکو میں 1909ء کو پیدا ہوا۔ ماں نے اسے کام، دوست اور سچائی سے پیار کرنے کی عادت کی گھٹی دی۔ بلغاریائی لوگوں گیتوں کی دھنوں پر ناچتا اور تھرکتا ہوا وہ بچپن کے حصار سے نکل کر لڑکپن کے دائرے میں آیا تو شکیسپیئر اور گوئٹے سے واقف ہوا۔ یہ امتیازی حوالہ ہی تھا جس کے باعث وہ دیگر دوستوں میں سانپ کی طرح پھن اٹھا کر بیٹھتا۔ باقی لڑکے کھیل کود کی باتیں کرتے اور وہ عالمی ادبیات عالیہ کے قصے سناتا۔

میکسم گورکی اس کا محبوب ادیب تھا۔ ولادیمیر مایا کوفسکی کی تحریروں سے اسے عشق تھا۔ وہ ان جہازیوں سے بھی بہت پیار کرتا تھا جو چوری چھپے مارکسی ادب اور سوویت اخبارات لاتے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ سرخ مارکسی رنگ میں رنگ گیا۔ اس کی تحریروں میں محنت کش طبقے کی تکالیف کے آثار اس طرح واضح طور پر نظر آتے ہیں جس طرح کسی اسی سالہ بوڑھے کے چہرے پر جھریاں۔ وہ لکھتا رہا، دردمندی کے ساتھ، لگن کے ساتھ، اور وقت گزرتا چلا گیا۔

اس کی ایک نظم کا عنوان ہے "تاریخ سے۔ چند سطریں ملاحظہ ہوں:

"ہم محنت کش گمنام ہیں، تم ہمارا ذکر کرو گی؟

کیا کہا جائے۔ یہ نظم دیکھئے:

"میں اونچا، سانس لیتا تھا سورج کے قریب
ہنگری! تو نے اپنے بیٹے کو زمین پر کیسے باندھا
دیکھ! میرے جسم پر پرچھائیوں کا لباس ہے
اور ڈوبتے سورجوں کی آگ میرے ہاتھ نہ سینکیں
چٹانیں بہت پرے ہیں اور آسمان بہت دور ہے
میں گونگے کنکروں کے پاتال میں گرا
شاید مجھے خاموش رہنا چاہیے
۔۔۔۔آج نظم کیوں لکھ رہا ہوں؟
زندگی کی بات کیسے چلی؟ کس نے چلائی؟
اور نظم کا سوال بھی کسی نے نہیں کیا
جانتا ہوں کہ ایک چیخ بھی بیکار ہے
وہ مٹی میں دفن نہیں ہوں گے
صرف ہوا، ہڈیوں کو بکھیر دے گی۔۔۔۔
لیکن پھر ایک پتھر میں سے گونج پیدا ہوگی
ان حرفوں کی، جو آج میں کہہ رہا ہوں
اور جو قد آور مرد ہوں گے اور جوان عورتیں
وہ سمجھ جائیں گے۔۔۔۔

رادنوتی مکلوش کا یہ یقین رنگ لایا کیونکہ وہ یقین کامل تھا۔ اس کے حرفوں کی گونج پتھریلے وقت کی سطح سے پیدا ہوئی اور سب نے اس گونج کا مفہوم سمجھا۔ 1930ء سے 1938ء کے دوران میں اس کی شاعری کے پانچ مجموعے شائع ہو کر مقبول خاص و عام ہوئے۔

جرمن فوجیں یوگوسلاویہ سے واپس جانے لگیں تو انہوں نے بوا میں قائم کیمپ کے قیدیوں کو بھی جبراً مارچ میں شریک کر لیا۔ ان بھوکے پیاسے مظلوم قیدیوں کے لئے یہ موت کا مارچ تھا۔ جو قیدی تھکن کے ہاتھوں نڈھال ہو کر قدم دو قدم لڑکھڑاتا اسے بلا دریغ گولی مار کر موت کے سفر پر بھیج دیا جاتا۔ قیدی جتھے میں شریک شاعر رادنوتی مکلوش جب اپنے وطن ہنگری سے گزر رہا تھا تو زمین نے اس کے پاؤں تھام لئے۔ وہ انجام سے باخبر تھا لیکن لڑکھڑا

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

رادنوتی مکلوش

عہد حیات: 1909ء۔ 1944ء

فوجی بوٹوں کا کرخت اور قیدی قدموں کا بے بس شور.... یہ موت کا مارچ ہے۔ ایک قیدی حد سے زیادہ تھک گیا اور اسے ختم کر دیا گیا۔ لیکن اس کی نظمیں اس کے بعد بھی باقی ہیں

ہنگری کا یہ عظیم شاعر 1909ء میں پیدا ہوا۔ ہوش سنبھالنے سے قبل ہی اس کے ہاتھ کتابیں سنبھالنے کے عادی ہو چکے تھے۔ وہ ہنگریائی اور فرانسیسی ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے جوانی کی حدود میں داخل ہوا۔ 1930ء میں اس نے اپنے ہم عمر طالب علموں کی ایک انجمن تشکیل دینے کے بعد مقامی دیہی زندگی کے ہمہ جہت مطالعے کے رجحان کو پیدا کیا تاکہ دیہی عوام کے مسائل کو سمجھ کر انہیں حل کرنے میں مدد مل سکے۔ اس اعلیٰ پائے کے شاعر کو محض اس لئے روزگار نہ مل سکا کہ وہ یہودی النسل تھا۔ لہٰذا ہر دستیاب روزگار کے راستے پر انکار لکھ دیا گیا۔ بیروزگاری اور مفلسی رادنوتی مکلوش کا مقدر بنا دی گئی۔ آخرکار چار دن کی زندگی کو دو وقت کی روٹی کا سہارا دینے کے لئے اس نے ترجموں کی بیساکھیاں تھام لیں۔ لیکن اچھا وقت تو اس کے حصے میں لکھا ہی نہیں تھا۔ انہی ایام میں اسے جبری مشقت کروانے کے لئے قائم کردہ ایک بیگار کیمپ میں بلایا جانے لگا۔ اگرچہ یہ زندگی موت سے مشکل تھی لیکن وہ برداشت کرتا رہا، جیتا رہا کہ شاید کبھی آزاد زندگی بھی اس کے دکھوں کا مداوا کرے۔ لیکن وہ تو پیدا ہی ستم سہنے کے لئے ہوا تھا۔ 1944ء میں غاصب جرمن افواج نے اسے پکڑ کر یوگوسلاویہ کے بوا نامی شہر میں قائم قیدی کیمپ میں پہنچا دیا۔ خوفناک کانٹے دار تاروں سے گھرے اس مہیب اور بھیانک کیمپ میں رادنوتی نے جو کچھ لکھا اسے اس دوزخی وقت کی احتجاجی چیخ نہ کہا جائے تو

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

جون کارن فورڈ

عہد حیات: 1915ء۔ 1936ء

وہ کہتا تھا کہ مستقبل ہم ہیں۔ آڑے ترچھے وقت سے بندوق کی گولی کی طرح سیدھے گزر جانا اس کی آرزو بھی ہے اور پیغام بھی۔ اس پیغام کی عملی ترویج کی خاطر اس نے خود آگے بڑھ کر موت کو گلے لگا لیا

وہ اپنے ہم خیال اور ہم نظریہ لوگوں کو یقین دلاتا رہا کہ مستقبل ہمارا ہی نام ہے اور مستقبل ہمارا ہوگا۔ یہ امید پرست انگریزی زبان کے شعری افق پر طلوع ہوتے ہی غروب ہو جانے والا ستارہ بن گیا۔ دنیا اسے جون کارن فورڈ کے نام سے جانتی ہے۔ اس کا باپ کیمبرج میں قدیم فلسفے کا پروفیسر تھا۔ اسی ادارے میں جون کارن فورڈ تحقیق کا طالب علم بن گیا لہٰذا اس کے شعری افکار میں فلسفیانہ تحقیق و جستجو کا عنصر غیر محسوس پس منظر کے طور پر کارفرما ہے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے اس کی ایک طویل نظم کی یہ چند سطریں ہی کافی ہیں۔

"وقت، سردست موسلا دھار بارش ہے
اور شروع ہی سے کناروں کو توڑتی ہوئی
اور تاریخ۔۔۔۔ ہمارے ہاتھوں میں بنتی رہی
خاموشی سے نہیں گرجتی ہوئی
پھر بھی۔۔۔۔ ہمیں اس کی تعبیر کے لئے کوشاں ہونا چاہیے
لکیریں۔۔۔۔ جو ایک دوسرے کو کاٹ کر گزرتی ہیں دونوں طرف سے
وقت، مستقبل اور خلائیں بے رقبہ اور بے سایہ ہیں
یہ (وقت) سڑک کی طرح چکر کاٹتا ہے

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

گیا۔ شدید تھکن یا وطن کی مٹی کی مضبوط گرفت نے اس کے قدموں کے ساتھ سستی دی۔ اس کی سست روی نے قیدیوں کی قطار کی رفتار کو متاثر کیا۔ بس پھر کیا تھا، جرمن فوجیوں کی بندوقوں نے گولیاں اگلیں جو مکلوش کے نوجوان جسم کو چھروکہ کرتی ہوئی گزر گئیں۔ ہنگری کا شاعر ہنگری کی سرزمین پر گرا۔ جب لوگوں نے اس کی لاش دریافت کی تو کوٹ کی جیب سے نظموں کا وہ خزینہ بھی نکلا جو ہمیشہ کے لئے رادنوتی مکلوش کی زندگی کی ضمانت بن گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

جان ایف کینڈی

عہد حیات: 1917ء ۔ 1963ء

بیسویں صدی میں پیدا ہونے والے پہلے رومن کیتھولک امریکی صدر، ان کے عہد صدارت میں نسلی امتیاز کے خاتمے کی طرف تیزی سے پیش قدمی کی گئی

کم عمر ترین امریکی صدر ہونے کا اعزاز رکھنے والے جان ایف کینڈی مقبول ترین امریکی صدور کی فہرست میں نمایاں اور منفرد مقام کے حامل ہیں۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے یہ 35ویں سربراہ، 29 مئی 1917ء کو بروکلین میں جوزف پی، اور روز فٹز جیرالڈ کے ہاں تولد ہوئے۔

1923ء سے 1935ء کے دوران انہوں نے مختلف سکولوں میں تعلیم حاصل کی۔ 1935ء میں لندن سکول آف اکنامکس میں داخل ہو گئے۔ اسی سال ہی پرنسٹن یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ 1936ء میں ہارورڈ میں داخل ہو گئے اور 21 جون 1940ء میں گریجویشن کی۔ ستمبر 1941ء کو نیوی میں شمولیت اختیار کر لی۔ 2 اگست 1943ء کو سولومنز آئی لینڈ میں اپنی ''ٹورپیڈو بوٹ پی ٹی 109'' کو کمانڈ کیا اور فتح حاصل کی۔ 1945ء میں باعزت طریقے سے نیوی سے سبکدوش ہو گئے۔ اسی برس شاندار خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں ''نیوی اینڈ میرین کورپس میڈل'' دیا گیا۔

50-1946ء تک ''میساچوسٹس'' سے امریکی ایوان نمائندگان کے رکن رہے۔ 4 نومبر 1952ء کو امریکی سینٹ کے رکن منتخب ہوئے۔ 1958ء میں دوبارہ انہیں یہ اعزاز حاصل ہوا۔ 12 ستمبر 1953ء کو 36 سال کی عمر میں قانون دان اور سٹاک بروکر جان ورنو بوویئر کی 24 سالہ صاحبزادی جیکولین لی بوویئر سے نیو پورٹ میں شادی کی۔ جیکولین کے بطن سے دو

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

اور ہمیں یہاں سے گزرنا ہے
اور سیدھا
جیسے یہ ہماری بندوق کی گولی
ہم ---- مستقبل ہیں
اور آؤ آخری حملے کا سامنا کریں۔

انگریزی زبان کے اس نوخیز، نوعمر، امید پرست اور منفرد شاعر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ اسپین کی جنگ جمہوریت میں سرحد پر جا کر دشمنوں کا سامنا کرنے والا پہلا انگریز قرار دیا گیا۔ اس جدوجہد میں شریک رہتے ہوئے وہ 1936ء میں اپنی عمر کے اکیس سال پورے کر کے اگلے ہی دن قتل ہو گیا۔ جون کارن فورڈ مقتول تو ہوا لیکن اس کی موت اس کے اس فکری نعرے کو نہ مار سکی کہ ''ہم مستقبل ہیں'' آج بھی دنیا بھر کی نوجوان نسل کو اس بات پر غیر متزلزل ایمان لانے کی ضرورت ہے کہ آنے والا وقت اپنے خدوخال ہماری ہی کاوشوں سے مرتب کرے گا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

کی سرزمین پر روس کو خفیہ مقامات پر میزائلوں کے اڈے قائم کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ امریکہ نے میزائلوں کے ان اڈوں کے فوری خاتمے کا مطالبہ کرتے ہوئے کیوبا کو ہر قسم کے ہتھیاروں کی ترسیل روکنے کا اعلان کر دیا۔ دو ہفتوں کی شدید محاذ آرائی کے بعد روس اپنے اڈے ختم کرنے اور میزائلوں کو جہازوں کے ذریعے واپس روس لے جانے پر آمادہ ہو گیا۔

مارچ 1961ء کو کینیڈی نے "اتحاد برائے ترقی" کی تجویز پیش کی اور اسی سال "امن فوج" کے نام سے ایک نئے منصوبے کا آغاز کیا۔

کینیڈی کا زمانہ ایٹمی ہتھیاروں کے تجربوں کو محدود کرنے کے معاہدے پر دستخط کرنے کا زمانہ تھا۔ 1963ء کو وہائٹ ہاؤس (واشنگٹن) اور کریملین (ماسکو) کے درمیان ہاٹ لائن کی تنصیب عمل میں لائی گئی۔ امریکہ، برطانیہ اور سوویت یونین "محدود نیوکلیئر ٹیسٹ ٹریٹی" پر متفق ہو گئے۔ 22 ستمبر 1963ء کو سینٹ نے پانی کے اندر اور فضا میں ایٹمی تجربات کو ممنوع قرار دے دیا مگر زیر زمین ایٹمی تجربات کی اجازت دی۔

کینیڈی ہی کے دور حکومت میں امریکہ خلا کو تسخیر کرنے میں کامیاب ہوا اور دنیا بھر میں اس پیش رفت کے ہمہ گیر اثرات نے سائنسی تحقیق کو متاثر کیا۔

22 نومبر 1963ء کو صدر کینیڈی ڈلاس، ٹیکساس میں ایک موٹر ریلی میں شریک تھے "کہ لی ہاروے اوسلوڈ" نامی ایک شخص نے چھ منزلہ عمارت کی چھت سے ان پر فائر کھول دیا۔ ایک گولی ان کی گردن اور دوسری سر کے پچھلے حصے میں لگی۔ صدر کینیڈی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو گئے انہیں فوری طور پر "پارک لینڈ میموریل ہسپتال" لے جایا گیا مگر ڈاکٹروں کی ٹیم کی سرتوڑ کوشش کے باوجود وہ جانبر نہ ہو سکے اور ایک گھنٹہ تک موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد وفات پا گئے۔ قاتل اوسلوڈ کو گرفتار کر لیا گیا مگر دو روز بعد ڈلاس پولیس سٹیشن میں مقامی نائٹ کلب کے مالک جیک روبی نے فائرنگ کر کے اسے مار ڈالا۔ چیف جسٹس آف امریکہ کی سربراہی میں صدر کے قتل کی تحقیقات کا آغاز ہوا اور انہوں نے فیصلہ سنا دیا کہ اس جرم میں اوسلوڈ تنہا ہی تھا اور یہ کہ اس کا دماغی توازن درست نہیں تھا۔ بعد میں ایوان نمائندگان کی طرف سے ہونے والی تحقیقات سے یہ پتہ چلا کہ اس کے ساتھ ایک اور بندوق بردار بھی تھا۔ اوسلوڈ کے پیچھے کون لوگ تھے؟ اسے پولیس کی حراست کے دوران کیوں ہلاک کیا گیا؟ یہ سوالات ہمیشہ سوالات ہی رہے اور کچھ ان دیکھے ہاتھوں کی

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔
21 اکتوبر 1954ء کو ریڑھ کی ہڈی کا آپریشن ہوا۔ اگلے ہی سال دوسرا آپریشن ہوا جس کے بعد انہوں نے "پروفائل ان کریج" نامی سوانح حیات تحریر کی جس پر انہیں 1957ء میں ایک ادبی انعام بھی دیا گیا۔
1960ء میں انہیں ڈیموکریٹس کی طرف سے صدارتی امیدوار نامزد کیا گیا۔ انتخابات میں ری پبلکنز کے نائب صدر رچرڈ ایم نکسن کو شکست دے کر کینیڈی کم عمر ترین امریکی صدر منتخب ہوئے۔ اپنے افتتاحی خطاب میں انہوں نے اعلان کیا کہ آج آگے بڑھنے کے عزم کی مشعل امریکہ کی نوجوان نسل کو منتقل ہو گئی ہے۔ ملک کی تاریخ میں پہلی بار ان کی کابینہ کے ارکان اور وہائٹ ہاؤس کے مشیر، اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل نوجوان افسر تھے۔
جب صدر کینیڈی نے صدارت کا عہدہ سنبھالا تو اس وقت ملک عمومی طور پر خوشحال تھا۔ صنعتی کارکن کی اوسط اجرت 95 ڈالر فی ہفتہ تھی۔ لیکن بے روزگاری بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ 'ایریا ڈویلپمنٹ ایکٹ" کے ذریعے پسماندہ علاقوں میں نئی صنعتیں اور شہری سہولتیں پہنچانے کے ادارے قائم کر کے بے روزگاری ختم کرنے کا اختیار وفاقی حکومت کو دے دیا گیا۔ سوشل سکیورٹی ایکٹ کے ذریعے ریٹائرمنٹ کی عمر 65 سال کی بجائے 62 سال کر دی گئی۔ وفاقی ہاؤسنگ پروگرام شروع کیا گیا تا کہ بوڑھے افراد اور کم یا درمیانی آمدنی والے خاندان بھی مناسب قیمت پر مکان حاصل کر سکیں، نسلی امتیاز کے خاتمے کی جانب خاصی پیش رفت ہوئی۔
1963ء میں شہری حقوق کا انقلاب عروج پر پہنچ گیا۔ 28 اگست 1963ء کو واشنگٹن میں دو لاکھ سے زیادہ سیاہ فام اور سفید فام افراد نے جنوبی علاقوں کے سیاہ فام وزیر مارٹن لوتھر کنگ کی قیادت میں ابراہام لنکن کی یادگار پر مظاہرہ کیا تا کہ برابری کے حقوق کی جانب قوم کی توجہ مبذول کرائی جا سکے۔ کینیڈی نے ممتاز سیاہ فام شخصیات کو سرکاری عہدوں پر فائز کر کے نسلی امتیاز کے خاتمے کی جانب پیش قدمی جاری رکھی۔ صدر کینیڈی کے عہدہ صدارت سنبھالنے کے بعد تین ہفتوں کے اندر اندر امریکہ نے کیوبا کے ساتھ سفارتی تعلقات توڑ لئے۔ امریکی خفیہ اداروں نے فیدل کاسترو کے مخالفین پر مشتمل فوج کیوبا میں تیار کی تھی جو امریکی احکامات کی پابند تھی۔ اپریل 1961ء میں کینیڈی کی انتظامیہ کو اس وقت شدید بحران کا سامنا کرنا پڑا جب یہ فوج کیوبا کے ساحلوں پر امریکی فوجی اڈہ بنانے میں ناکام رہی۔ اکتوبر 1962ء میں امریکہ کو ایک بار پھر شدید صدمے سے دوچار ہونا جب یہ پتہ چلا کہ کاسترو حکومت نے کیوبا

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

شیخ مجیب الرحمن

عہد حیات: 1920ء۔ 1975ء

بنگلہ دیش کے بابائے قوم، متنازعہ چھ نکات کے پیشکار، انہیں سقوط ڈھاکہ کے مرکزی کرداروں میں شمار کیا جاتا ہے

بنگلہ دیش کے بانی سیاستدان شیخ مجیب الرحمن 1920ء میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ کالج کلکتہ اور ڈھاکہ یونیورسٹی سے تعلیم پائی۔ عوامی لیگ کے قیام میں حسین شہید سہروردی کی مدد کی لیکن ان کی شورش پسندانہ سیاست کی وجہ سے سہروردی نے انہیں جان بوجھ کر پس منظر میں رکھا۔ 1948ء میں بنگالی زبان کی حمایت میں مظاہروں کے بعد انہیں گرفتار کر کے ڈھاکہ یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔ 1954ء میں متحدہ محاذ کے ممبر کی حیثیت سے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اس محاذ میں عوامی لیگ سمیت حزب اختلاف کی تمام جماعتیں شامل تھیں۔ اسی دوران وہ مشرقی پاکستان کے وزیر محنت و تجارت مقرر ہوئے لیکن اس کے باوجود مشرقی صوبے پاکستان کی لسانی آزادی کے لئے متحرک رہے۔ نتیجے کے طور پر ان کا جیل آنا جانا لگا رہا۔ 1963ء میں جب صدر ایوب خاں نے ایبڈو کی پابندیاں ختم کیں تو وہ عوامی لیگ کے قائد بن گئے۔

صدر ایوب خاں نے ان کے پیش کردہ چھ نکات کی بنیاد پر انہیں گرفتار کر کے دو سال بعد اگرتلہ سازش کیس میں ملوث کر دیا۔ ایوب مخالف تحریک کے دوران انہیں الزامات واپس لئے بغیر مجبوراً رہا کر دیا گیا۔

مجیب الرحمن اپنی فطرت کے لحاظ سے ضدی اور ہٹ دھرم تھے۔ لہٰذا انہوں نے 1970ء کے انتخابات میں زبردست کامیابی کے بعد مغربی پاکستان کی اکثریتی جماعت پیپلز

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

طاقت سے خائف ہو کر کینیڈی کیس کی فائل ہمیشہ کے لئے بند کر دی گئی۔
زیبا نورین کا لکھنا ہے کہ ایک امیر و کبیر خاندان کا چشم و چراغ ہونے کے باوجود کینیڈی نے بطور امریکی صدر عام آدمی کی سماجی زندگی آسان بنانے کی کوشش کی اور صحت، تعلیم اور دفاع کے حوالے سے ان کے انقلابی اقدامات نے انہیں امریکی قوم کا ہیرو بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امریکی عوام کے دلوں میں زندہ رہے اور زندہ رہیں گے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

جائے۔ آئین میں دونوں صوبوں کی حکومتوں کو اختیارات دیئے جائیں کہ وہ باہمی، اور غیر ممالک سے تجارتی معاہدے کر سکیں۔

۶۔ مشرقی پاکستان کے لئے ملیشیا یا پیرا ملٹری فورس بھرتی کی جائے جو اس کے کنٹرول میں ہو۔

مذکورہ بالا نکات نے شیخ مجیب الرحمن کو مغربی پاکستانیوں کا غدار اور مشرقی پاکستانیوں کا ہیرو بنا دیا۔ یہ صورتحال پیدا کرنے میں دونوں صوبوں کے بعض قائدین نے بھی مشکوک اور عاجلانہ کردار ادا کیا۔ بدر منیر "شیخ مجیب الرحمن --- جیسا کہ میں جانتا ہوں" نامی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"چھ نکات پر مشتمل قرارداد کے بارے میں تذبذب اور قاصت کا رویہ اختیار کرنے اور اسے "غداری" کے مترادف قرار دینے سے صورتحال سنگین ہو گی۔ چھ نکات کو مغربی پاکستان کے اخبارات نے جس طرح اچھالا، اس کے باعث نہ صرف یہ کہ ان نکات کو مشرقی پاکستان کے عوام کا منشور قرار دے دیا گیا بلکہ مشرقی پاکستان میں یہ تاثر بھی عام ہو گیا کہ جس تجویز کی مغربی پاکستان میں مخالفت کی جاتی ہے وہ یقیناً مشرقی پاکستان اور اس کے عوام کے لئے مفید ہے۔"

بدر منیر وطن عزیز کے مایہ ناز سیاسی صحافی ہیں۔ گذشتہ چار عشروں سے وہ ملک کی اہم ترین اور مقتدر ترین شخصیات کے قریب رہے ہیں۔ جنرل اعظم خان اور مجیب الرحمان سے تو ان کی خاص اور طویل قرابت رہی۔ مجیب کی موت سے متعلق میں نے ان سے تحریری طور پر تین سوال پوچھے:

مجیب قتل نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔

ان کے قتل کے علاقائی سیاست پر کیا اثرات مرتب ہوئے

اور ان کے قتل کی سازش کے اصل محرکات کیا ہیں

میرے آخری سوال کو دو سطری جواب سے گول کرتے ہوئے پہلے دو سوالوں کے انہوں نے مختصر مگر قابل مطالعہ جواب رقم کئے۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے من وعن پیش ہیں:

"بنگلہ دیش کے بابائے قوم شیخ مجیب الرحمن اور ان کے اہل خاندان کا سفاکانہ قتل دراصل جنوبی ایشیا میں قوم پرست اور اپنے عوام پر مضبوط گرفت رکھنے اور مقبول عام سیاست دانوں یا حکمرانوں کو نابود کرنے کی بین الاقوامی سازش کی ایک کڑی تھا، ان کے بعد اور بھی قتل ہوئے اور یہ سلسلہ اکیسویں صدی میں بھی جاری ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اگر یہ قتل نہ

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

پارٹی کے ساتھ سیاسی سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں انہوں نے عوام کو اس وقت کی قانونی حکومت کو ٹیکس ادا نہ کرنے، رقوم بنکوں میں جمع نہ کروانے اور ہڑتالیں کرنے پر اکسایا۔ نتیجہ کے طور پر ملک کو متحد رکھنے کے لئے پاک فوج کو حرکت میں آنا پڑا۔ انہیں ملک کے خلاف جنگ کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا، مقدمہ چلا اور سزائے موت ہوئی۔ یہ اگست 1971ء کا واقعہ ہے۔ جنوری 1972ء میں انہیں رہا کر دیا گیا۔ اس دوران مشرقی پاکستان بنگلہ دیش میں بدل چکا تھا لہٰذا وہ نئے ملک کے پہلے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ 15 دسمبر 1972ء کو انہوں نے دستور ساز اسمبلی توڑ کر نئے آئین کا نفاذ کیا اور اسی آئین کے تحت بعد ازاں 6 مارچ 1973ء کو وزیر اعظم کے عہدے کا حلف اٹھایا۔ فروری 1974ء میں لاہور میں منعقدہ اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت کی۔ 26 جنوری 1975ء کو انہوں نے پرانا آئین معطل کر کے ملک میں صدارتی نظام حکومت نافذ کیا اور صدر کا عہدہ سنبھالا۔ 24 فروری 1975ء کو بنگلہ دیش کرشک سرامک عوامی پارٹی بنائی۔ 15 اگست 1975ء میں انہیں ڈھاکہ میں قتل کر دیا گیا۔

قارئین! مجیب الرحمٰن کا نام ذہن میں آتے ہی خیال ''چھ نکات'' کی طرف چلا جاتا ہے لہٰذا یہ جاننا غیر ضروری نہ ہوگا کہ یہ چھ نکات کیا تھے۔ آیئے دیکھتے ہیں:

1۔ قرارداد لاہور کی بنیاد پر آئین میں وفاق پاکستان کی دفعہ شامل کی جائے اور ایک آدمی ایک ووٹ کی بنیاد پر منتخب ہونے والے ارکان اسمبلی میں سے پارلیمانی حکومت تشکیل دی جائے۔

2۔ وفاقی حکومت صرف دفاع اور خارجہ امور سے سروکار رکھے اور دیگر تمام معاملات وفاقی ریاستوں کے سپرد کئے جائیں۔

3۔ وفاقی پاکستان کے دونوں حصوں میں الگ الگ کرنسی جاری کی جائے۔

4۔ ٹیکس اور دیگر محصولات کی وصولی کا اختیار صرف اور صرف وفاقی ریاستوں کو حاصل ہو اور وفاق کے پاس اس قسم کا کوئی اختیار نہ ہو۔ مطلوبہ اخراجات کو پورا کرنے کے لئے وفاق کو وفاقی ریاستیں ٹیکس میں سے اس کا حصہ دیں۔

5۔ ملک کے دونوں حصوں کے زرمبادلہ کے الگ الگ حسابات رکھے جائیں۔ مشرقی پاکستان کی آمدنی مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی آمدنی مغربی پاکستان کے پاس ہو۔ غیر ملکی زرمبادلہ کی ضروریات یا تو نصف نصف کے حساب سے دونوں صوبے ادا کریں یا پھر جو بھی شرح مقرر کی جائے۔ ملکی پیداوار ملک کے دونوں حصوں میں بغیر کسی سرچارج کے بھیجی

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

زویا کرگ لووا

عہد حیات: 1923ء۔ 1943ء

**اس نے اپنی زندگی کے اداس انجام کے باوجود یہ کہا:
مت روتو مت رو میری پیاری۔ مت سوگ منا میری ماں۔ خوفزدہ نہ ہو ہم نازی حملہ آوروں کو شکست دے کر۔ گھر واپس آئیں گے تیرے بچے۔
(ایک نظم کی سطریں)**

جنگ ہمیشہ اپنے بعد خوفناک کہانیوں اور گلی سڑی لاشوں کے انبار چھوڑ جاتی ہے۔ ان میں سے ہر لاش اور ہر کہانی اپنے اندر بعد میں آنے والوں کے لئے مزید کوئی کہانیاں سمیٹے ہوئے ہوتی ہے۔ جنگ میں لازوال شجاعت، دلاوری اور جانبازی کے اکثر مظاہرے مردوں سے منسوب ہیں یہ یقیناً حقیقت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک کھلی ہوئی سچائی ہے کہ صنف نازک نے بھی بعض اوقات اپنے آپ کو ایسی کٹھن آزمائشوں اور مصائب کی آگ میں جھونک دیا کہ رہتی دنیا تک مثال قائم کر دی۔ جدوجہد اور وطن پرستی کی ایسی ہی ایک شاندار مثال زویا کرگ لووا کی زندگی ہے۔

یہ سوویت دوشیزہ نووگراڈ کے قریب موشین شکوئے میں 23 اپریل 1923ء کو پیدا ہوئی۔ دوسری عالمی جنگ کی آگ لے کر جب ہٹلر کی فوجیں سویت یونین کو خاکستر کرنے کے ارادے سے آگے بڑھیں تو زویا نے خود کو فوجی خدمات کے لئے وقف کر دیا۔ اس وقت وہ محض اٹھارہ سال کی تھی۔

اس کا جذبہ وطن پرستی دیکھتے ہوئے 1941ء میں اسے 145 ٹینک کور بٹالین کے طبی عملے میں شامل کیا گیا۔ یہاں اس نے اپنے فرائض انتہائی والہانہ انداز اور خود فراموشی کے

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

ہوتے اور شیخ مجیب کو اپنی قوم کی قیادت کے لئے مزید دس سال مل جاتے تو علاقائی سیاست کیا رخ ہوتا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ شیخ مجیب کی تحریک قوم پرستی نے نہ صرف بھارتی بنگال بلکہ آسام میں بھی قومیت کی تحریکوں کو پروان چڑھنے میں مدد دی، مارچ 1972ء میں کلکتہ جلسہ عام میں شیخ مجیب کی تقریر کے دوران سامعین نے جس جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اور جس انداز میں پذیرائی کی اس سے یہ اندازہ قائم کرنا مشکل نہ تھا کہ عوام کس انداز میں سوچ رہے ہیں۔ شیخ مجیب کی اس پذیرائی نے بھارتی حکمرانوں کو اور ان کے بہی خواہوں کو پریشان کر دیا تھا۔ انہی دنوں بھارت کو بنگلہ دیش سے اپنی فوج بھی اپنی روایات کے خلاف واپس بلانی پڑی اور یہ شیخ مجیب ہی کے مسلسل دباؤ کے باعث ممکن ہو سکا ورنہ یہ کسی اور لیڈر کے بس کی بات نہ تھی کہ بھارتی فوج جہاں بھی گئی وہاں سے واپس نہیں آئی، گوا، دکن اور مقبوضہ کشمیر اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ اگر چہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے بھارت سے 25 سالہ دوستی کا معاہدہ کر کے بنگلہ دیش کو بھارت کے پاس گروی رکھ دیا لیکن بھارت کی افواج کی واپسی کی صورت میں بھارت کو اس کی قیمت بھی ادا کرنی پڑی۔۔۔ اگر شیخ عبداللہ اینڈ کمپنی کشمیر میں بھارتی فوج طلب کرنے کی بجائے دوستی کا پچاس سالہ معاہدہ بھی کر لیتی تو اس سے کشمیر بھارت کا مقبوضہ علاقہ نہ بنتا اور اگر آج بھی سب مل کر بھارت کو 25 سالہ دوستی کے معاہدے کے بدلے اپنی فوج واپس بلانے پر آمادہ کر لیں تو یقیناً یہ اکیسویں صدی کا سب سے پہلا معجزہ ہوگا۔

شیخ مجیب کے قتل سے عظیم تر بنگال کے خواب کی تعبیر نہ مل سکی اور نہ وہاں سیاسی روایات مستحکم ہو سکی ہیں چنانچہ انتخابی مہم کے دوران مخالف جلسوں میں بم دھماکے اور سیاسی کارکنوں کے قتل بنگلہ دیش کے سیاسی یا جمہوری کلچر کا ایک حصہ بن چکے ہیں۔ مہم کے دوران اور اس کے بعد بھی ہڑتالوں اور جلسے جلوسوں نے بھی روزمرہ کے معمول کی حیثیت اختیار کر لی ہے جن کے باعث بنگلہ دیش ترقی کی وہ معراج حاصل نہیں کر سکا جس کا وہ بجا طور پر مستحق تھا اور ہے۔۔۔ بنگلہ دیش کے لئے شیخ مجیب الرحمن جیسی شخصیت کی قیادت ہی یہ کارنامہ انجام دے سکتی تھی اور دے سکتی ہے۔ جہاں تک شیخ مجیب الرحمن کے قتل کی منصوبہ بندی اور سازش کا سوال ہے تو اس کا جواب بہت طویل ہے اور اس کے ڈانڈے ماضی، حال اور مستقبل سے ملے ہوئے ہیں۔"

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

ارنسٹو چے گویرا

عہد حیات: 1928ء۔ 1967ء

لاطینی امریکہ کا عظیم انقلابی، اور باغی شاعر، اس نے کیوبا کی عام بغاوت کو ایک نظریاتی موڑ دیا، دنیا بھر کی باغی نسل اسے اپنا روحانی اور نظریاتی قائد سمجھتی اور بہت بلند مقام دیتی ہے۔

چے گویرا 14 جون 1928ء کو ارجنٹائن کے شہر اوساریو میں پیدا ہوا۔ دمے کی بیماری والدہ سے ورثے میں پائی، بچپن اسی مہلک مرض سے برسر پیکار رہ کر گزارا۔ اگرچہ وہ ابتدائی تعلیم کے لئے کسی تعلیمی ادارے میں داخلہ نہ لے سکا لیکن اس کی والدہ ایک تعلیم یافتہ خاتون تھی اس نے بچے کو گھر ہی میں اتنے اعلیٰ انداز میں پڑھایا کہ کچھ بڑا ہو کر وہ کیوبا کے شہر ہوانا میں میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے روانہ ہوا۔

کیوبا میں قیام کے دوران ارنسٹو چے گویرا نے کمیونسٹ تحریک کے لٹریچر کا بغور مطالعہ کیا۔ ان دنوں کیوبا میں جو کمیونسٹ پارٹی متحرک تھی وہ روسی کمیونسٹ پارٹی کے باغی ٹراٹسکی کی قیادت میں کام کر رہی تھی۔ روسی انقلاب کے بعد لینن کے ساتھی اور ایک نمایاں کمیونسٹ رہنما، ٹراٹسکی نے انقلابی سرگرمیوں کو تیز اور بھرپور قوت کی حامل بنانے کے لئے کچھ مختصر لائحہ عمل وضع کئے اور ان کی تشریح و تفصیل کرتے ہوئے بہت سی کتب تحریر کیں۔ ایک وقت میں ٹراٹسکی کا وضع کردہ یہ نیا انقلابی طریق کار نوجوان نسل میں نہایت تیزی سے مقبول ہوا۔ کیوبا کی کمیونسٹ پارٹی کو بھی ٹراٹسکی ازم پسند تھا۔ انقلاب کے بعد فیدل کاسترو اور اس کے بہت سے ساتھی لینن ازم کی طرف لوٹ گئے مگر چے گویرا نے ٹراٹسکی ازم سے دستبردار ہونا پسند نہ کیا۔ ٹراٹسکی ازم کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر وسیم گردیزی اپنے ایک

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

ساتھ انجام دیئے۔ یہ دیکھ کر اعلیٰ فوجی افسران نے اسے ایک اہم مشن کی تکمیل کے لئے منتخب کر لیا۔ یہ مشن شمال مغربی محاذ پر دشمن کی جاسوسی تھا۔

یہ نازک اندام اور نوجوان لڑکی اپنی مہم کی تکمیل کے لئے تن من دھن کی قربان کر دینے کے ارادے سے آگے بڑھی۔ سوویت ہائی کمان نے لینن گراڈ کے محاذ پر نازی فوجوں کی نقل و حرکت اور کارروائیوں کی اطلاعات جمع کر کے بھیجنے کی غرض سے اسے دو ساتھی لڑکیوں کی ہمراہی میں روانہ کیا۔ زویا چونکہ جرمن زبان اچھی طرح جانتی تھی لہٰذا نہایت کامیاب رہی۔ دوسری طرف دشمنوں کا جاسوسی نظام بھی پوری طرح متحرک تھا لہٰذا زویا کی سرگرمیاں خفیہ نہ رہ سکیں اور وہ کچھ نادیدہ آنکھوں کے حصار میں گھر گئی۔

1943ء کے اوائل میں خفیہ جرمن پولیس نے زویا کرگ لووا کو اس کی ساتھی لڑکیوں سمیت گرفتار کر لیا۔ زویا کی قسمت اچھی تھی کہ موت کی کوٹھڑی سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔ یوں ایک موقع مل گیا لیکن زویا اس موقع کو بھی دفاع وطن کے لئے استعمال کرنا چاہتی تھی چنانچہ دوبارہ میدان عمل میں اتری اور بدقسمتی سے جلد ہی پھر حراست میں لے لی گئی۔ قید کے دوران اس پر جسمانی، ذہنی اور روحانی تشدد کی انتہا کر دی گئی۔ وہ لب سی کر سب کچھ سہتی رہی۔ جب دشمن اس سے کچھ اگلوانے میں ناکام رہا تو 9 ستمبر 1943ء کی صبح یہ دوشیزہ گولیوں سے اڑا دی گئی۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

تیری زبان۔ تیرے لہجے میں بولتے ہوئے
اور سورج غروب ہونے پر۔ جب ظالموں کا وار ختم ہوگا
تم وہیں۔ انصاف کا وار کرنا
اور ہم تیرے ساتھ ہوں گے
اور جب وہ جنگل درندے زخموں کو چاٹیں گے
اور جہاں کیوبا کی برچھی وار کرے گی
ہم سب فخر سے تیرے ساتھ ہوں گے
تم کبھی مت سوچنا
کہ سوغاتوں کے ساتھ ساتھ ناچتے اور تمغوں سے بھرے چگادڑ
ہماری سالمیت کو توڑ سکتے ہیں
ہمیں صرف بندوقوں کی خواہش ہے اور ان کی گولیوں کی
ہم اور کچھ نہیں چاہتے
اور۔۔۔اگر راستے میں لوہا بھی رکاوٹ بنے
امریکی تاریخ کی طرف جاتے اس رستے پر
تو ہم۔۔۔صرف
کیوبا کے آنسوؤں کا کفن چاہیں گے
جو ہماری گوریلا ہڈیوں کو ڈھک دے

اس عظیم نظم کا مخاطب فیدل کاسترو جب انقلاب کے چوتھے سال حکومت اور پارٹی پر اپنی گرفت مضبوط کر چکا تو چے اسے اپنے اقتدار کی راہ میں رکاوٹ دکھائی دینے لگا۔ لوگ کاسترو حکومت اور فوجی زیادتیوں کی شکایت چے ہی کے سامنے کرتے تھے۔ برسوں کی بھوک سے گزر کر جب پیسے کے لالچی حکومت میں آئے تو ان میں سے اکثر لوٹ مار میں مصروف ہو گئے۔ چے ایسے لوگوں کی سرکوبی کے لئے کاسترو اور دیگر پارٹی عہدیداروں سے مسلسل تقاضے کرتا رہا لیکن ہر بار اس کے مطالبے ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیئے جاتے یا ردی کی ٹوکری کا پیٹ بھرا جاتا۔ ایسا تو ہونا ہی تھا کیونکہ وہی کاسترو جو انقلاب سے پہلے اور دوران انقلاب برسوں تک باغیوں کے ساتھ جھونپڑیوں میں قیام کرتا رہا تھا اب شاندار محل میں مقیم تھا۔ اس کے دیگر ساتھی بھی شاندار کوٹھیوں اور بنگلوں میں پرآسائش زندگی بسر کرتے

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

مضمون میں لکھتے ہیں: اس حوالے سے اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ انقلاب کے دستیاب ذریعہ اور چھوٹے سے چھوٹا میسر راستہ بھی اختیار کر لینے کی کوشش کرنا اور جیسے ہی موقع ملے انقلابی طاقت کو ساتھ لے کر پیش قدمی کرنا ٹراٹسکی ازم کہلاتا ہے۔اس کے پس منظر میں یہ سوچ کارفرما ہے کہ جب عوام کو معلوم ہو گا کہ انقلابیوں کا ایک مختصر سا گروہ ان کے مفاد کے لئے عوام دشمن سامراجی طاقتوں سے ٹکرا گیا ہے تو لوگ خود بخود انقلاب کے لئے کوشاں لوگوں سے آ ملیں گے۔

چے گویرا نے ایسے ہی کئی مختصر انقلابی گروہ کیوبا سے لاطینی امریکہ کے ملک بولیویا میں بھیجے۔عوام میں اپنی انتہائی شہرت کے باعث چے گویرا شاید کوئی اعلیٰ حکومتی عہدہ لینا چاہتا تھا یا نہیں۔لیکن فیدل کاسترو اس کی مقبولیت سے خائف ہو گیا۔ یہ وہی فیدل کاسترو تھا جس کے لئے چے نے یہ نظم لکھی تھی:

"تم نے کہا تھا کہ سورج طلوع ہوگا
آؤ! بے نشان راہوں پر چلیں!
ہم اس مہکتے سنگیت کو آزاد کریں گے
جس سے تم پیار کرتے ہو
چلو چلیں!
اور بھنویں جو تاروں کے ساتھ جڑی ہیں
انہیں ساتھ لے کر تمام بے حرمت لوگوں کو متحد کریں! ہم جیتیں گے
یا موت سے بھی گزر جائیں گے۔۔۔
جب پہلی بار بندوق چلے گی
تو جنگل کو ایک تازہ حیرانی ہوگی
اور وہاں۔اسی وقت روشنی کو ساتھ لئے
ہم تیرے ساتھ ہوں گے
جب تیری آواز
چاروں ہواؤں کو سمت بخشے گی
انصاف مانگے گی، روٹی اور آزادی کا تقاضا کرے گی
ہم۔تیرے ساتھ ہوں گے

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

[illegible] گے۔ تمہارا باپ ایک ایسا آدمی رہا ہے جس نے جو
[illegible] ہی کیا۔ یقین رکھو کہ وہ اپنے نظریات سے مکمل طور پر
[illegible]

[illegible] کے لئے پرورش پاؤ۔ ٹیکنالوجی پر عبور حاصل کرنے
[illegible] کرو۔ اس طرح تم فطرت کی طاقتوں پر پوری طرح
[illegible] یاد رکھو کہ اگر کوئی چیز اہم ہے تو انقلاب! اس
[illegible] ہماری ذات، ہمارا وجود کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اور
[illegible] دنیا کے کسی بھی شخص کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کو
[illegible] محسوس کرو۔ ایک انقلابی کی سب سے خوبصورت صفت
[illegible]

[illegible] میرے بچو! تمہیں دیکھنے کی اب بھی امید ہے۔ شفقت اور
[illegible] بھرا پیار

تمہارا پاپا

[illegible] ہونے والی زیادتی کا دکھ اور درد اپنے دل میں محسوس کرنے والا چے
[illegible] عمل بھی کرتا تھا۔ بولیویا میں بھی اس نے یہی کیا۔ فیدل کاسترو
[illegible] واقعات سے وہ اچھی طرح اندازہ لگا چکا تھا کہ اس کا کردار اب کیا
[illegible] کی مدد کے بغیر دانشور اور ہنگامی نوعیت کے فیصلے کرنے میں طاق چے گویرا
[illegible] بول کر بولیویا کے دو اہم شہروں پر قابض ہو گیا۔ ان شہروں کا تمام
[illegible] مقامی کونسلوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اخبارات نے اس امر پر حیرت کا
اظہار کیا کہ یہ کیسے انقلابی ہیں جو حکومت کے قبضے سے شہروں کو نکال کر عوام کے حوالے کر
رہے ہیں۔ ان اطلاعات سے اگرچہ مقامی حکومت غضبناک ہو گئی لیکن عوام میں کمیونسٹ
[illegible] چے گویرا اور اس کے ساتھیوں کو خاصی پذیرائی ملی۔ چے اور اس کے ساتھی آئندہ لائحہ
عمل مرتب کر رہے تھے کہ اسی دوران بولیویا کے فوجی حکمران نے جنگلوں اور صحراؤں میں
چے گویرا کو تلاش کرنے کے لئے امریکہ سے مدد مانگ لی۔ ایسی مداخلت کے لئے ہمیشہ
بہانے کی تلاش میں رہنے والا امریکہ فوراً مستعد ہوا اور امریکی حکومت نے اپنی فوج اور سی
آئی اے کے بہت سے ایجنٹ بولیویا میں بھیج دیے۔

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

تھے۔ ایسے میں صرف ایک چے گویرا ہی تھا جو ہوانا کے نواحی میدان میں بنائی گئی تین چار جھونپڑیوں میں اپنے بیوی بچوں سمیت قیام پذیر تھا۔ دکھ درد کے مارے لوگ ہر وقت اس کے گرد ہجوم کئے رہتے تھے کیونکہ وہ اسے اپنے مسیحا اور چارہ گر کے روپ میں دیکھتے تھے۔

چے گویرا اس خوف سے آگاہ نہیں تھا جو کاسترو کے باطن میں ہر پل جوان ہو رہا تھا۔

ایک دن بولیویا سے خبر آئی کہ چے کے بھیجے ہوئے ایک انقلابی گروہ نے وہاں بہت سے علاقے پر قبضہ جمانے کے بعد انقلابی کمان کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ اطلاع پاتے ہی چے کاسترو کے پاس گیا۔ باہمی گفت وشنید کے بعد کاسترو نے کہا: اب وقت کا تقاضا یہی ہے کہ بولیویا میں ذمے دار رہنماؤں کو بھیج دیا جائے تاکہ وہ موجودہ صورتحال میں حالات پر اپنی گرفت مضبوط کر لیں۔ اس پر چے فوراً بولیویا جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ کاسترو نے اسے یقین دلایا کہ: ''جیسے ہی تم اپنے ساتھیوں سمیت وہاں پہنچو گے میں مزید کمک بھیج دوں گا۔ پہلی ترجیح تمہارا وہاں جا کر مقامی لوگوں کو اعتماد میں لینا ہے۔'' چے گویرا کی خواہش تھی کہ بولیویا جانے سے پہلے وہ کیمونسٹ پارٹی کی جنرل کونسل سے خطاب کرے لیکن فیدل نے یہ کہہ کر اسے اپنا یہ ارادہ ملتوی کرنے کو کہا کہ اس طرح سی آئی اے تمہاری سرگرمیوں سے باخبر ہو جائے گی۔

چے گویرا خاموشی کے ساتھ کیوبا سے نکل کھڑا ہوا اور بولیویا پہنچ گیا۔ وہاں جا کر اسے معلوم ہوا کہ جس اطلاع پر وہ یہاں آیا ہے، وہ بالکل من گھڑت اور جھوٹی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ یہاں صرف چالیس پچاس ساتھی اس کی معاونت کو موجود تھے۔ لیکن یہ بھیانک مذاق اور سنگین صورتحال بھی چے کے ارادوں کو متزلزل نہ کر سکی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے وفاداری کا حلف لے کر جنگ کی ابتدائی منصوبہ بندی کی اور کاسترو کو پیغام بھیجا کہ یہاں صورتحال خراب ہے لہٰذا امداد جلد از جلد روانہ کی جائے۔ جوابی پیغام جو فیدل کاسترو نے بھیجا چے کو کئی روز کی تاخیر سے ملا۔ وجہ کیا تھی؟ یہ کبھی معلوم نہ ہو سکا۔

چے گویرا ایک سچا اور پکا انقلابی تھا۔ اپنے مقصد سے وفادار اور جانباز انقلابی کا معیار کیا ہوتا ہے؟ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھا۔ اپنے بچوں کے نام ایک خط میں اس نے ایک اچھے انقلابی کی خصوصیات مختصر مگر مدلل انداز میں بیان کی ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے مذکورہ خط یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''تم مجھے تقریباً بھول جاؤ گے اور جو ابھی ننھے منے ہیں انہیں تو میں

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

مارٹن لوتھر کنگ

عہد حیات: 1929ء۔ 1968ء

وہ کالے اور گورے کی سماجی تفریق کا قائل نہیں تھا اور زندگی کو خدا کی حد تک اونچا دیکھنا چاہتا تھا۔ نسلی امتیاز کے خلاف اس کی شاندار جدوجہد کے اعتراف میں اسے نوبل انعام کا حقدار قرار دیا گیا

مارٹن لوتھر کنگ انسانوں کی تقسیم کے خلاف تھا۔ رنگ، نسل، ذات، مذہب، فرقہ، ملک اور زبان ہر دور میں انسانوں کو تقسیم در تقسیم کے عمل سے گزار کر گروہوں اور ٹولیوں میں مقید کرتے رہے۔ مارٹن اس طرح کی ہر تقسیم، ہر تعصب اور امتیاز کے خلاف تھا۔ اس کی تمام زندگی انسانیت کے ماتھے پر لگے نسلی امتیاز کے داغ کو دھوتے ہوئے گزری۔ وہ انسانیت کے زخم اپنے خون سے دھو کر امر ہو گیا۔

مارٹن لوتھر کنگ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے جنوبی علاقے اطلانتا میں 15 جنوری 1929ء کو پیدا ہوا۔ وہ اپنی ذات انسان بتاتا تھا۔

امرتا پریتم نے لکھا ہے کہ اس کی پوری زندگی امن کی وہ نظم تھی جس کے کچھ ٹکڑے دنیا بھر کے شاعر لکھتے ہیں۔ اس کی پوری زندگی انسان کی خونی تاریخ کا وہ ٹکڑا تھی جو آج بھی دنیا کے کئی حصوں میں روزانہ گولیوں سے اڑا دیا جاتا ہے۔ امن کے خواب اس نے بطور شاعر بھی دیکھے اور بطور فلسفی بھی۔ پھر ایک بہادر انسان کی طرح وہ ان خوابوں کی تعبیر کے لئے کوشاں ہو گیا۔

مندرجہ بالا خیال کی تائید اس کی ایک نظم بھرپور انداز میں کرتی ہے۔ تین سطروں کی یہ سب سے چھوٹی نظم بقول امرتا پریتم دنیا کی سب بڑی نظم جیسی ہے:

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

۹ اکتوبر 1967ء کو چے گویرا کی پناہ گاہ پر فوج اور سی آئی اے نے حملہ کیا اور چ
طرف سے انقلابیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ مجبور ہو کر چے اور اس کے ساتھیوں نے ہتھ
پھینک دیے لیکن سی آئی اے کسی بھی قیمت پر چے کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی لہٰذا اس عظیم
شاعر، انقلابی اور باغی کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ بولیویا کی فوج کے ایک جنرل نے ارنسٹو
چے گویرا کی لاش کو وردی سمیت دفن کرنے کا حکم دیا اور دفن کرنے سے قبل اس کے دونوں
ہاتھ کاٹ کر محفوظ کر لئے۔

چے گویرا کی المناک موت پر اگرچہ کیوبا کی حکومت نے کسی خاص ردعمل کا اظہار نہ کیا
لیکن عوام میں دیر تک سوگ کی کیفیت رہی۔ حکومت سے مسلسل مطالبہ ہوتا رہا کہ چے کی لاش
کو بولیویا سے واپس لے کر کیوبا میں دفن کیا جائے۔ عوامی دباؤ پر جب کیوبا کی حکومت نے
بولیویا سے یہ مطالبہ کیا تو جواب ملا کہ چے کی لاش کہاں دفن ہے، یہ کسی کو معلوم نہیں۔ لیکن
آخر کار 16 اکتوبر 1997ء میں تیس سال بعد بولیویا کی حکومت نے تسلیم کیا کہ اسے چے کی قبر
کا علم ہو چکا ہے۔ لاش کی باقیات کو انتہائی حفاظت سے کیوبا منتقل کر دیا گیا یوں ایک دیرینہ
عوامی مطالبہ پورا ہوا۔ یہاں یہ ذکر بھی موضوع سے مطابقت رکھتا ہے کہ بولیویا کے جس
فوجی جرنیل نے چے کے ہاتھ کاٹ لئے تھے اور بعد ازاں اپنی ریاست کا وزیر بھی بنا تھا، وہ
چند سال قبل وہی ہاتھ ساتھ لے کر کیوبا میں سیاسی پناہ لے چکا ہے۔

ارنسٹو چے گویرا ایک عظیم انقلابی رہنماء اور شعلہ نوا شاعر تھا۔ یورپ، ایشیاء اور امریکہ
میں وہ آج بھی اتنا مقبول ہے کہ اس کی زندگی یا کارناموں پر بننے والی ہر فلم کروڑوں ڈالرز کا
بزنس کرتی ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

ادھم سنگھ

وفات: 1940ء

جلیانوالہ باغ کے خونی سانحہ کے مرکزی مجرم سے اپنے ہم وطنوں کی موت کا بدلہ لینے والے انقلابی جنہوں نے منزل تک جانے کے لئے ایک طویل سفر طے کیا۔ وہ خود کو رام محمد سنگھ آزاد کہتے تھے

ادھم سنگھ امرتسر (بھارت) کے رہنے والے تھے۔ بچپن ہی میں ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے باعث پرورش ایک یتیم خانے میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مقامی سطح پر حاصل کی جب 13 اپریل 1919ء کو جلیانوالہ باغ امرتسر میں جنرل ڈائر کے حکم سے برطانوی فوجوں نے مشین گن کی گولیوں سے سینکڑوں کی تعداد میں لوگ قتل اور زخمی کیے تو آپ کا حساس دل ظلم اور قتل عام کے ان دہشتناک نظاروں کو دیکھ کر دہل گیا۔ آپ نے اپنے ہم وطنوں کے ساتھ کئے گئے انگریزوں کے غیر منصفانہ اور وحشیانہ سلوک کا بدلہ لینے کا عہد کر لیا۔ 1933ء میں انگلینڈ گئے اور لندن میں انجینئرنگ کورس میں داخلہ لیا۔ ایک 6 چیمبر ریوالور اور گولیاں حاصل کر کے 13 مارچ 1940ء کو کیکسٹن ہال لندن میں سنٹرل ایشین سوسائٹی اور ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن کے جلسے میں سر مائیکل او، ڈائر کو جو کہ سانحہ جلیانوالہ باغ کے زمانے میں گورنر پنجاب تھا گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ گرفتار کر کے آپ پر قتل کا مقدمہ چلایا گیا اور سزائے موت دی گئی۔ 12 جون 1940ء کو لندن میں پھانسی کے تختے پر شہید ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ مقدمے کی کارروائی کے دوران جب عدالت نے آپ کا نام پوچھا تو آپ نے کہا: رام محمد سنگھ آزاد۔ یہ نام بتانے سے مقصود خود کو ہندوستان کے تمام باشندوں

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

''زندگی کو لمبائی کی طرف سے بھی،
چوڑائی کی طرف سے بھی
اور اونچائی کی طرف سے بھی بڑا ہونا چاہیے''

ان تین سطروں کی کئی تفسیریں ممکن ہیں۔ لیکن آیئے دیکھتے ہیں کہ مارٹن لوتھر کنگ خود ان الفاظ کو کون سے معنی کا پیراہن عطا کرتا ہے۔

''لمبائی کی طرف سے ذاتی خوابوں سے جڑی ہوئی، چوڑائی کی طرف سے ساری دنیا کے ساتھ جڑی ہوئی اور اونچائی کی طرف سے خدا تک بلند۔ اپنے وجود تک پہنچتی ہوئی''۔

ایسی ہی مثالی زندگی کی تشکیل کے لئے وہ انسان کی ایکتا کی لڑائی لڑتا رہا۔ یہ لڑائی اگرچہ کرہ ارض کے ہر انسان کی لڑائی تھی لیکن مارٹن کا سرمایہ یقین دیکھئے۔ وہ کہتا ہے:

''میں اکیلا لڑوں گا
چاہے جیتوں
اور چاہے ہار جاؤں
''وہ'' نہیں چاہیے
جو آ کر آزاد کرے
اور نہ کوئی عیسیٰ مسیح
جو میرے لئے مرے''

مارٹن لوتھر کنگ نے اپنا یہ عہد نبھایا اور خوب نبھایا۔ وہ لڑا۔ لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ سفید چمڑی والوں نے اسے اپنے سر پر لٹکتی تلوار تصور کرنا شروع کر دیا۔ آخر کار اپنے نیگرو عوام کے حقوق کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے وہ 4 اپریل 1968ء کو قتل کر دیا گیا۔ انسانیت کے لئے اس کی شاندار خدمات کا اعتراف اسے نوبل انعام دے کر کیا گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

فرینیڈو گاردیوسر وانتیس

عہد حیات: 1940ء۔ 1967ء

وہ ایک ایسا سلگتا ہوا سوال پوچھتا ہے جس کا جواب بغاوت کے ترانے گانے والی زبانیں ہی فراہم کر سکتی ہیں۔ کہتا ہے: ایک مری ہوئی جوانی رائفل کا دل کیسے موڑے؟ اور درد کے نشان کسے دکھائے؟

فرینیڈو کا ملک نکاراگوا رقبے کے لحاظ سے وسطی امریکہ کی سب سے بڑی جمہوریہ ہے۔ فرینیڈو 1940ء میں پیدا ہوا تو اس وقت ملک پر سوموزا نامی آمر مسلط کی حکومت تھی جو 1956ء تک رہی۔ بعد ازاں اس کے بیٹوں نے بھی آمرانہ انداز حکومت اختیار کیا تو عوام کے مختلف طبقات اس عمل کی مزاحمت پر آمادہ ہوگئے۔ اس تحریک میں طلباء بھی پیش پیش تھے۔ فرینیڈو اپنے وقت کا مشہور طالبعلم رہنما، گوریلا جنگجو اور اعلیٰ پائے کا شاعر تھا۔ اس کی یہ نظم "تمہیں پتا ہے" موت کے اندھیرے میں پھوٹنے والی روشنی جیسی ہے۔

"کیا تمہیں پتا ہے کہ وہ مر گیا
اور پتا ہے کہ اس کی قبر کہاں ہے
اور پتا ہے کہ کسی نے اسے دفنایا یا نہیں۔۔۔۔؟
وہ تمہارا بھائی تھا
اور صرف دلوں کی زمین میں دفن ہے۔
اور ہماری زندگی کے دن
ایک پھول بن کر اگیں گے ایک قبر پر۔۔۔۔

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

کے نمائندے کے طور پر متعارف کروانا تھا۔ نیز انہوں نے عدالت میں اپنی مذہبی کتاب پر حلف اٹھانے کی بجائے ہیر وارث شاہ پر حلف اٹھایا جسے نہ صرف پنجاب بلکہ پورے ہندوستان میں بلاتفریق مذہب احترام اور عقیدت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ قتل کے بعد ایک بیان میں ادھم سنگھ نے کہا تھا: ''میں نے قتل نہیں کیا ایک کتا مارا ہے جس نے میرے ہم وطنوں کو کاٹا تھا۔''

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

جیسوئیر ہیرود

عہد حیات: 1942ء ۔ 1963ء

یہ باغی شاعر ایک نئی مسافت پر جانا چاہتا تھا۔ یہ اس راستے پر زندگی کا ہاتھ تھام کر سفر کرنے کا خواہش مند تھا جہاں موت مٹک کر چلتی ہے

ہیرود جنوبی امریکہ کی جمہوریہ پیرو کا قابل فخر فرزند ہے۔ اس کا مزاج بھی اپنے ملک کے مزاج کی طرح متنوع تھا۔ پیرو کی سرزمین پر جنگل بھی ہیں، پہاڑ اور دریا بھی۔ کچھ خطے نہایت سرد ہیں اور کچھ طوفانی جھکڑوں کی زد میں رہتے ہیں۔ ایک طرف ریگستان ہیں اور دوسری جانب لہلہاتے کھیت۔ غرضیکہ قدرت ہر رنگ اور ہر روپ میں پیرو کی دھرتی پر جلوہ گر دکھائی دیتی ہے۔

جیسوئیر ہیرود جمہوریہ پیرو کے دارالحکومت لیما کے نواحی قصبے صراف لورس میں پیدا ہوا۔ شاعری کا اعلیٰ ذوق اس کے ساتھ ساتھ نوجوان ہوا۔ لڑکپن میں ہی وہ بہت عمدہ لکھنے لگا تھا۔ ہیرود کی نظمیں اثر آفرینی اور معنوی ابلاغ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ وہ خوفناک حقائق اور بھیانک سچائیاں بہت ہی متوازن اور خوبصورت علامتوں کے ذریعے بیان کرنے میں مہارت رکھتا ہے اور بلاشبہ یہ وصف انتہائی اعلیٰ سطح کی تخلیقی صلاحیت رکھنے والے فنکاروں میں ہوتا ہے۔ ہیرود کی ایک نظم "نئی مسافت" سے چند سطریں حاضر ہیں۔

"۔۔۔سمندر کے کنارے بھی نہیں جانا
کیونکہ پانی میں چھپے ہوئے ٹانکوں اور قاتل گولیوں کا جال بچھا ہے
صرف بائیں طرف۔ جہاں دریا ہیں اور پربت
یہ وہ راستہ نہیں

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

''مردے'' نام کی ایک نظم میں فرینڈ ونہایت خوبصورتی سے اپنے ساتھیوں اور دشمنوں کی سوچ اور عمل کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ'' انقلاب دشمنوں کے نزدیک ہم محض مردہ ہیں۔۔۔اپنی اپنی قبروں میں سوئے ہوئے مردے۔لیکن انہیں نہیں معلوم کہ یہی مردے اب باغیوں کا ہاتھ پکڑ لیں گے رہنمائی کے لئے ۔اور کھیتوں میں بوائی کی لکیروں کو سمت بخشیں گے۔ایسا ہوگا کیونکہ ان کے ہاتھ اب کون روک سکتا ہے۔''

اس قسم کے اعلیٰ و ارفع خیالات کے مالک فرینڈ و گاردیو سروانتیس کو جرم بغاوت کی پاداش میں 1967ء کوقتل کر دیا گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

مسعود دھاتی

ہلاکت: 1947ء

اس نے بے جوڑ شادیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تمام بچوں کو حرامی قرار دیا۔ اس ناول نگار اور افسانہ نویس کی معاشرتی تنقید انتہائی زہریلی اور منافقوں کے لئے ناقابل برداشت ہے

مسعود دھاتی نے اپنا بچپن ایک چھوٹے سے قصبے میں گزارا۔ جوانی میں تہران آیا اور ایک دبستان (پرائمری سکول) میں معلم بن گیا۔ اسی زمانے میں وہ اخبارات میں ادبی مضامین لکھتا رہا۔ اس کا پہلا ناول روزنامہ ''شفق سرخ'' میں شائع ہوا۔ بعد میں اس کے کئی دوسرے ناول بھی شائع ہو کر عام ہوئے۔ ایک وزیر نے اس کی ذہانت سے متاثر ہو کر اسے صحافت کے مطالعہ کے لئے یورپ بھیجا۔ واپسی پر سیاسی بحران کی وجہ سے وہ اپنی بے باک صحافت جاری نہ رکھ سکا۔ 1941ء میں رضا خاں کی دست برداری کے بعد پریس کو آزادی نصیب ہوئی تو مسعود نے ''مرد امروز'' کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار نکالا اور اس میں حکام و عمال پر سخت تنقید کی۔ نتیجے کے طور پر اس کے دشمنوں نے 1947ء میں اسے قتل کروا دیا۔ قاتل کون تھا یہ کبھی معلوم نہ ہو سکا۔

دھاتی کی تصانیف میں تفریحات شب (1934ء) در تلاش معاش (1932ء) اشرف المخلوقات (1934ء) اور گلہائے کہ در جہنم می روید (1942ء) نمایاں شہرت کی حامل ہیں۔ آیئے ان کتب پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ دھاتی کے فن پر ڈاکٹر ظہورالدین احمد کیا تبصرہ کرتے ہیں۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ مصنف نے ''تفریحات شب'' نامی کتاب میں کوشش کی

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

کوائف پر تبصرہ کیا ہے اور اپنے خیالات و افکار کا اظہار کیا ہے۔ یہ انداز اس کتاب میں اتنی بار اختیار کیا گیا ہے کہ بعض جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص تقریر کر رہا ہے یا ایک مضمون لکھ رہا ہے۔

مصنف کے مشاہدات متنوع اور وسیع ہیں اور اس کا احساس تیز ہے۔ جملے جملے سے اس کی روح کا گداز اور اخلاص واضح ہے۔ ظلم و جہالت سے اسے نفرت ہے۔ اس نے تہران کی اجتماعی اور اقتصادی زندگی کا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ اس کے کردار زندگی کی سچی عکاسی کرتے ہیں۔ اس کے بیان میں کامل صراحت ہے کہ پڑھنے والا گویا خود ان کے تمام اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے۔

تیسری کتاب کا نام ''اشرف المخلوقات'' ایک طنزیہ نام ہے یعنی انسان ہے تو اشرف المخلوقات، لیکن اس کے کرتوت دیکھو تو حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔ اس کتاب میں بھی پہلی دونوں کتابوں کی طرح ایران کی اجتماعی اور اقتصادی زندگی کے تہ دار گوشوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اس میں دو موضوع زیادہ نمایاں ہیں۔ ایک عورت کی بے راہروی، شہوت پرستی اور بے وفائی اور دوسرے تاجروں کی غاصبانہ لوٹ کھسوٹ، چور بازاری اور دغا فریب۔

مصنف کا دل بڑا حساس اور دردمند ہے وہ غریبوں کا ہمدرد ہے۔ اس نے لکھا کہ میں ایک شہر میں قتل عام کی خبر سن کر اتنا متاثر نہیں ہوتا جتنا کہ اس شخص کی خودکشی سے جس نے فقر و پریشانی سے تنگ آ کر اپنی جان ہلاک کر لی ہو۔ وہ اپنے آس پاس دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ انسان امن وراحت کے لئے تگ و دو میں ہے۔ لیکن ہر شخص ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ ہر انسان اپنی ہوس اور شہوت کی تسکین کے لئے بڑے سے بڑا جرم کرنے کو تیار کھڑا ہے۔ ہر شخص ایک دوسرے سے انتقام لے رہا ہے۔

اشرف المخلوقات کوئی مسلسل کہانی نہیں ہے اس لئے باہم پیوستہ پلاٹ بھی نہیں بلکہ مختلف کردار ہیں جو بھرے شہر میں چلتے پھرتے زندگی گزار رہے ہیں، مر رہے ہیں، جی رہے ہیں، ایک دوسرے کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔ حکومت کے کل پرزے ڈھیلے ہیں۔ ہر محکمے کا کارکن رشوت خور اور نااہل ہے اور سارا نظام چوپٹ ہے۔

''گلہای کہ در جہنم میروید'' نامی یہ ناول دو جلدوں میں چھپا تھا۔ دوسری جلد کا نام ''بہار عمر'' تھا۔ گلہای کہ در جہنم میروید کا یہی مفہوم ہے کہ وہ بچے جو دوزخی ماحول میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی تربیت کی خرابیوں میں مصنف نے کئی عناصر کا ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ ایرانی مرد اور عورتیں عزاداری کی شوقین ہیں اور ائمہ و شہداء کے غم میں روتے ہیں۔ تعزیئے نکالتے ہیں۔

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

ہے کہ تہران کی شبانہ زندگی میں جس قسم کے عیش و عشرت کے مشاغل ہوتے ہیں ان کا ہمارے سامنے پیش کر دے۔ کہانی بیان کرنے والا مدرسے کا استاد ہے جسے تین گھنٹہ غیر حاضر رہنے کی وجہ سے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا ہے۔ اس ماسٹر صاحب کی آواز میں گویا مصنف کی آواز ہے۔ اس کا ایک مخصوص ساتھی اور تین چار اور دوست ہیں جن کی زندگیوں سے معاشرتی اخلاق و کردار کو واضح کیا گیا ہے۔ ''تفریحات شب'' میں قہوہ خانے، ریستوران، اور فاحشہ خانے کی زندگی کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ محفل شراب خوری، موسیقی، رقص و سرود، عیاشی، ہوس اور بے عفتی کا ذکر ہے۔ گناہ کی دکانداری اور عصمت فروشی کا چشم دید حال ہے۔ انسانوں کی حیوانیت اور رذالت کا بیان ہے۔ آخر میں مدرسہ میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے نقائص بیان کئے ہیں اور مروجہ نصاب تعلیم پر تنقید و تبصرہ ہے۔

مصنف نے تین چار شخصیتوں کا انتخاب کر کے گویا نچلے طبقہ کی نمائندگی کی ہے اور ان کی زبوں حالی اور پست کرداری کو واضح کیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اخلاقی و اجتماعی خرابیاں ماحول کے اثر سے پیدا ہوتی ہیں۔ جس نظام زندگی میں وہ پرورش پا رہے ہیں وہ سراسر فساد و گندگی سے بھرا ہے۔ راستی و اخلاص کا نام نہیں۔ ریا مکر اور فریب ہر جگہ رائج ہے۔ جب محنت و دیانت سے روٹی نہیں ملتی تو چالاکی اور بد دیانتی سے کام لیا جاتا ہے۔

یہ کتاب بڑی مقبول ہوئی۔ جمال زادہ نے لکھا ہے کہ اوضاع ایران بیان کرنے کے لحاظ سے یہ بہترین کتاب ہے۔ ''در تلاش معاش'' مسعود کی دوسری کتاب ہے، یہ تفریحات شب کا ضمیمہ ہی سمجھئے کیونکہ اس میں بھی انہی چار شخصیتوں کا بیان ہے جن کا تعارف مصنف نے تفریحات میں کرایا ہے۔

اس کتاب میں بھی مصنف نے ایران کی اقتصادی اور اجتماعی زندگی کو بے نقاب کیا ہے اور بتایا ہے کہ لوگ کس طرح فریب اور دغا دیتے ہیں، چالاکیوں اور عیاریوں سے روپیہ حاصل کرتے ہیں، مکان اور جاگیریں بناتے ہیں، اپنی ریاکاری اور عوام کی جہالت کی وجہ سے اپنے کرتوتوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں اور اپنی جھوٹی آبرو کو قائم رکھتے ہیں۔ اسی مسموم فضا میں جب کوئی دوسرا شخص نیک ارادے سے کام کرتا ہے تو وہ بھی اسی ڈھرے پر جا پڑتا ہے۔ مصنف سماج پر بے رحمی سے تنقید کرتے ہوئے سوال اٹھاتا ہے کہ کیا ساٹھ سال تک اس قسم کی زندگی بسر کرنا۔ فضائل انسانی سے محروم رہنا اور اپنا جمع کیا ہوا مال دوسروں کے لئے چھوڑ کر مر جانا ایسی زندگی ہے جس کی اتباع کی جائے؟

اس کتاب میں بھی افسانے کے روایتی بیان کے ساتھ ساتھ مصنف نے حالات و

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

بنجمن مولائس

ہلاکت: 1985ء

یہ عظیم سیاہ فام شاعر اگرچہ جنوبی افریقہ میں "گوری چمڑی" پر "سیاہ رنگت" کی فتح کا دن نہ دیکھ سکا۔ لیکن اسے اس فتح کے ملنے کا قوی یقین تھا۔ آخر کار یہ یقین رنگ لایا

بنجمن مولائس کا ایک ہی خواب تھا کہ کسی نہ کسی طرح وہ صبح طلوع ہو جو گوری اقلیت کا کالی اکثریت پر قائم اقتدار خاک میں ملا کر خاک کو تخت نشین کرے۔ اس خواب کی تعبیر کے لئے وہ موت تک کوشاں رہا۔ دشمن آزادی اور خود مختاری کے لئے بندوقیں تمام کر لڑنے والوں کی گولیوں سے کہیں زیادہ مولائس کے لفظوں سے خوفزدہ تھے۔ اس کے لفظ تھے ہی ایسے، یقین میں ڈوبے ہوئے، فتح کی امید میں لپٹے ہوئے اور دشمنوں کے لئے نیزوں کی انیوں سے بھی تیز۔

اگر یقین نہ آئے تو یہ نظم دیکھئے۔ ایک اکیلی جان کی قربانی کیا کچھ کر سکتی ہے؟ بنجمن کی زبانی سنئے:

"ہم موت سے کیا ڈریں
موت تو کسی کو بھی نہیں ڈراتی
جو کوئی بھی دھول سے پیدا ہوا ہے
اسے دھول ہی میں واپس جانا پڑے گا
میری موت کا دن اور وقت اور طریقہ،
سب کچھ طے پا چکا ہے

روضہ خوانی کرتے ہیں۔ تقریباً سب تیوہار ماتمی ہیں۔ مصنف نے لکھا ہے کہ گریہ و زاری زندگی کے لئے زہر ہے جس قوم کو گریہ کی عادت ہے وہ تو ذلیل ترین اقوام عالم میں سے ہے اور یہ مذہبی خرافات اور اوہام پرستی اپنے تمام مصائب و مفاسد کے ساتھ سوسائٹی کی بدبختی اور رنج و الم میں اضافہ کرتی ہے۔ ایک اور بڑی خرابی جو بچوں کی صحیح نشو و نما میں رکاوٹ ہے اور تمام افراد میں اخلاقی مفاسد پیدا کر رہی ہے وہ جنسی قیود ہیں۔ عورت پردے میں ہے۔ مردوں کو عورتوں کے ساتھ جنسی اختلاط کے کم مواقع ملتے ہیں۔ اس لئے ردعمل میں مرد غیر فطری عمل پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ استاد، بڑی عمر کے طالب علم اور حجروں میں رہنے والے اخوند اس قسم کے شہوانی جذبات سے مجبور ہو کر بدعملی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مصنف نے لکھا ہے کہ چونکہ شادی میں مرد و عورت کو انتخاب کی اجازت نہیں اس لئے تمائل طبعی کے بغیر جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ سب حرامزادے ہیں۔ مصنف نے چھوٹے شہروں کی غیر منتظم اقتصادی حالت بھی بیان کی ہے۔ سردی، وبا اور قحط کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ افلاس کی وجہ سے شہر گورستان بن جاتا ہے۔ عوام کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ خدا پر اعتقاد رکھنے والے بھی اس سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ لڑکا کہتا ہے "جو خدا جرم و گناہ کے بغیر مجھے اس رنج و الم میں مبتلا کئے ہوئے ہے میں اس کی عبادت کے لئے تیار نہیں ہوں"۔ اجتماعی خرابیوں کے بیان کے ساتھ مصنف نے حکومت اور اس کے کارکنوں پر سخت تنقید کی ہے۔ سب ڈاکو ہیں۔ غریبوں کا خون چوستے ہیں۔ عدل و انصاف کا کہیں وجود نہیں۔ پدر روحانی چور ہے۔ پاسبان چور ہے۔ جج قاتل ہے۔ ہماری تعلیم فساد و جہالت کا منبع ہے۔ بادشاہ جابر ایسا بیمار ہے جس کی خوراک سونا ہے اور مشروب خون۔ مصنف نے رضا شاہ کبیر کے عہد سلطنت کے جبر و تشدد پر بے باکی سے جرح کی ہے اور 1939ء کی جنگ عظیم سے جو تغیرات رونما ہوئے ان کا بھی تجزیہ کیا ہے۔

اس ناول میں مصنف بڑی بے باکی سے تنقید کرتا ہے۔ بے رحمی سے سوسائٹی کے ناسور کو چیرتا پھاڑتا ہے۔ بڑی تیزی و تندی سے اس کا قلم چلتا ہے۔ وہ بے خطر ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔۔۔ شاہنشاہیت کے دور میں ایسے تنقید نگار کا زندہ رہنا محال تھا۔ اسی لئے تھوڑے عرصے کے بعد ہی اس کو قتل کروا دیا گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

پورے عالم سے سینکڑوں اپیلوں نے جنوبی افریقہ کا رخ کیا۔ لیکن یہ اپیلیں گویا راستے ہی میں دم توڑ گئیں۔ نسل پرست گوروں نے دنیا کی درخواستوں کو ٹھکراتے ہوئے اپنے باطن کے خوف کو دور کرنے کے لئے، وہی کیا جو وہ کرنا چاہتے تھے۔

18 اکتوبر 1985ء کی ایک روشن صبح بنجمن مولائس کے خون سے رنگین ہوئی۔ موت کی اس صبح سے ایک شام پہلے بنجمن مولائس نے اپنی ماں سے آخری ملاقات کی اور دنیا بھر کے سیاہ فام عوام کے نام اپنا آخری پیغام جاری کیا۔ موت سے ایک دن قبل بھی بنجمن کا لہجہ اتنا ہی طاقتور تھا جتنا برسوں پہلے۔

> ”دنیا کو بتا دو کہ ایک روز کالے لوگ جنوبی افریقہ کے حکمران ہوں گے۔ دنیا کو بتا دو کہ ہم تمام مشکلات پر قابو پائیں گے۔ کل میں اپنا خون بہاؤں گا، ان لوگوں کے لئے جو پیچھے رہ جائیں گے۔“

احتجاج اس کی موت سے پہلے بھی جاری تھا۔ بعد میں بھی جاری رہا۔ محترم منو بھائی نے یکم دسمبر 1985ء کو اپنے کالم میں ان آخری نظموں کا اردو ترجمہ شائع کیا جو بنجمن مولائس نے کال کوٹھڑی میں لکھی تھیں۔ سندھی اور اردو کے حیدر آباد میں مقیم شاعر یوسف سومرو نے کہا:

”اے میرے مقتول بھائی اور میرے رہنماء
خون تیرا زندگی کا راستہ بن جائے گا
اس کے قدموں کے تلے ہو گا یہی رستہ ترا
جب بھی آزادی کا سورج دیس میں اٹھلائے گا

بنجمن مولائس کی موت پوری انسانیت کی موت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نہایت وسیع پیمانے پر اس کے اثرات نہ صرف سیاسی اور سماجی بلکہ ادبی اور تخلیقی سطح پر بھی صاف محسوس کئے گئے۔ پنجابی شاعر اقبال قیصر نے مولائس اور اس کی ماں کے درمیان ہونے والے مکالمے کو منظوم کیا:

نہ رووین نی میریئے مائے
نہیں وین سیاپا کرنا
میں قبراں دے وچ نہیں رہنا
میں سورج بن چڑھنا

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

اور مجھے اپنے انجام کے بارے میں
اب کوئی شبہ نہیں رہ گیا
شبہ یقین بن جائے، باطن ظاہر ہو جائے
تو پھر بندے اور خدا کا رشتہ
کمزور پڑ جاتا ہے
کہ باطن کا علم تو صرف خدا کو ہے
خدا جو قادر مطلق ہے---

وہ تمام فوجیں جو آج تک
پیش قدمی کر چکی ہیں
وہ تمام پارلیمان جو آج تک
اپنے اجلاس منعقد کر چکے ہیں
اس دھرتی پر انسانی زندگی کو
اتنا تبدیل نہیں کر سکے
جتنا کہ ایک اکیلی زندگی (کی قربانی) کر سکتی ہے
مجھے فخر ہے اپنے آپ پر
مجھے فخر ہے اپنے کئے پر
میرے خون کی بارش
ظلم و تشدد کی آندھیوں کا تعاقب کرے گی
مجھے فخر ہے کہ میں اپنی زندگی دے رہا ہوں
اپنی ایک اکیلی زندگی-----

ایسی نظمیں کہنے والا بنجمن مولائس آخر کب تک برداشت کیا جا سکتا تھا۔ جلد ہی نسل پرست گورے حکمرانوں نے اسے بغاوت کے جرم میں حراست میں لے لیا۔ مقدمہ چلانے والوں نے سزا تو پہلے ہی تجویز کر رکھی تھی لہٰذا عدالت میں ''سزائے موت'' کی صدا گونجی اور دنیا کا ہر خطہ اس ناانصافی پر کانپ کر رہ گیا۔ امن اور انصاف کے لئے، انسانی آزادی کے نام پر اور بین الاقوامی بھائی چارے کی خاطر دنیا بھر نے موت کی یہ سزا رکوانے کی کوشش کی۔

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

روچیو ایمیریکہ

ہلاکت: 1986ء

یہ نوجوان باغی شاعرہ اپنی نیلی آنکھوں میں آنسو بھر کے بھی مایوس نہیں ہوتی اور کہتی ہے کہ محبت اور انقلاب کندھے سے کندھا ملا کر آگے بڑھیں گے

روچیو ایمیریکہ کا تعلق السلواڈور سے تھا۔ یہ نوجوان شاعرہ کب پیدا ہوئی، معلوم نہیں۔ شاید اس کا نام بھی کوئی نہ جانتا اور اس کی خوبصورت نظمیں گمنام بن کر ادبی دنیا کی بھول بھلیوں میں کھو جاتیں اگر خود اس نے اپنی شناخت نہ کروائی ہوتی۔ احمد سلیم کے مطابق جب اسے یورپ میں جلا وطن کیا گیا تو اس نے اپنا نام "روچیو ایمیریکہ" بتایا تھا لہٰذا آج وہ اسی نام سے معروف ہے۔

بیسویں صدی کے نویں عشرے میں اس کی لافانی نظموں کی ایک چھوٹی سے کتاب "اے لیٹر فرام السلواڈور" کے نام سے چھپی اور ہزاروں کی تعداد میں فروخت ہوئی۔ نوجوان روچیو کے خیالات و افکار پر اثر اور شعری لہجہ منفرد ہے۔ ایک مثال دیکھئے:

"ایک دوسرے کو ڈھونڈتی ہیں ہماری آنکھیں
رات ہے اور سردی ہے
ہم کچھ ساتھی امریکہ ہاؤس کے باہر جمع ہو کر،
نعرے لگا رہے ہیں
اداس اور غصے سے بھرے ہوئے
(کیونکہ میرے وطن میں انہوں نے چاکوان، ایوریز اور تین دوسرے ساتھی، جن کے نام میں نہیں جانتی، ہلاک کر دیئے ہیں)

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

بیسویں صدی کے اواخر میں بنجمن مولائس کا خواب پورا ہوا۔ سیاہ فام اکثریت کا تسلیم کر لیا گیا کیونکہ اسے تسلیم کئے بغیر چارہ نہ تھا۔ نیلسن منڈیلا ستائس سال سے بھی زیادہ عرصہ جیل میں گزار کر رہا ہوئے اور جنوبی افریقہ کے صدر بن گئے۔ جنوبی افریقہ میں سفید سانپوں کو کچلنے کی فکری تحریک بنجمن مولائس کے ذکر کے بغیر ادھوری رہے گی۔ عباس احمد آزاد نے ''بیسویں صدی میں قومی آزادی کی تحریکیں'' نامی اپنی کتاب میں مشہور فلسفی کرکیگارڈ کا ایک قول نقل کیا ہے: ''ظالم حکمران اور اقتدار کے رسیا جب مرتے ہیں تو ان کی حکومت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر انسانی حقوق اور اقوام کے حق آزادی کے داعی و علمبردار جب اس راہ میں جان دیتے ہیں تو ان کی شہادت سے ان کی کبھی ختم نہ ہونے والی حکومت کا آغاز ہوتا ہے''۔ اس قول کی صداقت پر شک کی گنجائش نہیں کہ آج جنوبی افریقہ میں ''بنجمن مولائس کی حکومت'' ہے۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

پھولن دیوی

عہد حیات: 1963ء۔ 2001ء

پارلیمنٹ کے اجلاس میں اونچی ذات کے ہندوئوں کو گالیاں دینے والی واحد بھارتی سیاستدان۔ ڈاکوئوں کی ملکہ جو بعد ازاں دلوں کی ملکہ بن گئی۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے اس کی شرائط پر اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گئے

1963ء میں نچلی ذات کے ایک ہندو خاندان میں پیدا ہونے والی پھولن دیوی کی زندگی جبر کے خلاف بغاوت کی داستان ہے۔ یہ داستان اگر پھولن سے سنی جائے تو وہ کہتی ہے: ''میں لکھنا جانتی ہوں نہ پڑھنا، یہی میری کہانی ہے۔'' لیکن اس کے ان الفاظ کے باوجود اس کی داستان حیات کئی بار لکھی گئی اور کئی بار لکھی جائے گی۔ عبدالوحید حسینی اس کہانی کا آغاز یوں کرتے ہیں:

''پھولن کی مختصری زندگی ذلت، مصائب، آلام اور خطروں کا سامنا کرتے گزری۔ مدھیہ پردیش کے ایک انتہائی مفلوک الحال گھرانے میں جنم لینے والی پھولن کا قصور یہ تھا کہ نیچی ذات کے والدین کے جھونپڑے میں پیدا ہونے والی لڑکی چھوٹی سی عمر میں اونچی ذات کے برہمنوں اور ٹھاکروں کے انسانیت سوز سلوک کے خلاف باغیانہ ذہن رکھتی تھی۔ اسے ڈاکو بننے پر مجبور کرنے والے اس کی عزت نفس کے قاتل، سماج کے ظالم ٹھیکیدار اور محافظوں کے بھیس میں پولیس کے لٹیرے تھے۔ 11 سال کی عمر میں پھولن کے باپ نے غربت کی وجہ سے اس کی شادی ایک گائے اور بائیکل کے عوض 40 سالہ پتی لال سے کر دی جس کی پہلے سے دو بیویاں موجود تھیں۔ اس کی سوتنیں دن رات اس سے کام لیتیں اور اپنی فرسٹریشن کی تسکین کے

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

میں کچھ کہنا چاہتی تھی
اپنی کمزور جرمن زبان کے باعث
کچھ نہ کہہ سکی
۔۔۔۔ میں کہنا چاہتی تھی:
ہماری جنگ جاری رہے گی
وہ ہمیں کبھی ختم نہیں کر سکتے
آخر میں
ہماری نظریں ٹکرائیں
تیری نیلی آنکھیں
میرے آنسوؤں سے بھری ہوئیں۔۔۔۔
انقلاب آگے بڑھ رہا ہے
محبت آگے بڑھ رہی ہے۔"

اپنی نیلی آنکھوں کو "تیری نیلی آنکھیں" اور اپنے آنسوؤں کو اپنے ہی آنسو لکھ کر اداسی اور ناامیدی میں بھی امید کی شمع جلائے رکھنے والی اس نوجوان باغی شاعرہ کی زندگی کا چراغ سامراجی ہواؤں کی زد میں آ کر جون 1986ء کو بجھا اور چند گولیاں زندہ لفظ لکھنے والی روچیو امیریکہ کو موت کے حوالے کر گئیں۔

○○○○

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

''بینڈٹ کوئن'' نامی کتاب کو اسی نام سے فلم کے قالب میں ڈھالا، اس فلم نے پھولن کو دنیا بھر میں متعارف کرا دیا۔ پھولن نے اپنے انٹرویو میں بتایا کہ وہ صرف ان لوگوں کو لوٹتی تھی جو غریبوں پر ظلم کرتے تھے۔ نچلی ذات کے لوگوں کو اچھوت سمجھتے تھے اور ان کی لڑکیاں اٹھا کر لے جاتے تھے۔ برہموں، ٹھاکروں اور پولیس کے مظالم کے خلاف پھولن کی جدوجہد سے متاثر ہو کر ایک امریکی مصنف نے اسے بھارت کا رابن ہڈ قرار دیا تھا۔ پھولن نے اپنی کتاب اور انٹرویوز میں ڈاکوؤں کے گروہ کے پہلے سردار بابا مستقیم کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ بابا مستقیم نہایت رحمدل اور غریب پرور انسان تھا اس نے میرے دل میں انسانیت کی جوت جگائی اور خدمت خلق کے جذبے کو ابھارا۔ بابا مستقیم کے بعد وکرم ملاح نے گروہ کی قیادت سنبھال لی وکرم اور پھولن نے مل کر بھارت کی پولیس اور سرکاری مشینری کو اتنا زچ کیا کہ وزیراعظم اندرا گاندھی نے پولیس افسروں اور اعلیٰ حکام کو اختیار دیا کہ اگر ڈاکوؤں کی ملکہ کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا تو اس سے کوئی ڈیل کر لی جائے پھولن نے اپنی شرائط پر 1983ء میں گرفتاری دی اور 11 سال جیل میں گزارے۔ اس کے خلاف 55 مقدمات درج کئے گئے لیکن ایک بھی مقدمہ عدالت میں پیش نہ کیا جا سکا۔ حکومت کے پاس پھولن کے خلاف ثبوت نہ تھے پھولن کے وکیل نے بتایا کہ بہمائی کے قتل عام میں پھولن براہ راست ملوث نہ تھی اس وقت وہ قانونی طور پر نابالغ تھی لہٰذا اس کے خلاف مقدمہ چلایا جانا خاصا دشوار تھا جیل سے ضمانت پر رہائی کے بعد پھولن نے باقاعدہ سماجی خدمات انجام دینی شروع کر دیں انہوں نے ایک عالمی تنظیم مہلا سدھار فیڈریشن کی داغ بیل ڈالی اس تنظیم کی صدر کی حیثیت میں اسے دنیا کے تقریباً 80 ممالک نے اپنے پاس مدعو کیا۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے عرض کرنا مناسب ہو گا کہ ڈاکوؤں کی ملکہ کو امن کے نوبل پرائز کے لئے بھی نامزد کیا گیا تھا اور 20 ممالک نے ان کی نامزدگی کی حمایت کی تھی لیکن بھارتی حکومت کے کرتا دھرتا برہموں اور ٹھاکروں نے نوبل پرائز کے لئے پھولن کی نامزدگی کو سرد خانے میں ڈال دیا۔''

25 جولائی 2001ء کو دوپہر ایک بج کر بیس منٹ پر تین نقاب پوش حملہ آوروں نے سر میں گولیاں مار کر پھولن دیوی کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ یوں بھارت کے 50 کروڑ سے زائد مفلسی کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے والے نچلی ذات کے ہندوؤں اور اقلیت کے حقوق کی بہیمانہ پامالی اور عزت نفس کے نام پر قتل عام کے خلاف آواز بلند کرنے والی رکن پارلیمنٹ پھولن دیوی کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

OOOO

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

لئے اس کو بے تحاشا مارتی تھیں۔ شوہر رات کو گھر آتا تو دن بھر کا غصہ اس پر نکالتا۔ پھولن شاید اسی طرح اپنی سوتنوں اور شوہر کے مظالم کا شکار ہو کر مرکھپ جاتی لیکن ایک شام جب اس کی سوتنوں نے اسے مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا تو دھتکاری ہوئی معصوم لڑکی ٹھاکروں کے ہتھے چڑھ گئی۔ مدھیہ پردیش کے گاؤں بیہمائی کے دو کڑیل ہٹے کٹے مشٹنڈے ٹھاکر اسے جنسی جنون کا نشانہ بناتے، پھولن کی خوش نصیبی کہ ایک دن ٹھاکر کوٹھڑی کو تالا لگانا بھول گئے۔ موقعے سے فائدہ اٹھا کر پھولن در بدر ٹھوکریں کھاتی ہوئی بالآخر چمبل کی گھاٹیوں میں روپوش بابا مستقیم و کرم ملاح کے ڈاکوؤں کے ٹولے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی، چمبل کی دہشت ناک گھاٹیوں میں چھپے ہوئے ڈاکوؤں کے گروہ کے بارے میں پھولن نے ٹھاکروں کی قید کے دوران کافی کچھ سن رکھا تھا۔ کمزور انسانوں پر حاکمیت کا رعب جمانے والے یہ ٹھاکر اور برہمن بھی چمبل کی گھاٹیوں میں رہنے والے ڈاکوؤں کی دہشت سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ پھولن نے سوچ رکھا تھا کہ اگر زندگی نے وفا کی تو وہ کسی نہ کسی طرح چمبل پہنچ کر ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل ہو جائے گی۔ پھولن نے ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ اپنے وجود میں جلتی ہوئی انتقام کی آگ کی عارضی تسکین کے لئے سب سے پہلے اس نے مردوں کی مانند گالی دینا سیکھا پھر گھڑ سواری اور رائفل چلانے میں مہارت حاصل کی۔ بابا مستقیم اور وکرم ملاح کے پولیس مقابلوں میں کام آنے کے بعد اس کو ڈاکوؤں کے گروہ کا سردار بنا دیا گیا، پھولن کا محبوب وکرم تو مخالف ڈاکو گروہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا لہٰذا حسینی صاحب یہاں غلطی پر ہیں۔ اس ضمن میں پوری تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: ''میں ہوں پھولن دیوی'' مطبوعہ نگارشات، لاہور۔ یہیں سے پھولن ڈاکوؤں کی ملکہ کہلانے لگی پھولن کی دہشت شمالی ہند کے کونے کونے میں اس وقت پھیل گئی جب 1981ء میں بیہمائی پر ایک دھاوے کے دوران اسے اپنے اوپر ڈھائے گئے مظالم یاد آ گئے پھولن نے 24 ٹھاکروں کو ان کے گھروں سے گھسیٹ کر باہر نکالا اور ان پر فائر کھول دیا 22 ٹھاکر پلک جھپکتے ہی پرلوک سدھار گئے۔ ٹھاکروں کو موت کی نیند سلا کر پھولن دوسری شب خود بھی جنگلوں اور چمبل کی گھاٹیوں میں بارہ سالہ دور میں پہلی بار سکھ چین اور اطمینان کی نیند سوئی۔ پھولن کی زندگی کی تجربہ پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں ان میں سب سے زیادہ معروف کتاب شہرت یافتہ مصنفہ مالا سین کی ''BANDIT QUEEN'' ہے جس کا 27 زبانوں میں ترجمہ شائع ہوا۔ خود پھولن نے ڈاکوؤں کے گروہ کے بارے میں ایک کتاب ''MY LIFE'' لکھی ایک فرانسیسی مصنفہ نے بھارتی مترجم کی مدد سے نقل کی ہیں۔ ڈاکوؤں کی ملکہ کے شب و روز، مقصد حیات اور دیگر تفاصیل صفحات پر بکھیر کر ... سات لاکھ کاپیاں دنیا بھر میں فروخت ہوئیں، نامور فلمساز

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

چارٹ:2

شعبے اور شخصیات

1-انبیاء	03	14-شاعر	24
2-صحابیہ	01	15-ادیب	06
3-تابعی	01	16-فلسفی	03
4-خلفاء	06	17-مفکر	05
5-ائمہ	04	18-مورخ	01
6-صوفیاء	03	19-سائنسدان	02
7-بانیان مذاہب	03	20-انقلابی	10
8-علماء	05	21-مقرر	02
9-مصلح	03	22-صحافی	01
10-حکایت گو	01	23-جاسوس	02
11-جرنیل	06	24-بحری سیاح	02
12-حکمران	23	25-سیاستدان	06
13-وزراء	03	26-بدقماش	04

کل شناختی حوالے:26

کل شخصیات:130

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

چارٹ: 1

ادوار اور شخصیات

ق م

3121ق م۔ 2121ق م	پہلے ہزار سال	02
2121ق م۔ 1121ق م	دوسرے ہزار سال	02
1000ق م۔ 1 ق م	تیسرے ہزار سال	22

ء

پہلی صدی عیسوی	1ء تا 100ء	03
دوسری صدی عیسوی	101ء تا 200ء	00
تیسری صدی عیسوی	201ء تا 300ء	01
چوتھی صدی عیسوی	301ء تا 400ء	00
پانچویں صدی عیسوی	401ء تا 500ء	03
چھٹی صدی عیسوی	501ء تا 600ء	08
ساتویں صدی عیسوی	601ء تا 700ء	07
آٹھویں صدی عیسوی	701ء تا 800ء	02
نویں صدی عیسوی	801ء تا 900ء	03
دسویں صدی عیسوی	901ء تا 1000ء	04
گیارہویں صدی عیسوی	1001ء تا 1100ء	01
بارہویں صدی عیسوی	1101ء تا 1200ء	04
تیرہویں صدی عیسوی	1201ء تا 1300ء	01
چودہویں صدی عیسوی	1301ء تا 1400ء	03
پندرہویں صدی عیسوی	1401ء تا 1500ء	06
سولہویں صدی عیسوی	1501ء تا 1600ء	04
سترہویں صدی عیسوی	1601ء تا 1700ء	04
اٹھارہویں صدی عیسوی	1701ء تا 1800ء	06
انیسویں صدی عیسوی	1801ء تا 1900ء	22
بیسویں صدی عیسوی	1901ء تا 2000ء	22

کل عرصہ: پانچ ہزار، ایک سو، بائیس سال

کل شخصیات: 130

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

ضمیمہ

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

چارٹ: 3

ممالک اور شخصیات

1-ایران	18	18-ہنگری	02
2-عرب	17	19-بلغاریہ	02
3-یونان	10	20-چین	01
4-روم	08	21-اسکینڈے نیویا	01
5-انگلستان	08	22-افغانستان	01
6-متحدہ ہندوستان	08	23-پرتگال	01
7-روس	07	24-آسٹریا	01
8-کشمیر	06	25-ہالینڈ	01
9-فرانس	05	26-اٹلی	01
10-امریکہ	05	27-پاکستان	01
11-مصر	04	28-رومانیہ	01
12-اسپین	03	29-کوریا	01
13-فلسطین	03	30-بنگلہ دیش	01
14-جرمنی	03	31-ارجنٹائن	01
15-عراق	02	32-نکاراگوا	01
16-آزاد بھارت	02	33-پیرو	01
17-چیکوسلواکیہ	02	34-جنوبی افریقہ	01

کل 34 ممالک

کل 130 شخصیات

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

کچھ اور اہم قتل

مروان بن حکم ○ حضرت عثمانؓ کے چچا کا بیٹا، اموی خلیفہ ○ 685ء میں زہر سے موت ہوئی۔

عبیداللہ ابن زیاد ○ یزید کی طرف سے کوفے کا گورنر، دشمن اہل بیت ○ مختار ثقفی کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ 686ء میں قتل کے بعد اس کا سر کوفہ میں اسی جگہ رکھا گیا جہاں امام عالی مقام علیہ السلام کا سر اقدس رکھوایا گیا تھا۔

ابن المقفع ○ ایرانی النسل ادیب، عربی انشا پردازی میں خوب نام کمایا ○ 723ء میں پیدا ہوا۔ عباسیوں کے خاندانی جھگڑوں میں ٹانگ اڑانے کی پاداش میں 759ء میں خلیفہ منصور کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

ابن المعتز، ابوالعباس عبداللہ ○ خلیفہ المعتز کا بیٹا، عربی کا بلند پایہ شاعر، عالم اور انشا پرداز ○ 861ء میں پیدا ہوا۔ ادب کا آدمی تھا، سیاست میں آیا تو صرف ایک دن کی حکومت سے گھبرا کے بھاگ اٹھا۔ پکڑا گیا تو قتل ہوا۔ یہ واقعہ 29 دسمبر 908ء میں پیش آیا۔

موہان ○ آئرلینڈ کا بادشاہ ○ 976ء میں ایک باغی گروہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

برائن بورو ○ آئرلینڈ کا بادشاہ، یورپ کی ممتاز ترین شخصیات میں سے ایک ○ 924ء میں پیدا ہوا اور 1014ء میں قتل کر دیا گیا۔

ابن زہر ○ نامور طبیب ○ ہسپانوی عربوں کے قبیلہ عدنان سے تعلق تھا۔ اشبیلیہ میں پیدا ہوا۔ 1130ء میں طب کی کئی بلند مرتبہ کتب کا یہ خالق زہر دیئے جانے کے باعث ہلاک ہو گیا۔

ابن باجہ ○ اندلس کا مشہور فلسفی اور دانشور ○ ابن رشد پر سب سے زیادہ اسی کا اثر تھا۔ زیادہ لمبی عمر نہ پا سکا۔ نوجوانی میں ہی کسی نے زہر دے کر مار ڈالا۔ یہ واقعہ 1139ء کو

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

سلطنت کا آغاز ہوا۔

ولیم دی سائلینٹ ○ اسپینی نیدر لینڈ کا گورنر ○ 1533ء میں پیدا ہوا اور 1584ء میں ایک متعصب کیتھولک کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔

میری جولسن ○ سکاٹ لینڈ کی ملکہ ○ اپنی بہن ملکہ الزبتھ اول کے ہاتھوں 17 فروری 1587ء کو موت کے گھاٹ اتری۔

فرہاد پاشا○ ترکی فوج کا اعلیٰ افسر ○ اکتوبر 1595ء میں سزائے موت سے ہمکنار ہوا۔

چاند بی بی ○ والی احمد نگر کی بیٹی، اور عادل شاہ والی بیجاپور کی بیگم ○ یہ بہادر سلطانہ 1544ء میں پیدا ہوئی اور 1599ء میں فسادیوں کے ہاتھوں ماری گئی۔

ہنری چہارم ○ فرانسیسی بادشاہوں میں سب سے مقبول فرمانروا○ 1553ء کو پیدا ہوا۔ 1610ء میں ایک بے روزگار کیتھولک نوجوان نے خنجر کے پے در پے وار کر کے ہلاک کر دیا۔

گرو تیغ بہادر ○ سکھ مذہب کے 9 ویں گرو، ہرو ہرگوبند کے فرزند ○ 1627ء میں پیدا ہوئے اور 1675ء میں موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

ناصر جنگ ○ نظام الملک کا دوسرا بیٹا، دکن کی ریاست کا نائب ○ دسمبر 1750ء میں شہید کر دیا گیا۔

نواب سراج الدولہ ○ اصل نام مرزا محمد تھا○ عظیم آباد جاتے ہوئے 2 جولائی 1757ء کو گرفتار ہوا اور اگلے ہی دن میر جعفر کے بیٹے میرن کے حکم سے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

لوئیس شش دہم ○ انقلاب فرانس کی نذر ہونے والا بادشاہ○ وہ 1754ء میں پیدا ہوا۔ 21 جنوری 1793ء کو انقلابیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

میری اینٹونیٹ ○ فرانس کی ملکہ، لوئیس شش دہم کی بیوی ○ 10 اکتوبر 1793ء کو قتل کر دی گئی۔

ابن سعود، عبدالعزیز○ دولت نجدیہ کے بانی ○ 1724ء میں پیدا ہوئے۔ 1803ء میں ایک طالب علم نے خنجر سے وار کیا۔ اس وار کے نتیجے میں آنے والے زخم کے باعث

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

پیش آیا۔

شہاب الدین سہروردی ○ معقولات میں بے مثال شہرت کا حامل عالم، حکمت الاشراق کا مصنف ○ 1155ء میں پیدا ہوا۔ قدماء کے نظریات سے اختلاف کی بناء پر معتوب ٹھہرا۔ صلاح الدین ایوبی کے حکم سے حلب میں اسے سزائے موت دی گئی۔ یہ واقعہ 1191ء میں پیش آیا۔

شمس الدین تبریزی ○ مشہور عالم صوفی بزرگ اور مفکر ○ ایران کے شہر تبریز میں پیدا ہوئے۔ مولانا روم کے شاگردوں کے ہاتھوں 1247ء کے لگ بھگ شہید ہوئے۔

شجرۃ الدر ○ پہلے کنیز، بعد ازاں مصر کی حکمران ○ 1216ء کو پیدا ہوئیں۔ 1257ء کو ہلاک کر دی گئیں۔

شمس الدین جوینی ○ ایرانی ماہر سیاسیات، شاعر اور ادیب ○ 12 اکتوبر 1284ء کو قتل کر دیا گیا۔

جلال الدین خلجی ○ خلجی خاندان کا بانی ○ اپنے بھتیجے اور داماد علاؤ الدین خلجی کے ہاتھوں 1295ء میں قتل ہوا۔

ابن الخطیب ○ نامور مورخ اور ادیب ○ 1313ء میں جنوبی غرناطہ کے لوشہ نامی قصبے میں پیدا ہوا۔ کفر والحاد کے الزام کے تحت قید کر کے سخت اذیتیں دی گئیں۔ آخر کار 1374ء کو قتل ہوا۔

الغ بیگ ○ ماوراء النہر (ایران) کا گورنر ○ 1393ء میں پیدا ہوا۔ 1449ء میں سگے بیٹے عبداللطیف نے اپنے مصاحب کے سپرد کر دیا اور اس نے اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ابو عبداللہ محمد بن سلیمان ○ مراکش کے صوفی اور عالم ○ ضلع سوس میں 1465ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔

جعفر چلپی ○ ترک ادیب اور سیاستدان ○ 1459ء میں پیدا ہوا اور 1515ء میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

ابراہیم لودھی ○ لودھی خاندان کا آخری بادشاہ ○ اپریل 1526ء میں پانی پت کی جنگ میں بعد از شکست قتل ہوا۔ یوں لودھی خاندان انجام کو پہنچا اور ہندوستان میں مغلیہ

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

Saeed Ahmad +971552066884 Scanned with CamScanner

"انسانی تاریخ کے بڑے قتل" ایک طالب علم سے لے کر اساتذہ کرام تک سب کے لئے گرانقدر معلومات فراہم کرنے کی تحقیق شدہ دستاویز ہے۔
خالد ارمان کے جواں چہرے پر ابھی جھریاں نہیں پڑی ہیں، اس نے اپنے جواں ہاتھوں میں بوڑھا قلم تھام رکھا ہے، وہی قلم کہ جس نے تاریخ انسانی کا ابجد لکھا ہوگا۔

عباس سوز

"اردو میں لکھی جانے والی اپنی نوعیت کی یہ پہلی کتاب کبھی بھی آخری کتاب نہ ہو۔ اور بھی مقتول پیدا ہوں، اور بھی قاتل آئیں، اور بھی قتل گاہیں سجیں، اور بھی خالد ارمان پیدا ہوں کہ جنہیں ان "بے گناہوں" کی داستانیں لکھنے اور انہیں آنے والی تاریخ میں محفوظ کرنے کا شرف حاصل ہو"

اکرم شیخ

I believe this is the first book in the field of research in Urdu which has spanned the life stretching over five thousand years... That life which again and again stumbled upon death.

By discovering the pages lost in the dark recesses of history. Khalid Arman has achieved a distinction which is both appreciable and enviable.

Pervez Akhtar

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner

"انسانی تاریخ کے بڑے قتل" ایک طالب علم سے لے کر اساتذہ، کرام تک سب کے لئے گرانقدر معلومات فراہم کرنے کی تحقیق شدہ دستاویز ہے۔
خالد ارمان کے جواں چہرے پر ابھی جھریاں نہیں پڑی ہیں، اس نے اپنے جواں ہاتھوں میں بوڑھا قلم تھام رکھا ہے، وہی قلم کہ جس نے تاریخ انسانی کا ابجد لکھا ہوگا۔

عباس سوز

"اردو میں لکھی جانے والی اپنی نوعیت کی یہ پہلی کتاب کبھی بھی آخری کتاب نہ ہو۔ اور بھی مقتول پیدا ہوں، اور بھی قاتل آئیں، اور بھی قتل گاہیں سجیں، اور بھی خالد ارمان پیدا ہوں کہ جنہیں ان "بے گناہوں" کی داستانیں لکھنے اور انہیں آنے والی تاریخ میں محفوظ کرنے کا شرف حاصل ہو"

اکرم شیخ

I believe this is the first book in the field of research in Urdu which has spanned the life stretching over five thousand years... That life which again and again stumbled upon death.

By discovering the pages lost in the dark recesses of history. Khalid Arman has achieved a distinction which is both appreciable and enviable.

Pervez Akhtar

Saeed Ahmad +971552066884
Scanned with CamScanner